شام تک میں نے چاؤ فان کے ساتھ کافی وقت گزارا تھا۔ اس سے دوبارہ چھیڑ چھاڑ کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ میں نے غزالہ کو تیار ہونے کی ہدایت دی اور اسے ساتھ لے کر شہر کی کوچہ نوردی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔

ہمیں بنکاک آئے کافی دن ہو چکے تھے لیکن اپنی مخصوص مصروفیات اور حالات کی بنا پر مجھے شہر کو زیادہ جاننے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ پھر بھی گولڈن ڈریگن کیسینو اور بے بی کلب شہر کے معروف مقامات تھے۔ سیر کے دوران میں ہم ٹیکسی کے ذریعے ان دونوں مقامات تک گئے اور مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ راجن کے وہ دونوں ٹھکانے کھلے ہوئے ہونے کے باوجود ویران پڑے ہوئے تھے' وائٹ ہاک کی غرقابی کے واقعے نے بنکاک کے رنگین مزاج طبقے کو راجن کی تفریح گاہوں سے دور رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ہم نے پیٹ پونگ کے علاقے کے وہ دونوں ہوٹل بھی دیکھے جنہیں راجن کے آدمیوں نے آگ لگا دی تھی۔ وہ واقعہ تازہ تھا۔ وہاں تماشائیوں کی بھیڑ جمع تھی۔ دونوں گلیوں میں خوف و ہراس کی فضا پائی جا رہی تھی۔ الگ الگ گلیوں میں واقع دونوں ہوٹل جل کر راکھ ہو چکے تھے۔ ان سے متصل دکانوں کو بھی آگ نے نقصان پہنچایا تھا۔ پولیس وہاں اپنی رسمی کارروائی کر کے واپس جا چکی تھی۔ ہوٹلوں وغیرہ کے مالک اور ملازمین سرد ہوتے ہوئے ملبے میں سے باقیات جمع کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

''یہ دونوں بے چارے ناگہانی مارے گئے!'' غزالہ نے وہاں سے نکلتے ہوئے متاسفانہ لہجے میں تبصرہ کیا۔

''کسی نہ کسی کی شامت آنی تھی۔ کیا یہ اچھا نہیں ہوا کہ اس خبیث نے اپنے ہم وطنوں کو نقصان پہنچایا ہے۔'' میں نے سوال کیا۔

''ایسے لوگوں کے لیے کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ یہ بے ضمیر ہوتے ہیں۔ اندھے ہو کر اپنی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو روند ڈالتے ہیں۔'' غزالہ نے حقارت سے کہا ''اپنے مفادات کی خاطر یہ اپنے اور پرائے میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔''

جب ہم ایک صاف ستھرے ہوٹل میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے تو غزالہ نے اچانک لی کا ذکر نکال لیا ''وائٹ ہاک کے پیندے میں بم لگانے والی سے کام نکالنے کے بعد آپ نے اسے بالکل بھلا دیا۔ وائٹ ہاک کے ڈوبنے سے اسے جھٹکا لگا ہوگا۔''

''وہ خود بھی راجن کے خون کی پیاسی ہے۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا ''سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے ہوا۔ لانچ کے انجام پر وہ بہت خوش تھی۔''

''خاصی دلیر اور حوصلے والی عورت ہے!'' غزالہ نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''ڈان نے اسے لمبی گھوڑی کا لقب دیا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

''اچھا لقب ہے۔ گھوڑا وفادار جنگی سواری کہلاتا ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولی۔

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ غزالہ سے لی کے بارے میں بات کرتے ہوئے میرے دل کا چور مجھے ستا رہا تھا۔ غزالہ میری بیوی تھی۔ شاید اس کی چھٹی حس نے اس بارے میں کچھ سمجھا دیا تھا۔ وہ کھانے کے دوران بھی جان بوجھ کر اس کا ذکر کرتی رہی اور میں ہوں ہاں کر کے اسے مختصر ترین جوابات پر ٹالتا رہا۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ میری زبان سے کوئی اعتراف سننے کی امید میں لی کی باتیں نکال رہی ہو۔

ہم کھانے کے بل کی ادائیگی کر کے ہوٹل سے باہر نکلے تو غزالہ کے ذہن پر لی سوار تھی۔ وہ کہہ رہی تھی ''کیا بات ہے۔ آپ اس کے بارے میں کھل کر بات کرنے سے ہچکچا رہے ہیں!''

''اس نے بہت بڑا کام کیا ہے جو میرے لیے مشکل اور چاؤ فان کے لیے ناممکن تھا۔ پورے منصوبے میں اس کی حیثیت اس مزدور جیسی تھی جو ایک فلک بوس عمارت کے لیے پتھریلی زمین میں بنیاد کھودتا ہے۔'' میں نے زچ ہو کر ذرا وضاحت کے ساتھ کہا ''تم عمارت کی تعمیر کا سہرا اس مزدور کے سر باندھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ حالانکہ سارا کمال آرکیٹیکٹ کا ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں اتنا سر کھپانا بے سود ہے۔''

''کبھی کبھی آپ ویرا کے بارے میں بھی مبہم رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔'' اس نے سرسری لہجے میں ایک گہرا طنز کیا ''میں ڈر رہی تھی کہ اس عورت نے آپ سے دوستی بڑھانے کی کوشش نہ کی ہو اور آپ اسے ٹال آئے ہوں.....!''

''غزالہ! کوئی اور بات کرو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''لی کی باتیں کرتے کرتے میرا سر دکھنے لگا ہے۔ ویرا کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ وہ ایک بازاری عورت ہے۔ چاؤ فان نے اسے ہوشیاری سے اپنے مطلب کے لیے استعمال کیا اور بات ختم ہو گئی۔ اسے اپنے کام کے لیے تیس ہزار بھات ادا کیے گئے ہیں۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''آپ نے ساحل سے لوٹنے کے بعد لی کی ہمت اور حوصلے کی تعریف ضرور کی تھی۔ یہ سب نہیں بتایا تھا۔'' اس نے میرے تیور دیکھتے ہوئے فوری طور پر معذرت خواہانہ انداز اختیار کرلیا ''اگر وہ کوئی بازاری عورت ہے تو بات ہی ختم ہوجاتی ہے۔ اب آپ میری زبان سے اس کا ذکر نہیں سنیں گے۔''

اور وہ بات واقعی وہیں ختم ہوگئی۔

☆☆☆

سلطان شاہ سب وے اسٹیشن کی سیڑھیاں طے کرکے فٹ پاتھ پر آیا تو اس کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔ اسے امید تھی کہ اس دن البرٹو اسے زیادہ وقت دے گا اور وہ اس سے کچھ ایسی باتیں اگلوانے میں کامیاب ہوجائے گا جو اس کے لیے کار آمد ثابت ہوں گی اور وہ ویرا کے ساتھ مل کر سی آئی اے کے مفادات کو قابل ذکر نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اس نے پہلے دن ہمدردانہ جذبات سے مغلوب ہوکر البرٹو کے اوندھے رکھے ہوئے ہیٹ میں ایک ڈالر کا سکہ ڈالا تو یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ البرٹو اس کے لیے اہم اور کار آمد آدمی ثابت ہوسکے گا۔

نیویارک پہنچتے ہی ویرا کے پیر میں موچ آگئی تھی۔ سلطان شاہ کو آخر تک یہ علم نہیں ہوسکا کہ وہ ویرا کا بہانہ تھا۔ اس نے دل وجان سے ویرا کی دیکھ بھال کی۔ اس کے مڑے ہوئے پیر کی مالش اور پٹی کرنے کے ساتھ وہ دوسرے کاموں میں بھی اس کی مدد کرتا رہا۔ ویرا اپنے ہوٹل سے باہر نکلنے کے قابل نہیں تھی یا وہ ایسی اداکاری کررہی تھی۔ سلطان شاہ کے لیے دن بھر ہوٹل کے کمرے میں بند ہوکر بیٹھنا ناممکن تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار امریکا آیا تھا اور فرصت کے لمحات میں دل کھول کر نیویارک کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ وہ ویرا کے کاموں سے فارغ ہوکر ہوٹل سے نکل جاتا۔

اس کے لیے نیویارک عجائبات کا شہر تھا۔ وہاں کی صاف ستھری اور سبک رفتار سب وے میں سفر کرتے ہوئے اسے بہت مزہ آتا۔ شہر کی فلک بوس عمارتیں اور چوکور بلاکوں میں شہر کو تقسیم کرتی ہوئی سیدھی سڑکیں اسے متاثر کرتی تھیں۔ اس کے لیے سب سے بڑی بے کیفی یہ تھی کہ وہ اس پرہجوم شہر میں ویرا کے پیر کی موچ کی وجہ سے تنہا اور اجنبی تھا۔

جب پورے ایک ڈالر کی خیرات ملنے پر البرٹو کی ہراساں نظروں میں اسے اپنے لیے ممنونیت نظر آئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے نیویارک میں البرٹو اس کا پہلا دوست ہو۔

اس نے ہوٹل سے نکل کر روزانہ اس طرف آنے کو اپنا معمول بنالیا۔ مین ہٹن کے علاقے کی تعمیرات اور رونقیں اسے بہت پُرکشش محسوس ہوتیں۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس علاقے میں اس کا پہلا دوست پایا جاتا تھا۔

نیویارک پہنچنے کے بعد ویرا کے پیر کی جعلی موچ کی وجہ سے ان دونوں کے مراسم میں نہایت خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ ویرا نے بات بات پر اس کی ٹانگ کھینچنی بند کردی۔ وہ کوئی بات کہتا تو ویرا اسے دھیان سے سنتی اور پوری سنجیدگی سے اس کا جواب دینے کی کوشش کرتی۔ سلطان شاہ کے لیے ویرا کے مزاج کی وہ تبدیلیاں حیران کن تھیں۔

ویرا کو آزمانے کے لیے وہ جان بوجھ کر بار بار ایسی غلطیاں کرگزرتا جن پر ویرا کو برہم ہوجانا چاہیے تھا لیکن ویرا اشتعال میں آئی نہ اس نے طنز و تشنیع کی راہ اختیار کی۔ سلطان شاہ نے سمجھ لیا کہ دونوں کے درمیان مفاہمت کرانے والے کرداروں کی غیر موجودگی کی وجہ سے ویرا نے مصالحت کی راہ اپنالی تھی جو سلطان شاہ کے لیے ایک نیک شگون تھا۔

سلطان شاہ چند گھنٹے باہر گزارنے کے بعد دوبارہ ہوٹل میں آتا تو وہ دونوں ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ کر اپنا وقت گزارتے یا پھر آپس میں باتیں کرتے رہتے۔

پاکستان میں رہتے ہوئے ان دونوں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کی بات کبھی سنجیدگی سے نہیں سنیں گے مگر نیویارک کی آزاد فضاؤں میں دونوں بدل گئے تھے۔ سلطان شاہ کے نزدیک ویرا لامذہب بلکہ دہریہ تھی جسے مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ ہوٹل کے پرآسایش کمرے میں مذہب پر ہونے والی باتوں کے دوران میں سلطان شاہ کو یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ویرا نے پاکستان میں رہ کر اردو سمیت صرف مقامی زبانیں ہی نہیں سیکھی تھیں' ملک کے سرکاری مذہب کے بارے میں بھی بیش بہا معلومات حاصل کی تھیں جن میں اسلام کا بنیادی فلسفہ سب سے اہم تھا۔

ویرا نے اپنی زندگی میں کبھی کسی مذہب کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا تھا لیکن روایتی طور پر وہ خود کو کیتھولک کرسچین قرار دیتی تھی۔ اس کا ناجائز باپ پیشہ ور جرائم پیشہ تھا مگر اس کی ماں کٹر کیتھولک تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ مذہب کے معاملے میں اس کے انتخاب کے بجائے اس اتفاق کا دخل تھا کہ اس نے کیتھولک ماں کی کوکھ سے جنم لیا۔

سلطان شاہ اپنی کم مائیگی کے باوجود ویرا کو اپنے مذہب کی اچھی تعلیمات سے آگاہ کرتا رہتا۔ اسے امید تھی کہ زندگی کے کسی مرحلے پر ویرا دنیا داری سے اکتا کر مذہب کی طرف

Downloaded from https://paksociety

راغب ہوئی تو وہ اپنی محنت سے اسے مسلمان کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

اس کے دل میں یہ خیال جڑ پکڑ چکا تھا کہ اگر وہ ویرا جیسی عورت کو مسلمان کرنے میں کامیاب ہوگیا تو شاید اس کے زندگی بھر کے گناہوں کا کفارہ ادا ہوجائے اور اس کی عاقبت سنور جائے۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو میں کبھی کوئی ایسا موڑ نہیں آسکا جہاں سلطان شاہ ہمت کرکے اسے کلمہ پڑھنے کی دعوت دے سکے۔ سلطان شاہ نے ہمت نہیں ہاری۔ اس کی دانست میں وہ چند روزہ ابتدا تھی۔ آخر کار ایک نہ ایک دن اسے موقع مل جانا تھا۔ وہ اس معاملے کو سرسری انداز میں نمٹانے کا قائل نہیں تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ ایسے مرحلے پر ویرا کو دعوت دے کہ اس کے لیے فرار یا انکار کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

ان دونوں کے شب و روز کا وہ احوال اس وقت میرے علم میں نہیں تھا۔ بنکاک میں بیٹھ کر میں یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ دونوں اپنے معمولات کے مطابق' ایک دوسرے کے اعصاب پر سوار ہوکر' جھڑپوں میں اپنا وقت گزار رہے ہوں گے۔ ان کے درمیان پیدا ہونے والی مفاہمت اور ذہنی ہم آہنگی کی یہ حیران کن تفصیلات مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئیں جن کا واقعات کے تسلسل میں یہاں سامنے آنا کچھ ناگزیر سا محسوس ہوتا ہے۔

لوئر مین ہٹن کے سب وے اسٹیشن سے باہر آنے کے بعد سلطان شاہ کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اپنی انفرادی کوششوں سے امریکا کے تفریحی سفر کو ایک کامیاب مشن میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

وہ فٹ پاتھ پر رواں کالوں اور سفید فام لوگوں کے درمیان اپنی راہ بناتا ہوا' خراماں خراماں لٹل اٹلی کی حدود سے گزرتا ہوا چائنا ٹاؤن میں داخل ہوگیا جس کی ایک لاکھ نفوس سے زائد کی آبادی ہانگی کے پاؤں کی طرح دن بدن ہر طرف پھیل رہی تھی اور قرب و جوار کی دوسری بستیوں میں گڈمڈ ہوکر ان کی شناخت مٹتی جارہی تھی۔

وہ آگے بڑھتا رہا۔ اسے نیویارک کے رنگا رنگ باسیوں کے درمیان نرمی سے شانے لڑا کر اپنی راہ بنانا بہت بھلا لگ رہا تھا۔ آخر کار وہ اپنے مطلوب مقام کے قریب پہنچ گیا جہاں اطالوی نژاد البرٹو اپنا ہیٹ سامنے رکھے' فٹ پاتھ کے ایک کنارے پر بیٹھا' آنے جانے والوں کو رحم طلب اور خائفانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

سلطان شاہ اس سے ملنے کے لیے وہاں آیا تھا۔ اس نے آسانی کے ساتھ البرٹو کو دیکھ لیا۔ البرٹو جلد از جلد خیرات کا کوٹا پورا کرکے وہاں سے بھاگنے کے چکر میں رہتا تھا اس لیے اس کی ساری توجہ راہ گیروں پر مرکوز تھی۔

اس کا شیو کئی دن کا بڑھا ہوا تھا۔ ہیروئن کے استعمال کی وجہ سے اس کی آنکھوں میں عجیب بے رونقی رچی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں گال پچکے ہوئے تھے۔ بدن پر میلی سی ٹی شرٹ اور نیلی جینز نظر آرہی تھی جو کثرت استعمال کے باعث بیشتر مقامات پر سیاہی مائل ہوچکی تھی۔

اس کا جائزہ لے کر سلطان شاہ نے اس کے قرب و جوار میں چلتے پھرتے ہوئے لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ یہ پہلے دن کے بعد سے اس کا معمول رہا تھا کہ البرٹو کے قریب جانے سے پہلے وہ اس کے آس پاس کا جائزہ ضرور لے لیتا تھا۔

البرٹو نے میلان اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا تھا۔ سی آئی اے والوں نے اسے تاک کر وہاں گھیرا اور اسے امریکا لے آئے۔ وہاں انہوں نے البرٹو کو سفاکانہ بے رحمی کے ساتھ اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا۔ قتل و غارت گری کی گھناؤنی پیش گوئیوں میں البرٹو کے علم اور ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ سب کچھ اس کی مرضی کے خلاف ہورہا تھا لیکن معروف معنوں میں وہ سی آئی اے کا ایک اہم ایجنٹ بن چکا تھا۔

ان کے مہمان خانے سے فرار ہونے کے بعد وہ باغی ایجنٹ بن چکا تھا۔ جس کی سزا صرف موت تھی۔ سلطان شاہ کو احساس تھا کہ البرٹو ان خونی درندوں سے بچنے میں کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ وہ ایک نہ ایک دن اس تک پہنچ جائیں گے۔ ان کے طریقۂ کار میں باغیوں کی سرکوبی کو اولین ترجیح حاصل تھی۔

البرٹو سے ملتے ہوئے سلطان کے ذہن پر یہ لاشعوری خوف طاری رہتا تھا کہ کہیں وہ ایسے وقت میں البرٹو کے ساتھ نہ ہو جب سی آئی اے کا بھیجا ہوا قاتل وہاں پہنچے اور البرٹو کے ساتھ وہ بھی ناگہانی مارا جائے۔

فٹ پاتھ پر لوگوں کا ہجوم رواں دواں تھا۔ اس بھیڑ میں دور تک کوئی مشکوک شخص نظر نہیں آرہا تھا۔ جائزہ لیتے ہوئے اس نے اپنی رفتار سست کردی تھی اور پیچھے سے آنے والے مرد و زن اسے دائیں بائیں ہٹاتے ہوئے آگے نکل جارہے تھے۔ مشرقی لوگوں کی طرح امریکیوں میں سست روی یا مست خرامی نام کو نہ تھی۔ ہر شخص ایسی تیزی میں نظر آتا تھا جیسے خوفناک بلائیں اور بد روحیں اس کا پیچھا کررہی ہوں۔ وہ

Downloaded from https://paksociety.com

لمحے بھر کے لیے بھی رکا یا سست ہوا تو وہ سب اسے بے رحمی سے اپنے جنوبی دہانوں میں نگل جائیں گی۔

میدان صاف تھا۔ اس نے راہ گیروں کے دھکوں سے بچنے کے لیے اپنی رفتار بڑھا دی اور جیب سے ایک ڈالر کا سکہ نکالتا ہوا البرٹو کے سامنے پہنچ گیا۔

اپنے سامنے رکی ہوئی دو ٹانگوں کو دیکھ کر البرٹو نے اپنا سر اوپر اٹھایا۔ سلطان شاہ نے ایک ڈالر کا سکہ اپنی چٹکی میں دبا کر اسے دکھایا اور ہیٹ میں پڑی ہوئی ریزگاری میں ڈال دیا۔

البرٹو نے جلدی سے ہیٹ میں سے ساری ریزگاری اپنی ہتھیلی پر الٹی اور جینز کی جیب میں ڈالتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔ اس نے خالی ہیٹ اپنے سر پر جما لیا۔ ہیٹ پہن لینے کے بعد وہ مدقوق بلکہ قریب المرگ معلوم ہونے لگا تھا۔

وہ دونوں وہاں سے ایک ساتھ حرکت میں آئے۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم میرا اتنا خیال رکھتے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ تمہارا ایک ڈالر ملنے کے بعد میرا آج کا کوٹا پورا ہو گیا ہے۔ مجھے تم سے فالتو ڈالر نہیں لینا پڑیں گے۔'' البرٹو نے سلطان شاہ کے ساتھ چلتے ہوئے ممنونیت سے لبریز آواز میں دھیرے سے کہا۔

''میں رئیس نہیں ہوں۔ ایک معمولی سیاح کی طرح میری جیبوں میں زیادہ فاضل رقم موجود نہیں ہے پھر بھی میں آج ارادہ کر کے آیا ہوں کہ تمہیں کم از کم کچھ دنوں کے لیے روز کی اس مشقت سے نجات دلا دوں۔''

البرٹو اپنی جگہ چھوڑتے ہی فٹ پاتھ سے اتر کر فلائی اوور کے نیچے چلا گیا۔ ادھر گزرنے والے لوگوں کا کوئی ہجوم نہیں تھا۔ صرف وہی گنے چنے لوگ وہاں سے آ جا رہے تھے۔ جنہیں فلائی اوور کی ایک سمت سے دوسری سمت میں پہنچنا تھا۔

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' البرٹو نے اداس لہجے میں جواب دیا ''میرے پاس کام ہی کیا ہوتا ہے۔ گنتوں کے سیلن زدہ اور بدبودار پنجرے میں پڑا رہتا ہوں۔ دس بارہ ڈالر جمع کرنے کے لیے میرے تین چار گھنٹے کھلی فضا میں گزر جاتے ہیں۔''

''فرق کیوں نہیں پڑے گا۔ تم اتنے دنوں کے لیے اپنے شکاریوں کی نظروں سے بچے رہو گے۔ وہ تمہیں ڈھونڈنے تک تمہاری تلاش کی مہم ترک نہیں کریں گے۔''

''میں جانتا ہوں..... میں جانتا ہوں!'' اس کی آواز میں یکا یک اضطراب امڈ آیا ''کاش! میں نے میلان کی گلیاں نہ چھوڑی ہوتیں تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ وہاں میرے جاننے والے مجھے اتنا کچھ دے دیتے تھے کہ مجھے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ یہاں تم جیسے شریف لوگ کم آتے ہیں۔ جو خالص امریکی ہیں وہ دس سینٹ کا سکہ بھی یوں دیتے ہیں جیسے میرے اوپر احسان کر رہے ہوں۔''

''وہ جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتے۔ رفتہ رفتہ تکبر امریکیوں کا مزاج بن گیا ہے۔ ان کے انکسار میں بھی ہلکے سے قومی غرور کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ''تمہیں یاد ہے نا کہ آج تم نے کچھ خاص باتیں کرنے کا وعدہ کیا تھا۔''

''شش!'' البرٹو نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر دہشت زدہ آنکھوں سے اسے گھورا ''خاموش رہو..... یہ ہوائیں ہماری آوازوں کو اڑا کر نہ جانے کہاں لے جائیں۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ ہم کل بات کریں گے۔''

''تم روز مجھے یونہی ٹال دیتے ہو۔'' سلطان شاہ نے اصرار کیا ''آج کے دن میں کیا خرابی ہے.....؟ سب دن اچھے اور ایک جیسے ہوتے ہیں۔''

''میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ مجھ سے بحث مت کیا کرو۔ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ یہ میرے دل کی گواہی ہے کہ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔''

''البرٹو! میں سیلانی آدمی ہوں۔ آج یہاں اور کل وہاں ہوتا ہوں۔ پتا نہیں کیا بات ہے کہ تم مجھے اچھے لگنے لگے ہو۔ میں تمہاری وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تمہاری پوری کہانی ان لوگوں تک پہنچا دوں جو تمہیں امریکا سے نکال کر کیوبا یا جنوبی امریکا کے کسی ملک میں پہنچا سکتے ہیں۔''

البرٹو نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے تذبذب اور بے اطمینانی جھلک رہی تھی پھر اس نے التجائیہ انداز میں کہا ''تم کو مسیح کا واسطہ آج کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے، دماغ بھاری ہو رہا ہے۔ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔ پتا نہیں آج کیا ہونے والا ہے۔''

سلطان شاہ جھلا گیا۔ البرٹو روز اسے کسی نہ کسی بہانے سے ٹال رہا تھا۔ اس نے کبھی سلطان شاہ سے کسی چھوٹی یا بڑی رقم کا مطالبہ نہیں کیا کہ اسے یہ گمان ہوتا کہ وہ پیسوں کے لالچ میں اسے ٹال رہا ہے۔ اس نے بدظن ہو کر کہا ''کل تمہارے دل و دماغ نے تمہارا ساتھ نہ دیا تو میں تمہیں تمہارے نصیب کے حوالے کر کے یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ ایک دن

Downloaded from https://paksociety.com

تمہارے دشمن آئیں گے اور تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔''

''مجھے ایسی بددعائیں نہ دو!'' اس نے ملتجیانہ نظروں سے سلطان شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''میری زندگی میں کچھ نہیں رکھا مگر میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ یہاں رہ کر میری زندگی کا چراغ کسی بھی لمحے گل ہوسکتا ہے۔ اس ملک کی سرحدوں سے دور جا کر میں شاید اپنی پوری عمر گزار لوں گا۔''

''جو لوگ تمہیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکال سکتے ہیں وہ مفت میں خیراتی کام نہیں کرتے۔ وہ مال لیتے ہیں یا پھر دوسروں کی کمزوریاں خریدتے ہیں۔ وہ تمہاری کہانی آگے کسی کو بیچ کر اپنا معاوضہ پورا کرلیں گے۔ اس کے بغیر وہ تمہارے لیے کچھ بھی کرنے پر آمادہ نہیں ہوں گے۔''

''بس مجھے ایک دن اور دے دو۔'' وہ گڑگڑایا ''آج میرے دل و دماغ کی حالت عجیب ہورہی ہے۔ کل میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا۔''

باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں اس اطالوی کیفے کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں کی کالی چائے البرٹو کو بہت پسند تھی لیکن وہ اپنے خرچ پر وہاں سے چائے پینے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا۔

اچانک سلطان شاہ کی چھٹی حس نے خطرہ محسوس کیا۔ وہ بہت تیزی سے پلٹا مگر اسے دیر ہوچکی تھی۔ پیچھے سے آنے والی دراز قامت اور تنومند عورت نے اپنے داہنے ہاتھ سے البرٹو کا شانہ دبوچ کر اسے روک لیا تھا۔

عورت ترش رو اور طاقت ور نظر آرہی تھی۔ اس کے مقابلے میں البرٹو دھان پان اور کمزور تھا۔ وہ اضطراری کوشش کے باوجود خود کو اس عورت کے ہاتھ کی آہنی گرفت سے چھڑانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

''تم البرٹو روزیلی ہو!'' عورت نے سخت' تحکمانہ اور تائید طلب لہجے میں سوال کیا جیسے البرٹو کے انکار کی صورت میں اس کے شانے کی ہڈی توڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔

سلطان شاہ پہلے ہی بھڑک چکا تھا۔ وہ عورت نہ جانے کب اور کہاں سے ان کے پیچھے لگ گئی تھی۔ اس کے بے آواز قدموں کی وجہ سے وہ دونوں آخری لمحے تک اپنے پیچھے اس کی موجودگی سے آگاہ نہیں ہوسکے۔

سلطان شاہ نے دیکھا کہ وہ عورت اپنے بائیں ہاتھ سے اپنی پتلون کی جیب میں سے کوئی پستول یا ریوالور نکال رہی تھی جس کا سیاہ آہنی دستہ اس کی جیب سے باہر آچکا تھا۔

سلطان شاہ کے پاس سوچنے سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ جب وہ پلٹا تو عورت نے اسے بھی کینہ توز نظروں سے دیکھا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ البرٹو اس کا اصل ہدف تھا لیکن وہ سلطان شاہ کو بھی معاف کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی۔

وہ ایک فیصلہ کن لمحہ تھا۔ سلطان شاہ نے یکا یک اس سمت میں دوڑ لگا دی جہاں راہ گیروں کا ایک ہجوم موجود تھا۔

ایک شکار کو یوں ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھ کر عورت نے ایک گالی بک کر اسے للکارا۔ سلطان شاہ لہراتا ہوا بھاگ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ عورت اس پر گولی چلانے کی غلطی نہیں کرے گی۔ اس کا نشانہ خطا ہوتا تو گولی آگے موجود بھیڑ بھاڑ میں سے کسی کو بھی چاٹ سکتی تھی۔ وہ کسی راہ گیر کو ہلاک یا زخمی کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

سلطان شاہ بھاگتا ہوا بھیڑ میں شامل ہوا اور پھر اپنا راستہ بنا کر تیزی سے آڑا ترچھا چلتا چلا گیا۔

چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فضا ایک فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ اس کے ساتھ ابھرنے والی البرٹو کی کمزور مگر نمایاں چیخ بہت دل دوز تھی۔

سلطان شاہ نے اس عورت کی وضع قطع اور تیوروں سے بھانپ لیا تھا کہ وہ سی آئی اے نہ سہی' کسی نہ کسی سرکاری ایجنسی کی کارپرداز تھی۔ وہ قانون کے نام پر کسی کو بھی سرعام گولی مار سکتی تھی۔ وہ اپنی شناخت ظاہر نہ کرتی تب بھی طاقت کے بل پر وہ کچھ بھی کرسکتی تھی۔

اسے غالب امکان یہ نظر آرہا تھا کہ اس عورت کا تعلق سی آئی اے سے تھا۔ اس نے البرٹو کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ وہ اپنی حیثیت کا اظہار کیے بغیر' پستول یا ریوالور لہراتی ہوئی کسی بھی طرف فرار ہوجاتی تو جان جانے کے خوف سے کوئی بھی اس کی راہ میں مزاحم ہونے کی ہمت نہیں کرسکتا تھا۔

البرٹو کے لیے وہ دن واقعی بدترین دن ثابت ہوا تھا۔ وہ دیر سے موت کے قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ آخر کار اس بدنما عورت کے روپ میں فرشتۂ اجل نے اسے آلیا اور وہ خود کو اس کے ہاتھوں سے بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اپنی کہانی اپنے سینے میں لے کر اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

اس عورت نے اپنے اصل شکار کو گھیر کر مار لیا۔ سلطان شاہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہ سکتا تھا کہ عورت نے البرٹو کو فرار کی کسی کوشش سے باز رکھنے کے لیے اسے زخمی کرنے پر اکتفا کیا ہوگا۔ اس نے اپنے کانوں سے البرٹو کی ڈوبتی ہوئی آخری چیخ سنی تھی جس میں اجل کی سختی نمایاں تھی۔

البرٹو اس عورت کے ہاتھوں مر کر پل بھر میں ہر مسئلے سے آزاد ہوگیا لیکن سلطان شاہ اپنے بارے میں بہت فکرمند تھا۔ عورت نے اسے اچھی طرح اور بہت قریب سے دیکھا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اس نے خاموشی سے ان دونوں کا پیچھا کرتے ہوئے ان کی کچھ باتیں بھی ضرور سنی ہوں گی۔ البرٹو کی مادری زبان اطالوی تھی' سلطان شاہ کو اردو پر دسترس حاصل تھی۔

ان دونوں کے درمیان باہمی رابطے کی واحد زبان انگریزی تھی جو وہ افہام وتفہیم کے لیے سنبھل سنبھل کر بول رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں ان کے مکالموں کو سمجھنا کسی کے لیے دشوار نہیں تھا۔ اگر عورت نے ان کی گفتگو کا مفہوم سمجھ لیا تھا تو سلطان شاہ کی عافیت اور سلامتی ایک بدترین خطرے سے دوچار ہو چکی تھی۔

جن لوگوں نے البرٹو جیسے روپوش شکار کو ڈھونڈ کر ٹھکانے لگا دیا تھا وہ اپنے معاملات اور مفادات کے تحفظ کے لیے سلطان شاہ کو ہرگز معاف نہیں کر سکتے تھے۔ وہ امریکی گوروں اور کالوں کے وطن میں رنگ دار ایشیائی تھا جسے ڈھونڈنا ان کے لیے مشکل نہ ہوتا۔

بھیڑ میں اپنا راستہ بناتا ہوا پہلے وہ سبک رفتاری سے اللہ ٹپ پیش قدمی کرتا رہا۔ اس کی اولین کوشش یہ تھی کہ وہ اس خوں خوار عورت کی دسترس سے اتنا دور نکل جائے کہ وہ اس کی گرد بھی نہ پا سکے۔ جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ اس عورت کی پہنچ سے بہت دور نکل آیا ہے تو اس نے قریب ترین سب وے اسٹیشن تک پہنچنے کی کوشش شروع کر دی۔

نیویارک کی زیر زمین ٹرین میں واپسی کا سفر کرتے ہوئے وہ اپنے تحفظ کے بارے میں بہت زیادہ پریشان تھا۔ وہ البرٹو کی طرح بے نام ونشاں نشے باز نہیں تھا کہ اپنی جان بچانے کے لیے کسی چوہے کی طرح نیویارک کے کسی گوشے میں چھپ کر بیٹھ جاتا۔

اسے یہ خیال بھی ستا رہا تھا کہ شاید سی آئی اے کے کہنہ مشق ایجنٹوں کے تجربے کے سامنے اس کی ساری احتیاط رائیگاں گئی ہو۔ وہ لوگ کئی دنوں سے اس کے اور البرٹو کے پیچھے لگے ہوئے ہوں اور اس کا ہوٹل ان کی نگاہوں میں آ چکا ہو۔ اس نکتے پر خاصی دماغ سوزی کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔

اگر وہ کئی دنوں سے ان دونوں کا پیچھا کر رہے تھے تو البرٹو کے تنگ وتاریک دڑبے میں گھس کر اسے اتنی آسانی سے ہلاک کرتے کہ کسی کو کانوں کان بھی اس واردات کی خبر نہ ملتی۔ اس کا کام تمام کرتے ہی وہ سلطان شاہ کے ہوٹل پر شب خون مارتے اور قومی سلامتی کے نام پر اسے ویرا سمیت اٹھا لے جاتے۔ سب کچھ بہت منظم طریقے سے ہوتا چلا جاتا۔ ویرا بونس میں ان کے ہاتھ آ جاتی۔

دوسرا نظریہ مسترد کرتے ہی وہ بہت شدت سے ویرا سے مشورے کی ضرورت محسوس کرنے لگا۔ سب وے اسٹیشنوں پر رکتی ہوئی' سبک رفتاری سے اپنی منزل کی طرف اڑتی جا رہی تھی لیکن سلطان شاہ کو اس وقت ٹرین کی رفتار سست محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا بس نہیں تھا ورنہ وہ پر لگا کر پلک جھپکتے میں ویرا کے پاس پہنچ جاتا۔

آخر کار اس کی منزل آ گئی۔ ویرا کے لیے نیویارک اجنبی نہیں تھا۔ اس نے برسوں اسی شہر میں گزارے تھے اور وہ وہاں کے چپے چپے سے واقف تھی۔ اپنے تجربے کی بنا پر اس نے نیویارک میں قیام کے لیے ایسے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا جو سب وے اسٹیشن سے بہت قریب تھا۔ سلطان شاہ زیر زمین اسٹیشن سے نکل کر ذرا سی دیر میں ہوٹل میں پہنچ گیا۔

ویرا نے اس کی کہانی بہت صبر اور سکون کے ساتھ سنی پھر بولی ''البرٹو کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ وہ مارا گیا۔ تم بچ کر نکل آئے۔ اب کس بات کی پریشانی ہے!''

''شاید اب تمہارے دماغ میں موچ آ گئی ہے۔'' سلطان شاہ نے مضطرب ہو کر قدرے غصے سے کہا ''اس عورت نے مجھے دیکھا اور اچھی طرح پہچان لیا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہماری تلاش کی مہم شروع ہو' ہم کو اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لینی چاہیے۔''

''موت کا ایک وقت مقرر ہے۔'' ویرا بولی ''وقت پورا ہونے سے پہلے دنیا کی کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ تمہاری یہ تشویش بیکار ہے۔''

''یہ سب اپنی جگہ درست ہے لیکن ٹرین کی پٹری پر لیٹ کر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ آنے والی ٹرین تمہیں دیکھ کر کھیتوں میں اتر جائے گی۔'' سلطان شاہ نے ترشی سے کہا۔ ویرا کا پرسکون ردعمل دیکھ کر اس کا پارا چڑھ رہا تھا۔

ویرا بے اختیار ہنس دی ''تمہاری دانست میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا۔

''ہمیں یہ ہوٹل اسی وقت چھوڑ دینا چاہیے۔ یہاں ہم غیر محفوظ ہیں۔''

''پھر کہاں جائیں؟'' ویرا کے پاس اگلا سوال تیار تھا۔

''فی الحال کسی دوسرے ہوٹل میں ٹھکانا تلاش کرو پھر یہاں سے واپسی کے بارے میں سوچو۔ البرٹو کے مارے جانے کے بعد ہمارا یہاں رکنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔''

''جب میں تمہیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دے رہی تھی تو میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی!'' ویرا نے

Downloaded from https://paksociety.com

چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''البرٹو کی موت کے بعد پچھلی باتوں کو دہرانا بے سود ہے۔ اب آگے کی سوچو۔''

''ہماری واپسی کا راستہ مسدود ہے۔'' ویرا بولی ''پاکستان میں حالات مخدوش ہونے کے بعد ہی ہمیں وہاں سے روانہ کیا گیا ہے۔ جلال سے دو تین مرتبہ میری بات ہوئی ہے۔ میرے اور ڈینی کے لیے وہاں کے حالات بہ دستور خراب ہیں۔''

''بہر حال کچھ کرو۔'' سلطان شاہ تنک کر بولا ''ہم اس بند کمرے میں بیٹھ کر سی آئی اے کے ایجنٹوں کی دستک کا انتظار نہیں کر سکتے۔''

''یہ سب تمہاری مہم جوئی کا نتیجہ ہے۔ تم نے البرٹو کی جڑ میں گھسنے کی کوشش نہ کی ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ ہم اطمینان سے یہاں رکے رہتے۔''

''تم پھر ماضی کو کریدرہی ہو!'' سلطان شاہ نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

''یہ بہت پرانی بات نہیں ہے۔ میں نے آج بھی تمہیں اس کی طرف جانے سے روکا تھا۔ میں احمق نہیں ہوں جو تمہارے ساتھ البرٹو سے ملنے کے لیے نہیں گئی۔ مجھے تمہارا کھیل شروع سے خطرناک نظر آرہا تھا۔ مجھے حیرت ہے کہ ڈینی نے بھی تمہیں اس مہم جوئی سے نہیں روکا۔ تم کو ماننا ہوگا کہ تم نے البرٹو میں دلچسپی لے کر غلطی کی ہے۔''

''میں مانتا ہوں۔'' سلطان شاہ نے یک بیک ہتھیار ڈالتے ہوئے بے بسی سے کہا ''اب اس مشکل سے نکلنے کی کوئی راہ تلاش کرو۔''

''ویری گڈ! اب تم راہ پر آئے ہو تو سنو کہ ہوٹل بدلنا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اگر تمہارے اندیشے درست ہیں تو نیویارک کا ہر ہوٹل ہمارے لیے چوہے دان ثابت ہوگا..... فی الحال ہمیں خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل جانا چاہیے۔''

''نیویارک سے!'' سلطان شاہ نے نہ سمجھنے والے انداز میں کہا۔

''جس طرح ہمارے لیے سب ہوٹل یکساں ہیں اسی طرح امریکا کا ہر شہر ہمارے لیے نیویارک ثابت ہوسکتا ہے۔ پورے ملک میں امریکی ایجنسیوں کا نیٹ ورک بہت وسیع اور منظم ہے۔ یہ ڈینی کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ یہاں ایک طوفان کھڑا کرنے کے بعد مکھن میں سے بال کی طرح نکل گیا۔ وہ تمہیں ہر شہر میں تلاش کرلیں گے کیونکہ ان کی ایک ایجنٹ تمہارا چہرہ ذہن نشین کرچکی ہے۔'' اس بار ویرا نے وضاحت کے ساتھ جواب دیا۔

''یہاں خطرہ ہے پاکستان میں حالات ناموافق ہیں۔ کیوں نہ ہم بنکاک میں ڈینی سے جاملیں۔ ڈینی کے بغیر میں خود کو یتیم محسوس کرنے لگا ہوں۔'' سلطان شاہ نے سوچتے ہوئے رائے دی۔

ویرا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سلطان شاہ کا منہ بن گیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ڈینی کسی یتیم خانے کا متولی بنا ہوا ہے۔ میں تو واقعی یتیم ہوں۔ میرا باپ وائٹ ہاؤس میں مارا گیا تھا۔ یہ بات تم سب کو معلوم ہے۔''

''تم مذاق کررہی ہو میری جان پر بنی ہوئی ہے۔ آخر تم سنجیدہ کیوں نہیں ہوتیں!''

''تمہاری بدحواسی سے محظوظ ہورہی ہوں۔ اس وقت تمہارے چہرے پر یوں ہوائیاں اڑرہی ہیں جیسے تم ہی البرٹو کو مار کر آئے ہو۔''

''تم یہاں سے نکلنے کے بارے میں کیا کہہ رہی تھیں۔''

''اطمینان سے سامان سمیٹ لو۔'' ویرا اچانک سنجیدہ ہوگئی ''ہوٹل بدلنے سے کوئی فرق پڑے گا نہ شہر بدلنے سے۔ ابھی کافی وقت باقی ہے۔ ہمارے پاسپورٹوں پر کینیڈا کے ویزے بھی موجود ہیں۔ ہم بس سے نیاگرا آبشار کے نظارے سے محظوظ ہوتے ہوئے رات کو ٹورنٹو پہنچ جائیں گے۔ وہاں بیٹھ کر اطمینان سے سوچا جائے گا کہ اب کیا کرنا ہے۔''

سلطان شاہ اس خطے کے جغرافیے سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ ویرا کی زبان سے کینیڈا کے سفر کی تجویز سن کر اس کے ذہن سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔

ان دونوں کا ذاتی اسباب بہت زیادہ نہیں تھا۔ دونوں نے ذرا سی دیر میں اپنے اپنے بیگ تیار کرلیے۔ کمرے کا الوداعی جائزہ لے کر انہوں نے کاؤنٹر پر پہنچ کر اپنے واجبات ادا کیے اور ہوٹل سے نکل کھڑے ہوئے۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم یہاں آئے اور پورا نیویارک دیکھے بغیر واپس جارہے ہو۔'' راستے میں ویرا نے اس سے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''پورا شہر نہ سہی پھر بھی میں نے بہت کچھ دیکھ لیا۔ شاید مجھے بہت سی جگہوں اور عمارتوں کے نام معلوم نہ ہوں لیکن میں نے ہارلم سے لوئر مین ہٹن تک چھان مارا۔'' سلطان شاہ نے فخریہ لہجے میں اسے بتایا۔

''میں یہی کہہ رہی ہوں۔ تم صرف مین ہٹن میں پھنسے رہے۔ نیویارک شہر اس سے کہیں بڑا ہے۔'' ویرا نے اسے بتایا ''مین ہٹن بہت پرہجوم اور بارونق ہے لیکن یہ نیویارک شہر

Downloaded from https://paksociety.com

کا ایک دریائی جزیرہ ہے۔ جسے دریائے ہڈسن نے مین لینڈ سے الگ کیا ہوا ہے۔ بروکلین، برونکس اور کوئنز وغیرہ بھی اسی شہر کے بڑے اور گنجان آباد علاقے ہیں۔ وقت ملتا تو میں تمہیں ان علاقوں کی بھی سیر کراتی۔ وہاں کے باغات اور آبادیاں دیکھ کر تمہارا دل خوش ہو جاتا۔''

''باغ اور آبادیاں ہر بڑے شہر میں ہوتی ہیں۔ میرے لیے کنکریٹ کا جنگل زیادہ حیران کن تھا۔ اتنے کم رقبے میں فلک بوس عمارتیں شاید ہی دنیا کے کسی شہر میں ہوں۔'' سلطان شاہ نے اس تذکرے میں دلچسپی لیتے ہوئے جواب دیا۔ پکڑے جانے کا خوف زائل ہونے کے بعد اس کی ذہنی کیفیت بڑی حد تک بحال ہو گئی تھی۔

گلی کے سرے پر آ کر ویرا نے پہلی خالی ٹیکسی روکی تو اس کا ڈرائیور ایک ایشیائی تھا۔ وہ دونوں اپنے تھیلوں سمیت ٹیکسی کی عقبی سیٹ پر سوار ہو گئے۔

ویرا نے اسے بس ٹرمنس کے بارے میں بتایا اور ٹیکسی تیزی سے آگے روانہ ہو گئی۔

ویرا نے ڈرائیور کو خالص امریکی لب و لہجے میں ہدایت دی تھی۔ ڈرائیور اندازہ نہیں کر سکا کہ وہ اردو بھی جانتی ہو گی۔

ذرا سی دور جانے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور نے پنجابی لہجے سے مغلوب اردو میں سلطان شاہ سے کہا ''بابو لڑکی زبردست ہے مگر اس سے ہوشیار رہنا۔ یہاں کی لیبری لڑکیاں تم جیسے سیدھے سادے لوگوں کو لوٹ کر کنگال کر دیتی ہیں۔''

''میں ان میں سے نہیں ہوں۔'' ویرا نے اردو میں برجستہ جواب دیا اور ڈرائیور اپنی سیٹ پر حیرت سے اچھل پڑا۔

ویرا کی دخل اندازی پر سلطان شاہ بھونچکا رہ گیا۔ اس کی دانست میں ویرا کو ڈرائیور کا وہ تبصرہ خاموشی سے نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔

ویرا کی زبان سے صاف ستھری اردو سن کر ڈرائیور حواس باختہ ہو گیا۔ وہ ملی جلی اردو اور انگریزی میں اپنی صفائیاں پیش کرتے ہوئے ویرا سے اس امر کی تائید کا خواہاں تھا کہ نیویارک میں بعض بدکردار لڑکیاں سادہ لوح غیر ملکیوں کو رجھا کر اپنے جال میں پھانستی ہیں اور ان کی جیبیں خالی کروا کر یوں رفو چکر ہوتی ہیں کہ ان کا سراغ بھی نہیں ملتا۔

''صفائی پیش کرنے کے بجائے اپنی ڈرائیونگ پر دھیان دو۔'' ویرا نے خنک لہجے میں اسے فہمائش کی ''ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھاری جرمانے کا ٹکٹ مل جائے۔''

''مس! میں معافی چاہتا ہوں۔'' وہ گڑگڑایا ''میں تم کو امریکن سمجھا، تم اپنی ملکی نکلیں۔ میرا مطلب تمہاری بے عزتی کرنا نہیں تھا۔''

''ایسی لڑکیاں ٹیکسی ڈرائیوروں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تم بھی اسی گروہ کے کارندے ہو۔'' ویرا نے اس پر جوابی وار کرتے ہوئے کہا ''ابھی تمہاری رپورٹ کر دوں تو تمہارا لائسنس کئی سالوں کے لیے ضبط ہو جائے گا مگر میں تمہیں معاف کر رہی ہوں۔ تم کہاں سے آئے ہو؟'' نرمی دکھانے کے باوجود ویرا کا لب و لہجہ تلخ تھا۔

''جی میں امرتسر سے آیا ہوں۔ وہاں اچھا خاصا اکاؤنٹنٹ تھا۔ یہاں دگری کو مانتے ہیں نہ تجربے کو۔ ٹیکسی چلا کر گزارہ کر رہا ہوں۔'' اس نے مسمسی آواز میں کہا ''میں معافی دینے کے لیے تمہارا شکر گزار ہوں۔''

ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی۔ اس ناگہانی تجربے نے ڈرائیور کی زبان پر قفل ڈال دیا تھا۔

ذرا سی دیر میں وہ بس ٹرمنس پہنچ گئے جہاں سے دوسرے شہروں کے لیے بڑی اور آرام دہ بسیں چلتی تھیں۔ ویرا کی موجودگی کی وجہ سے سلطان شاہ کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ ویرا نے از خود رہنمائی کا کام سنبھال لیا اور پاسپورٹ دکھا کر ٹورنٹو جانے والی کوچ کے دو ٹکٹ خرید لیے۔

ویرا نے اسے بریف کیا کہ امریکا اور یورپ کے بہت سے ملکوں کے شہریوں کو کینیڈا میں داخلے کے لیے ویزے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نیاگرا کی امیگریشن چوکی پر اپنا پاسپورٹ دکھا کر کینیڈا میں داخل ہو سکتے تھے لیکن ایشیا اور افریقا کے بیشتر ممالک کے شہریوں کے لیے ویزے کی پابندی تھی۔ یہ ان دونوں کی خوش نصیبی تھی کہ ان کے پاس کینیڈا کے ویزے موجود تھے۔ ویرا نے پاکستان سے روانہ ہونے سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ جلال نے ان کے پاسپورٹوں پر کس کس ملک کے ویزے لگوائے تھے۔

سلطان شاہ کے لیے وہ سفر بہت خوشگوار رہا۔ راستے میں آنے والے مناظر سے زیادہ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہوئے بغیر امریکا سے باہر جا رہا تھا۔ ان کی نئی منزل کے بارے میں کسی کو کچھ پتا نہیں تھا۔ اسے امید تھی کہ کینیڈا کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہ سی آئی اے کے خوف اور دسترس سے آزاد ہو جائیں گے۔

راستے میں امریکا اور کینیڈا کی سرحد کے قریب نیاگرا کے دل فریب حسن کا نظارہ کرنے کے لیے سیاحوں کی بھاری تعداد تصویر کشی اور دوسرے مشاغل میں مصروف نظر آئی۔ رات ہو چکی تھی۔ وہاں رنگا رنگ روشنیوں کے حسین انعکاس

Downloaded from https://paksociety.com

نے مسحور کن سماں باندھا ہوا تھا۔ ایک طرف سیاحوں کو لانے اور وہاں سے واپس لے جانے والی صاف ستھری' بڑی بڑی بسیں قطار در قطار کھڑی ہوئی تھیں لیکن ان کی بس وہاں نہیں رکی۔

ان کی بس امریکا اور کینیڈا کے اس سرحدی علاقے سے تقریباً تیس کلومیٹر پیچھے بفیلو کے بارونق شہر کے مضافات سے گزرتی ہوئی وہاں پہنچی تھی۔ انہیں اپنے بائیں طرف دریائے نیاگرا کے کنارے' امریکی سرزمین پر بنا ہوا وہ اونچا نادر نظر آرہا تھا جس پر چڑھ کر لوگ اس طرف گرنے والی آبشار کا نظارہ کرتے ہیں۔

ویرا امریکی نژاد تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے وہ خاموش نہیں رہ سکی۔ اس نے نیاگرا نامی دریا اور آبشار کے بارے میں سلطان شاہ کو بہت کچھ بتایا۔ وہ دریا کینیڈا سے بہتا ہوا امریکا میں داخل ہوتا ہے۔ آبشار کے تین حصے ہیں جن میں دو امریکا میں گرتے ہیں' تیسرے کا رخ کینیڈا کی طرف ہے۔ وہاں آبشار کے مشاہدے کے لیے نادر کے علاوہ ہیلی کاپٹر اور کشتیاں بھی دستیاب ہیں۔ گرمیوں میں پانی کی پھوار سے لطف اندوز ہونے کے لیے کھلی راہداریاں بھی بنی ہوئی ہیں۔ سردیوں کے سخت موسم میں دریا سے آبشار تک سب کچھ جم جاتا ہے اور پونے دو سو فٹ اونچی چٹانوں سے برف کے نکیلے اور دھاردار پردے جیسے لٹکے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سلطان شاہ کو اپنے تلخ ترین تجربے کے بعد اس سرزمین سے ذرا بھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے ویرا کی بیشتر باتیں سنی ان سنی کر دیں۔

ان کی بس نیاگرا اسٹریٹ سے ہوتی ہوئی رین بو برج پر سے گزری جس کے نیچے دریا اپنی روانی میں بہہ رہا تھا۔ اس مقام پر دونوں ملکوں کی سرحدی لکیر دریا کے وسط سے گزرتی ہے۔ ایک کنارا امریکا میں ہے' دوسرا کینیڈا میں۔

پل عبور کر کے وہ کینیڈا میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں چیک پوسٹ پر امیگریشن کا مرحلہ بہت تیزی سے طے ہو گیا کیونکہ بس کے بیشتر مسافر امریکی اور کینیڈین تھے جن پر ویزے کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے سوا بس میں چند ہی مسافر تھے جنہیں کینیڈا میں داخلے کے لیے باضابطہ ویزے کی ضرورت تھی اور سب کے پاس وہ اجازت نامے موجود تھے۔

نیاگرا سے ٹورنٹو تک کا سفر سلطان شاہ کے لیے بے کیف رہا۔ شہر میں بس سے اترتے ہی وہ ٹیکسی لے کر رائل ہوٹل پہنچ گئے جو ٹورنٹو میں متوسط درجے کا صاف ستھرا اور آرام دہ ہوٹل تھا۔ ویرا ماضی میں اپنی متعدد راتیں اس ہوٹل میں گزار چکی تھی۔

ہوٹل پہنچتے ہی دونوں کی بھوک چمک اٹھی۔ سلطان شاہ حرام اور حلال کے بارے میں اتنا محتاط تھا کہ شراب کے گلاس میں پانی پینا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کراچی کے گھر میں ویرا کو اپنے مخصوص گلاس کمرے سے باہر لانے کی اجازت نہیں تھی نہ وہ روزمرہ استعمال کے گلاس اپنے کمرے میں لے جا سکتی تھی۔ دونوں اقسام کے گلاسوں کی بناوٹ مختلف تھی۔ سلطان شاہ کے مطالبے پر وہ اہتمام غزالہ نے کیا تھا تاکہ بھول چوک کا کوئی امکان نہ رہے۔

ایسے مشکل مراحل میں سلطان شاہ صرف مچھلی اور آلوؤں کے قتلوں پر انحصار کرنے لگ تھا۔ رائل ہوٹل میں بھی اس نے انہی دو چیزوں سے اپنی آتش شکم سرد کی۔ ٹھنڈے منرل واٹر کی آدھی بوتل اپنے معدے میں اتارنے کے بعد اسے یاد آیا کہ ان دونوں نے مجھے اعتماد میں لیے بغیر بہت بڑا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کی دانست میں ان دونوں کی تقل مکانی سے میرا باخبر رہنا ضروری تھا۔

اس کے ایما پر ویرا نے مجھ سے رابطے کے لیے موبائل فون کا سہارا لیا تو وہ بے جان تھا۔ بیٹری کام کر رہی تھی' اسکرین بھی روشن تھی لیکن سگنل غائب تھے۔

یہ بات کافی دیر بعد ان دونوں کی سمجھ میں آئی کہ وہ کراچی کا موبائل فون تھا جو اول خان نے ازراہ عنایت ویرا کو دے دیا۔ ان کے سفر کے پیش نظر اس فون کی رومنگ امریکا کے لیے کھلوائی گئی تھی۔ کینیڈا میں داخل ہوتے ہی وہ سہولت ختم ہو چکی تھی۔ کینیڈا کے لیے وہ سہولت کراچی سے ہی بحال کرائی جا سکتی تھی۔

ویرا نے وقت کے طویل فرق کی پروا کیے بغیر ہوٹل کے فون سے کراچی کے آپریشن فور کا نمبر ملایا تو اول خان وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ ہوٹل کے فون پر اپنا اصل نام استعمال کر کے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس نے اپنے مفروضہ نام اور ہوٹل کے فون نمبر کے ساتھ آپریٹر کو اپنا پیغام نوٹ کرا دیا کہ اول خان اولین فرصت میں اس سے رابطہ کر لے۔

☆☆☆

''میں دو دن سے ٹورنٹو میں ہوں مگر بالکل بے دست و پا تھی۔'' ویرا موبائل فون پر کہہ رہی تھی ''اول خان نے فون کیا تو ہم دونوں ہوٹل سے نکلے ہوئے تھے۔ تم خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ ایک چھوٹے سے بند کمرے میں بیٹھ کر مسلسل انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ آج اس سے بات ہوئی اور فون پر رومنگ کھلنے

Downloaded from https://paksociety.com

ہی میں نے تم سے رابطہ کیا ہے۔''

''البرٹو کے قتل کے بعد نیویارک سے نکل کر تم دونوں نے بہت دانش مندی کا ثبوت دیا۔'' میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''اب کچھ دنوں تک خاموشی سے وہیں دبکے رہو۔''

''یہ مشکل ہے۔ سلطان شاہ کا دل اچاٹ ہو رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سرد ملکوں کے لوگ بھی سرد مزاج ہوتے ہیں۔ اسے یہاں کی ہر چیز روکھی پھیکی اور بے رونق نظر آ رہی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ کڑکتے ہوئے جاڑوں کی آمد کے انتظار میں موسم بہار میں بھی تشویش زدہ رہتے ہیں۔ ہم تمہاری طرف آنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔''

''ادھر آنا کیا ضروری ہے' یورپ کے کسی بھی ملک کی طرف نکل جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہاں سلطان شاہ کا دل بھی لگ جائے گا۔'' میں خواہش کے باوجود اسے بنکاک آنے سے براہِ راست منع نہیں کر سکا۔ اس کی زبان سے بنکاک آنے کا ذکر سن کر میں متفکر ہو گیا۔

''یہ دل لگنے ہی کا معاملہ ہے جو میں خود بھی بنکاک آنے کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔'' ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ''پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف نہ ہوتا تو میں تم کو کراچی پہنچنے کا مشورہ دے کر خود بھی اسی طرف کا رخ اختیار کرتی۔ وہاں کے بارے میں جلال سے ملنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ ہمارے نکل آنے کے بعد حالات مزید خراب ہوئے ہیں۔''

''یہ دل لگنے کا کیا معاملہ ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''آج کل سلطان شاہ نہایت خشوع و خضوع سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے۔'' اس نے ہلکے سے قہقہے کے ساتھ جواب دیا۔

''یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ ہم سب سے الگ ہونے کے بعد شاید تم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی پیدا ہو رہی ہے۔ اس سے اچھی کیا بات ہو سکتی ہے۔'' میں نے ویرا کی زبان سے وہ خبر سن کر واقعی بہت زیادہ خوشی محسوس کی۔ میں جب بھی ویرا کے مستقبل پر غور کرتا تو میرا دل گھٹنے لگتا تھا۔ ہم سب اپنے لوگوں کے ساتھ اپنے معاشرے میں گندھے ہوئے تھے۔ ہماری بھیڑ میں وہی بے چاری اکیلی تھی جو محض ہماری خاطر ساری دنیا سے اپنے ناتے توڑ کر کراچی میں پڑی ہوئی تھی۔ جلال اور اول خان عیال دار تھے' میں نے غزالہ سے مکاؤ میں جبری نکاح ہونے کے بعد اپنا گھر بسا لیا تھا' سلطان شاہ اپنے گاؤں جاتا تو اس کا بھی گھر بس جاتا۔ مجھے دور دور تک ایسا کوئی فراخ دل مرد نظر نہیں آتا تھا جو ویرا کو اس کے ماضی کی ساری خرابیوں اور موجودہ خوبیوں کے ساتھ قبول کر لے۔ اگر سلطان شاہ سنجیدگی سے ویرا کے پیچھے لگ گیا تھا تو ویرا کے لیے اس کا دل توڑنا مناسب نہیں تھا۔ وہ بہت سچا' دلیر اور کھرا انسان تھا۔ ویرا کے لیے اس سے بہتر جوڑ ممکن نہیں تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ پر بنکاک کی دھول جمتی جا رہی ہے۔'' ویرا کی آواز سے ناگواری مترشح تھی ''میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مجھ سے عشق جھاڑ رہا ہے۔ تم نے خشوع و خضوع کے الفاظ کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔ اسے جب فرصت ملتی ہے وہ تبلیغ کرنے لگتا ہے۔ میں بھی اس سے کھیل رہی ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب اس کے سر پر مجھے مسلمان کرنے کی دھن سوار ہو گئی ہے۔ اپنی خواہش کے باوجود اسے اب تک مجھ سے دوٹوک بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہو سکا۔''

میرے لیے وہ خبر بھی حوصلہ افزا تھی۔ اگر سلطان شاہ اسے مسلمان کرنا چاہ رہا تھا تو اس نے اس سے آگے بھی کچھ سوچ لیا ہو گا۔ امریکا کے آزاد خیال معاشرے میں جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھوں پروان چڑھنے والی ایک بے دین عورت کو مسلمان کر کے وہ بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا تھا مگر اس بارے میں ویرا کی سوچ منفی اور حوصلہ شکن تھی۔ سلطان شاہ کے ساتھ کھیلنے کا ذکر کر کے اس نے میری امیدوں پر اوس ڈال دی تھی۔

''اگر تم ان معاملات میں سنجیدہ نہیں ہو تو اس بارے میں بنکاک آنے کی ضرورت کیوں محسوس کر رہی ہو؟'' میں نے اس سے ایک چبھتا ہوا سوال کیا۔

''تمہارا لہجہ عجیب سا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے وہاں آنے سے روکنا چاہ رہے ہو۔'' ویرا میری مزاج شناس تھی۔ اس نے پل بھر میں میرے دل کی بات پڑھ لی۔

''چلو' تم ایسا ہی سمجھ لو۔ میں تم کو.....!''

اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ درمیان میں چیخ کر بول پڑی ''معلوم ہوتا ہے کہ بنکاک میں غزالہ کا جادو تمہارے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ اگر تم اس کے ساتھ وہاں ہنی مون منا رہے ہو تو یقین رکھو کہ میں کباب میں ہڈی نہیں بنوں گی۔ ہم دونوں تم سے دور الگ ہوٹل میں رہیں گے۔ دل چاہے تو ہم سے مل لینا ورنہ فون پر بات ہوتی رہے گی۔''

''تم میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ تم ہر بات میں فوراً کوئی نہ کوئی منفی پہلو نکال لیتی ہو۔'' میں نے ذرا برہمی

Downloaded from https://paksociety.com

دکھاتے ہوئے کہا ''میں یہاں ہنی مون منانے کے لیے نہیں آیا' تلوار کی دھار پر چل رہا ہوں۔ ذرا سی بھی چوک ہوگئی اور معاملہ ختم۔ یہاں آ کر تم میرے ساتھ رہو یا کسی اور ہوٹل میں رکو' میری توجہ بٹ جائے گی۔ بات کھل گئی تو تم دونوں کی صورت میں دشمن کو نئے ہتھیار مل جائیں گے۔ وہ تم پر قابو پا کر مجھے جھکنے پر مجبور کر دیں گے۔''

''ہم دونوں میں سے کوئی موم کا نہیں بنا ہوا جسے وہ آسانی سے اپنے قابو میں کر لیں۔'' ویرا نے ترکی بہ ترکی جواب دیا ''میں وہاں آ گئی تو سوبھراج کو ناک چنے چبوا دوں گی۔''

''اب وہ کچھ بھی چبانے کے قابل نہیں رہا۔ دوزخ میں انگارے چبا رہا ہوگا۔'' سوبھراج کا ذکر آنے پر میں نے ویرا کو اس کے انجام سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ وہ بنکاک آ جاتی اور اسے سوبھراج کی ہلاکت کا علم ہوتا تو وہ میری طرف سے بددل ہو سکتی تھی۔

''وہ کب مارا گیا..... تم نے تو بتایا تھا کہ اس کا قصہ چل رہا ہے۔'' ویرا نے وہ خبر سن کر حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

''وہ پرانی بات تھی۔ یہ خبر اتنی پرانی نہیں ہے۔'' میں نے اطمینان سے جواب دیا حالانکہ میں نے اس سے سوبھراج کی ہلاکت کا قصہ چھپایا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ ویرا وہ خبر سنتے ہی فون پر سوالات کا ایک ایسا سلسلہ شروع کرے گی کہ میں اکتا جاؤں گا۔

''یہ بہت بڑی خبر تھی۔ تمہیں مجھ کو مطلع کرنا چاہیے تھا۔'' اس نے شکوہ کیا۔

وہ اپنے موبائل فون کے بند ہونے کی کتھا سنا چکی تھی۔ میں نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''کہاں مطلع کرتا۔ تمہارا فون بند پڑا ہوا تھا۔ اس بات کا جلال بھی گواہ ہے۔ تمہارا فون بند ہونے سے وہ بے چارہ دو روز سے پریشان ہے۔''

''اس کا قصہ نمٹ گیا تو اب تمہیں کیا پریشانی ہے؟'' اس نے پینترا بدل لیا۔

''تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ وہ درخت کی شاخ پر نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ یہاں اس کے حمایتی موجود ہیں۔ تم راجن کا نام بھول رہی ہو۔ اس کے علاوہ دوسرے کردار بھی ہیں۔ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہوتا۔''

ضد اس کے مزاج کا ایک حصہ تھی۔ وہ روبہ رو موجود ہو یا فون پر' اس کے لیے اپنی اس جبلت پر قابو پانا ممکن نہیں تھا۔ میری وضاحت سے اس کا لہجہ کچھ کمزور ضرور ہوا لیکن اس کی بحث جاری رہی۔ کچھ دیر کی کوششوں کے بعد میں اسے یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ بنکاک کے حالات اتنے سہل نہیں تھے جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

''بہرحال' کچھ بھی ہو' ہم بنکاک آ رہے ہیں۔'' بحث کے خاتمے کے بعد اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ پنچوں کا کہا سر آنکھوں پر مگر اس کا پرنالا وہیں گر رہا تھا۔

''یہ حرکت تم اپنی ذمے داری پر کرو گی۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو ہم چاروں میں سے ایک بھی یہاں سے بچ کر نہیں نکل سکے گا۔'' میں نے اسے متنبہ کیا۔

''بنکاک لاکھوں کا شہر ہے۔ وہاں روزانہ ہزاروں سیاح آتے جاتے ہیں۔ ہمارے ماتھے پر ہمارے نام نہیں لکھے ہوئے کہ ایئرپورٹ پر اترتے ہی دشمن ہمارے پیچھے لگ جائیں۔'' اس کے لب و لہجے سے اس کی فطری بے پروائی مترشح تھی۔ ''ہمارے پاسپورٹ ریٹا اور اکبر کے نام سے ہیں۔ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلے گا کہ وہاں کون آیا ہے اور ہاں' تمہارا سلطان شاہ کہہ رہا تھا کہ وہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم محسوس کر رہا ہے۔ وہ بھی یتیمی کے احساس سے بچ جائے گا۔''

''تم ضد پر اڑ گئی ہو' فون اسے دے دو۔ شاید میں اسے اپنی بات سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔'' میں نے غصے اور بے بسی سے کہا۔

''وہ کسی قریبی پرواز پر نشستیں بک کرانے گیا ہے۔ واپسی کا ٹکٹ بھی تبدیل ہوگا۔ کراچی سے ہم نیویارک آئے۔ اب ٹورنٹو سے بنکاک کے راستے کراچی کا ٹکٹ بنوانا ہوگا۔''

''تم دونوں نے مجھے زچ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہارے حق میں صرف دعا ہی کر سکتا ہوں۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''فی الحال کراچی کو بھول جاؤ۔ ادھر کا رخ کرنا خطرناک ثابت ہوگا۔''

''یہ بات مجھے معلوم ہے مگر ایئرلائن کے اپنے ضابطے ہوتے ہیں۔ واپسی کا ٹکٹ وہیں تک کا بنے گا جہاں سے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ ایشیائیوں کے معاملے میں یہ لوگ سخت ہوتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ پرانے ٹکٹ کی رقم پر صبر کر کے نیا یک طرفہ ٹکٹ خرید لے!''

''سب کچھ طے ہو جائے تو اپنے پروگرام سے آگاہ کر دینا!'' میں نے بے دلی سے کہا۔

''میں تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ اب بنکاک پہنچ کر کہیں سے تمہیں فون کروں گی تو حال ہے لیے دعا کرو' میں

Downloaded from https://paksociety.com

تمہارے لیے دعا کرتی رہوں گی۔ سلطان شاہ اکثر کہتا رہتا ہے کہ صرف ہونٹ ہلانے سے کچھ نہیں ہوتا' دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔''

''سلطان شاہ واپس آئے تو اسے میری رائے سے ضرور آگاہ کر دینا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ تمہیں کوئی ڈھنگ کی بات سمجھا سکے۔''

ویرا نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا ''اس سے ناجائز امیدیں مت رکھو، نیویارک میں رہ کر ہم دونوں بے ڈھنگے ہو چکے ہیں۔''

گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ میرے ذہن میں ایک نیا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سلطان شاہ کا نیا پاسپورٹ اکبر خان کے نام سے بنا تھا اور میں نے بھی اسد کے ساتھ راجن سے ہونے والی ملاقات میں اپنے لیے لاشعوری طور پر اکبر کا نام استعمال کیا تھا۔ ناموں کی وہ مماثلت کسی مرحلے پر کوئی سنگین غلط فہمی پیدا کر سکتی تھی۔ ان دونوں کے بنکاک آ جانے کے بعد ایسی کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نمایاں ہو جاتا۔

''البرٹو کے معاملے میں سلطان شاہ کو سراسر چوٹ ہوئی ہے۔'' غزالہ نے اس گفتگو کا خلاصہ سننے کے بعد پُرتشویش انداز میں کہا ''کچھ معلوم ہونے کے بجائے وہ خطرے میں پڑ گیا تھا۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ دونوں وہاں سے نکل گئے۔''

''اور میں ان کی یہاں آمد کی خبر سے پریشان ہوں۔ یہاں کے معاملات بہت الجھ گئے ہیں۔ ڈان کے لیے میں علی احمد ہوں، راجن مجھے اکبر کے نام سے پہچانتا ہے۔ وہ یہاں آ گئے تو میں ان سے لاتعلق نہیں رہ سکوں گا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اتنی سمتوں میں مصروف رہنے کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔'' میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

''وہ آپ کے سمجھانے کے باوجود وہاں رکنے یا کہیں اور جانے پر آمادہ نہیں ہوئی۔ وہ حد سے زیادہ ضدی عورت ہے۔ پتا نہیں سلطان شاہ اس کے ساتھ کیسے گزارا کر رہا ہوگا۔'' ان دونوں کے معاملے میں غزالہ کی ہمدردیاں ہمیشہ سلطان شاہ کے ساتھ ہوتی تھیں۔ اس نے اس موقع سے فوری فائدہ اٹھالیا۔

''کاش یہ گفتگو اسپیکر فون پر ہوئی ہوتی اور تم نے سنی ہوتی۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نرم گوشے پیدا ہوگئے ہیں، یہ صرف ویرا کی ضد کی بات نہیں ہے، سلطان شاہ واپسی کا ٹکٹ بنوانے گیا ہوا ہے۔''

''تو کیا بنکاک آنے سے پہلے انہیں کراچی جانا ہوگا؟'' میری زبان سے ان کی واپسی کا ذکر سنتے ہی غزالہ چونک گئی۔

''قطعی نہیں۔'' میں نے کہا ''وہ کراچی سے آگے جاپان یا آسٹریلیا بھی جا سکتے ہیں۔ ان کے سفر کی آخری منزل کراچی ہی رہے گی۔ شرط صرف اتنی ہے کہ وہ جہاں بھی جا رہے ہیں، وہاں کے امیگریشن کے لوازم پورے کرتے ہوں۔''

''تو کیا ان کے پاس بنکاک کا ویزا ہوگا؟'' وہ ان دونوں کی آمد کے ہر پہلو کے بارے میں اپنا اطمینان کرنا چاہ رہی تھی۔

''میں نے ان کے پاسپورٹ غور سے نہیں دیکھے۔ ان کے پاس ویزا نہ ہو تب بھی انہیں ایرپورٹ پر ویزا مل جائے گا۔ سیاحت اس ملک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ یہ اپنے یہاں آنے والوں کو گرم جوشی سے خوش آمدید کہتے ہیں، ان کے لیے مسائل پیدا نہیں کرتے۔''

''آپ ان دونوں میں مفاہمت کا ذکر کر رہے تھے۔'' اس بارے میں مطمئن ہوتے ہی غزالہ نے مجھے میری بات یاد دلائی۔

''سلطان شاہ نے اب تک براہِ راست ویرا کو دعوت نہیں دی لیکن وہ دوسرے طریقوں سے اسے اپنے مذہب کی طرف راغب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا۔

میری طرح غزالہ بھی وہ خبر سن کر خوش ہوگئی۔ شاید اس کے ذہن میں بھی انہی امکانات نے سر ابھارا تھا جو ابتدا میں مجھے نظر آئے تھے۔ جب میں نے اسے ویرا کے ردِعمل سے آگاہ کیا تو وہ اداس ہوگئی۔

ہم دونوں کافی دیر تک ویرا اور سلطان شاہ کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ ویرا اپنے آزاد مغربی پس منظر کی وجہ سے میرے ساتھ جو بے تکلفانہ رویہ اختیار کرتی تھی، وہ غزالہ کو ہمیشہ گراں گزرتا تھا۔ وہ اس بارے میں کئی بار مجھ سے دبے لفظوں میں شکایت کر چکی تھی۔ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ وہ ویرا کی طرف سے رقابت، حسد اور کبھی کبھی رشک میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ میں نے بارہا ویرا کو سمجھایا کہ وہ غزالہ کی موجودگی میں محتاط رہا کرے لیکن وہ اپنی عادتوں سے مجبور تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ غزالہ کو ان مسائل کا حل ویرا کی خانہ آبادی میں نظر آ رہا تھا۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو قبول کر لیں تو ویرا کی بے تکلفیوں سے میری گلوخلاصی

Downloaded from https://paksociety.com

ہو جائے گی۔ ان نجی مسائل کے علاوہ غزالہ واقعی ویرا کی خیر خواہ تھی۔ میں نے اسے یہ جتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ اس وقت خیر خواہی کی آڑ میں اپنے ان نجی مسائل کے حل کی خواہش مند ہے۔

غزالہ کتنی ہی سمجھ دار اور روشن خیال کیوں نہ رہی ہو، آخر کار وہ ایک عورت ہی تھی اور عورت جب بیوی کا روپ دھار لیتی ہے، تو وہ اپنے حقوق کے تحفظ کے معاملے میں خاصی تنگ نظر بلکہ شاید متعصب بھی ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں اسے ٹوکنا یا سمجھانا غلط فہمیوں اور بدمزگی کو جنم دینے کا سبب بن سکتا تھا۔

اسی رات دس بجے کے قریب طارق کا فون آ گیا۔ اس نے اپنی پیشہ ورانہ ضروریات کے لیے بنکاک آتے ہی موبائل فون کنکشن لے لیا تھا تاکہ اسے ہر وقت رابطے کی سہولت میسر رہ سکے۔ اس وقت وہ ایک ٹیکسی میں سفر کر رہا تھا۔ اس کی آواز کے پس منظر میں مجھے ٹیکسی کے انجن کی ہلکی سی گونج بھی سنائی دے رہی تھی۔

''میں اس وقت اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔'' سلام دعا کے بعد وہ پُرسکون انداز میں بتا رہا تھا ''میں نے سنا ہے کہ وہ محافظوں کی کئی گاڑیوں کے ساتھ، کرّوفر سے باہر نکلنے کا عادی ہے لیکن اس وقت وہ صرف ایک گاڑی میں ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت تین آدمی ہیں۔''

''تم شاید راجن کا ذکر کر رہے ہو؟'' میں نے وہ خبر سن کر اس سے تصدیق چاہی۔

''بالکل اسی کا ذکر ہے۔'' اس نے بلاتوقف میری تائید کی ''تم نے کہا تھا کہ میں اس پر نظر رکھوں۔ میرے پاس فی الحال کوئی دوسری مصروفیت نہیں تھی۔ میں نے اس کے گھر کی نگرانی شروع کر دی۔ وہ یہاں کا مشہور آدمی ہے۔ ڈرائیور میری زبان سے اس کا نام سن کر چونک جاتا۔ اردو میں کہی ہوئی دوسری باتیں اس کے پلے نہیں پڑ سکتیں، میں اس وقت ذرا محتاط ہوں۔''

''ویری گڈ! یہ بہت اہم اور اچھی خبر ہے۔'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا ''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ تمہاری ٹیکسی اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ تم اس کا نام لینے سے گریز کر رہے ہو۔ کیا ڈرائیور کو یہ علم نہیں کہ وہ کس کا پیچھا کر رہا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ وہ راجن کو چہرے سے نہیں جانتا۔ اسے یہ تو معلوم ہے کہ میں نے اسے سفید گاڑی کے پیچھے لگایا ہوا ہے لیکن اس نے اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر میں نے اسے ہدایت کی اور وہ خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لیا۔''

''کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ وہ کوئی چون و چرا کیے بغیر شہر کے ایک نام ور بدمعاش کا تعاقب کرنے پر آمادہ ہو گیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''میں اس کی جرح کا جواب دینے کے لیے تیار تھا۔'' اس نے وضاحت کی ''اس کی خاموشی سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ایسے کام اس کے لیے نئے نہیں ہیں۔ میں خالی ہاتھ اور اکیلا ہوں۔ اسے کوئی شبہ نہیں ہوا ہوگا۔ وہ خاموش طبع پیشہ ور ڈرائیور معلوم ہوتا ہے۔ دھیان سے اپنے کام میں مصروف ہے۔ اس کی ٹیکسی میں میٹر نہیں ہے۔ میں عجلت میں کرایہ طے کیے بغیر اس کے ساتھ روانہ ہوا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخر میں مجھ سے انعام یا بھاری کرایہ وصول کرنے کا ارادہ کیے بیٹھا ہو۔ تم اس کے بارے میں فکر نہ کرو۔ اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو میں اسے سنبھال لوں گا۔ ویسے بھی ڈرائیور تھائی ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کی انگریزی چند الفاظ کے بعد جواب دے جائے گی۔ اس سے کسی لمبے مذاکرے کا امکان نہیں ہے۔ سب کچھ نوٹوں کی جھلک دکھا کر طے ہو جائے گا۔''

طارق کے ایک ایک لفظ سے اعتماد کا اظہار ہو رہا تھا۔ اسے بنکاک آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا لیکن وہ ہر ماحول میں اپنا کام کرنے کا عادی معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے ایسی معاملے کو اس کی ذاتی صوابدید پر چھوڑتے ہوئے پوچھا ''تمہیں یقین ہے کہ اگلی گاڑی میں راجن موجود ہے؟''

''اپنی سیاہ رنگت اور آگے مڑے ہوئے کانوں کی وجہ سے وہ ہزاروں کی بھیڑ میں الگ پہچانا جا سکتا ہے۔ وہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے برابر میں بیٹھا ہوا ہے۔'' طارق نے بتایا ''اس کی جھلک دیکھ کر ہی میں نے اس کی گاڑی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

کچھ اندازہ ہے کہ وہ کس طرف جا رہا ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''ابھی میں شہر کے راستوں سے زیادہ واقف نہیں ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ ہم جنوب کی سمت میں سفر کر رہے ہیں۔'' لمحے بھر کے تذبذب کے بعد اس کا جواب آیا۔

اس کا سفر جاری تھا۔ اس کی فراہم کی ہوئی خبر میرے لیے بہت اہم اور سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی۔ میں نے جان بوجھ کر اپنی ابتدائی گفتگو کو ذرا طول دیا تھا تاکہ وہ راستے وغیرہ دیکھ کر راجن کی منزل کا اندازہ لگا سکے لیکن میری وہ تدبیر کارگر

Downloaded from https://paksociety.com

ثابت نہیں ہوسکی۔ شہر سے اجنبیت طارق کے لیے سب سے بڑا اور حقیقی مسئلہ تھی۔

''جوں ہی تمہیں کوئی اندازہ ہوتا ہے، مجھے اطلاع دینا، میں منتظر رہوں گا۔'' میں نے متجسس لہجے میں کہا ''شاید تمہیں اندازہ ہوگا کہ میرے لیے وہ کتنا اہم ہے؟''

''مجھے اس کے بارے میں بریف کردیا گیا تھا۔ تم کو ضرور علم ہوگا مگر میں پھر بھی واضح کردوں کہ میں تمہیں صرف معلومات فراہم کرسکتا ہوں۔ اگر تم اس کے خلاف کسی مہم جوئی کا ارادہ کیے بیٹھے ہو تو اس میں میرا کوئی کردار نہیں ہوگا۔''

وہ پاکستان کے ایک اہم مرکزی ادارے کا ذمے دار اہل کار تھا۔ اسے دیارِ غیر میں اپنی حدود کار کا پورا پورا ادراک تھا۔ اس نے ایک مخلص اور پیشہ ور مخبر کی طرح صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ واضح کردیا تھا کہ وہ راجن کے خلاف کسی جرم کے ارتکاب میں فریق نہیں بنے گا۔

میں نے خوش دلی سے کہا ''یہ باتیں میرے لیے نئی نہیں ہیں۔ تمہارا پیش رو بھی ان حدود میں رہ کر میرے ساتھ کام کرتا رہا ہے۔''

طارق سے غیر متوقع طور پر ملنے والی وہ خبر میرے لیے بہت اہم تھی۔ ژان برنارڈ اور چاؤفان کے ذرائع سے مجھے جو خبریں ملتی رہی تھیں، ان کے مطابق راجن جب بھی موتی محل سے باہر نکلتا تھا، بھاری اسلحے سے لیس محافظوں کی بھاری نفری اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں اسے کہیں بھی للکار کر روکنا اس کے حریفوں کے لیے مہنگا سودا ثابت ہوسکتا تھا۔

وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد سے وہ مسلسل موتی محل میں گھسا ہوا تھا۔ اپنے بحری اڈے کی تباہی پر بہت دل برداشتہ ہوا تھا۔ دوسری طرف چاؤفان نے شہر میں نامعلوم ذرائع سے یہ افواہیں پھیلا دی تھیں کہ راجن کے ہر دوست کو بے رحمی سے کاٹ دیا جائے گا۔ ان افواہوں کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ نچلے درجے کے بہت سے لوگوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ان واقعات میں بہ ظاہر ژان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے اپنا سیکرٹ ورک چلا رہا تھا۔ اپنا بقیہ وقت وہ بار کی اوپری منزل پر گزار رہا تھا۔ پچھلے چند دنوں میں اس کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا لیکن پھر بھی زیرِ زمین دنیا کے بہت سے بچھڑے ہوئے لوگوں نے اپنے عہدِ وفا کی تجدید کے لیے اس کے ٹھکانے کا رخ کرنا شروع کردیا۔ انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ شہر میں راجن کی ہوا اکھڑی تو اس کی جگہ لینے کے لیے ژان کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

پچھلی رات ژان کے پاس آنے والوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا۔ اپنا تھوکا ہوا چاٹنے والوں کو اپنے رد بہ رد پا کر ژان اندر سے بہت خوش تھا لیکن ظاہری طور پر انہیں دھتکارتا رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ گوشہ نشین رہ کر سکھ کی زندگی گزار رہا تھا۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

ژان کی وہ سوچی سمجھی حکمتِ عملی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس بھیڑ میں مل کر راجن کے مخبر بھی اس کے دروازے تک آئیں گے۔ جب ان کے ذریعے راجن کو یہ خبر ملتی کہ ژان اپنے پاس آنے والوں کو منہ نہیں لگا رہا تو اسے اطمینان ہوجاتا کہ اسے ژان سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ویسے بھی میں نے اکبر کے روپ میں کام کرکے اس کے شبہات کا رخ اپنی یعنی ڈینی کی ذات کی طرف موڑ دیا تھا۔

وائٹ ہاک کی بربادی کے بعد رونما ہونے والے وہ حالات و واقعات راجن کے لیے بہت مایوس کن تھے۔ موتی محل میں منہ چھپا کر اس نے اپنی پوزیشن اور خراب کرلی تھی۔

اس پس منظر میں طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی اہمیت بہت بڑھ گئی۔ اگر راجن اپنے معمولات سے ہٹ کر محض تین آدمیوں کے ساتھ اپنے مسکن سے نکلا تھا تو یقینی طور پر اس کے پیشِ نظر کوئی اہم کام تھا۔ میرے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ اگر کسی طرح ان چاروں کو گھیر لیا جاتا تو راجن کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوسکتا تھا۔ اس سے نہ صرف میرا انتقام پورا ہوجاتا بلکہ اس کے انجام پر جلال بھی خوش ہوجاتا۔ رہا ژان تو اس کی زندگی کا مقصد ہی راجن کو جہنم واصل کرنا رہ گیا تھا۔ راجن کی موت پر اس کی خوشی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

میں نے غزالہ کو اس نئے موڑ سے آگاہ کرتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور پھر فوری طور پر چاؤفان سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''چاؤفان! تم اس وقت کہاں ہو؟'' نمبر ملتے ہی میں نے اس سے سوال کیا۔

''ماسٹر! میں اس وقت مادام کے قدموں میں بیٹھا ہوا اسے منا رہا ہوں۔'' اس کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ ''وائٹ ہاک کو سمندر میں ڈوبے چالیس گھنٹے سے زائد وقت گزر چکا ہے لیکن مجھے اس کی کامیابی کا جشن منانے کا موقع نہیں ملا۔ مادام نے تم سے مل کر اپنا جی خوش کرلیا مگر میں بے چارہ ابھی تک ہر خوشی سے محروم ہوں۔''

''تمہیں ہر وقت شراب اور عورتوں میں گھسے رہنے کا اتنا شوق کیوں ہے؟'' میں نے خفگی سے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''ماسٹر! یہ میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ ان کے بارے میں سوال جواب نہ کیا کرو۔ یہ دیکھو کہ کام کے وقت میں تمہیں ہمیشہ مستعد اور تیار ملتا ہوں۔''

''کیا یہ ممکن ہے کہ تم کچھ دیر کے لیے مادام سے الگ ہو سکو؟'' میں نے زہریلے لہجے میں سوال کیا۔

''فی الحال الگ ہی ہوں.....'' اس نے موج میں آ کر کچھ کہنا چاہا لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ شاید لی نے اس کے ہاتھ سے موبائل فون چھین لیا تھا۔

''ڈارلنگ! تم اس وقت کہاں ہو؟'' میرے کان میں لی کی رسیلی آواز گونجی۔ ''کل شام سے ایسے غائب ہوئے ہو کہ تمہارا کوئی پتا ہی نہیں ہے۔ ایک چاؤ فان ہے کہ کسی قیمت پر میرا پیچھا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ اتنی خوشامد مردانہ شان کے خلاف ہوتی ہے۔''

''دروازے پر کوئی ضدی سوالی آ جائے تو اسے کچھ دے دلا کر جان چھڑالی جاتی ہے۔'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا جو ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھی ''تم بھی اسی فارمولے پر عمل کرو۔ فون اسے دے دو۔ اس وقت بہت اہم معاملہ درپیش ہے۔''

میرا مشورہ سن کر وہ ذومعنی انداز میں ہنسی، پھر بولی ''کیا چھوٹا راجن کی گردن تمہارے ہاتھ میں آ گئی؟''

وائٹ ہاک کی غرقابی کے قصے میں ہماری شریکِ کار بن کر لی راجن کی حد تک ہماری راز داں بن گئی تھی۔ وہ کوئی شریف اور آبرومند خاتون نہیں تھی، پھر بھی میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ راجن کے ہاتھوں اپنی اور اپنی بہن کی پامالی پر واقعی اس کے خون کی پیاسی ہو گئی تھی۔ میں نے لمحہ بھر توقف کر کے اس نکتے پر سوچا پھر کہا ''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ فون اسے دے دو، دیر نہ کرو۔ میرے پاس ایک اور کال آنے والی ہے۔''

''تم بہادر اور شیر دل مرد ہو۔'' لی کی آواز میں عجیب سی اپنائیت امڈ آئی ''میں نے تمہیں دیکھتے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ تم اس کمینے کو اس کے کیفرِ کردار تک پہنچا سکتے ہو، لو اپنے چہیتے سے بات کرلو۔''

''ماسٹر! اس وقت میرے دل پر تیر لگا ہے۔'' اس مرتبہ چاؤ فان کی مغموم آواز سنائی دی ''مادام نے تم کو کتنے پیار سے ڈارلنگ کہا ہے۔ یہ مجھے اس محبت کا عشرِ عشیر بھی دینے کو تیار نہیں ہے۔ میں تم سے اپنے دل میں حسد اور رقابت محسوس کر رہا ہوں، تم اندازہ نہیں.....''

''چاؤ فان! بک بک مت کرو۔ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو ہم ہمیشہ پچھتاتے رہیں گے۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر سختی سے کہا ''اس وقت راجن موتی محل سے صرف ایک گاڑی میں نکلا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور سمیت کل تین آدمی ہیں۔ یہ اسے گھیرنے کا بہترین موقع ہے۔''

''ماسٹر! یہ بہت بڑی خبر ہے۔'' اس نے جواب دیا ''میں دوڑ کر مادام سے دور آ گیا ہوں۔ اب تم کھل کر بات کر سکتے ہو۔''

''اس سے یہ نہ چھپانا کہ میں نے راجن کے بارے میں بات کرنے کے لیے تمہیں فون کیا ہے۔'' اس کے لی سے دور آنے کا ذکر کر میں نے وضاحت کی تاکہ اسے لی کے سامنے کسی خفت کا سامنا نہ کرنا پڑے ''ابھی مجھے خیال آیا کہ راجن کے معاملے میں وہ ہماری راز داں اور ہم خیال ہے۔ اگر میں اسے اپنی کال کا مقصد نہ بتاتا تو وہ اب تک میرا دماغ چاٹ رہی ہوتی۔''

''مجھے اپنی اور اس کی باتیں نہ سنایا کرو، دل پر چھریاں چل جاتی ہیں۔ یہ بتاؤ کہ راجن کا کیا قصہ ہے، اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے؟''

اس کے ابتدائی جواب پر میرا خون کھول اٹھا۔ ایک طرف وہ مجھے اپنا ماسٹر اور آقا تسلیم کرتا تھا اور دوسری طرف بازاری انداز میں میرا اور اپنا موازنہ کر رہا تھا مگر میں نے موقع کی نزاکت کے پیشِ نظر اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''فوراً وہاں سے نکلو اور اپنی اکارڈ لے کر میرے ہوٹل کے باہر پہنچ جاؤ۔ ہمیں ہر حال میں اس کو گھیرنا ہے۔''

''ماسٹر! اکارڈ بننے کے لیے گئی ہوئی ہے۔'' اس کی جھجکتی ہوئی آواز آئی ''پھوم فاٹ کو روکنے کے چکر میں وہ پیچھے سے لگ گئی تھی۔ کل تک.....''

میں نے مضطربانہ انداز میں اس کی بات کاٹ دی ''تو کیا لی سے عشق لڑانے کے لیے پیدل چل کر اس کے گھر پہنچے ہو؟''

''اس وقت میرے پاس چوری کی ایک جیپ ہے۔'' اس کی آواز یکا یک دھیمی ہو گئی۔ شاید وہ اپنے اعتراف کو اپنی خود ساختہ محبوبہ سے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''یہ اور بھی اچھا ہے۔ جیپ دیکھ لی گئی تو راجن یا اس کے آدمیوں کو پتا نہیں چل سکے گا کہ ان سے ٹکرانے والے کون تھے۔ تمہاری جیپ میں کچھ ہتھیار رکھی ہیں؟''

''ماسٹر! تمہارا خادم ہتھیار اور کپڑوں کے بغیر گھر سے قدم باہر نہیں نکالتا۔'' کسی بات کی تصدیق یا تردید کرنے کا وہ

Downloaded from https://paksociety.com

طریقہ عاجزانہ ہونے کے باوجود اتنا بے ہودہ تھا کہ مجھے اس سے چڑ ہونے لگی تھی مگر میں اسے برداشت کرنے پر مجبور تھا۔

''ہتھیاروں کے ساتھ دو نقاب بھی ہوں تو زیادہ بہتر ہوگا۔'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت کہا۔

مجھے ڈینی کی حیثیت سے کوئی نہیں پہچانتا تھا مگر میں اسد کے ساتھ اکبر بن کر راجن سے مل چکا تھا۔ اگر متوقع ٹکراؤ میں اس سے میرا روبرو سامنا ہو جاتا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا کہ اس کا ہمدرد بننے والا اکبر اس کے مقابل موجود تھا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی حیرت کے ساتھ جہنم واصل کر دیا جاتا لیکن وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ تین افراد بھی تھے۔ میں اسد کے ساتھ ڈنکے کی چوٹ پر موتی محل میں گیا تھا۔ وہاں بہت سے لوگوں نے مجھے اور اسد کو دیکھا تھا۔ یہ ممکن تھا کہ راجن کے تینوں ساتھی بھی ان لوگوں میں شامل رہے ہوں۔ اگر ان تینوں میں سے کوئی بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا تو اکبر والی کہانی ہر طرف پھیل سکتی تھی۔ اکبر ڈینی کی طرح بے نام ونشان نہیں تھا، اس کا ایک منفرد چہرہ تھا۔ راجن کے رہے سہے حمایتی شہر میں اکبر کی تلاش شروع کر دیتے تو میں مشکلات سے دوچار ہو سکتا تھا۔

''جیپ میں نقاب بھی مل جائیں گے۔'' اس بار چاؤفان کی آواز خفت آمیز تھی۔ ''یہ جیپ دو مہینوں سے میرے آدمیوں کے استعمال میں ہے۔ رنگ کے علاوہ اس کی نمبر پلیٹیں بھی بدلی ہوئی ہیں۔ اس میں نقب زنی کے آلات سے لے کر قتل کرنے والے ہتھیاروں تک، سب کچھ موجود رہتا ہے۔ پتا نہیں کب کس چیز کی ضرورت پیش آ جائے۔''

''چاؤفان! تمہارے آدمی چوری اور نقب زنی بھی کرتے ہیں؟'' میں اس موقع کی سنگینی کے باوجود اپنی بے ساختہ حیرت کے اظہار پر قابو نہیں پا سکا۔

''ماسٹر! زندہ رہنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' اس کی آواز میں بے چارگی تھی ''کوئی کروڑپتی اپنی تجوری کھول کر اپنا مال کسی اور کو نہیں دیتا۔ ہمیں مجبور ہو کر یہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اپنی گاڑی چلانے اور زندہ رہنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہے۔ جہاں سے بھی ممکن ہوتا ہے، ہم اپنی یہ ضرورت پوری کر لیتے ہیں۔''

میرے ذہن میں ڈان کی دی ہوئی، انعام کی بھاری رقم نے سر ابھارا۔ اس نے مجھے اور چاؤفان کو یہ یک جنبش ابرو ڈیڑھ لاکھ بھات دے دیے تھے۔ وہ کوئی معمولی رقم نہیں تھی۔ یہ یقینی بات تھی کہ ڈان کو سیکرز بار سے اتنی آمدنی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ وسائل کچھ اور ہی تھے جن پر چاؤفان کسی حد تک روشنی ڈال رہا تھا۔

چاؤفان جھاڑ کا کانٹا تھا۔ اس سے ایک بات کہی جاتی تو وہ دس باتیں شروع کر دیتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ اسے زیادہ نہ کریدا جائے۔ اس کی وضاحتوں کے لیے دن کے چوبیس گھنٹے کم پڑ سکتے تھے۔ میں نے وہ بات وہیں ختم کرتے ہوئے کہا ''میں انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی جگہ پر پہنچ کر مجھے کال کرو۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' اس کی آواز پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ بات ختم کرتے کرتے اچانک وہ بولا ''مادام دور سے کچھ اشارے کر رہی ہے۔ شاید یہ بھی ہمارے ساتھ شامل ہونا چاہتی ہے۔''

''ہرگز نہیں۔'' میں نے سختی سے کہا ''بھول کر بھی اسے اپنے ساتھ نہ لینا۔ وہ عورت ذات ہے۔ پہچان لی گئی تو راجن کے حواری اسے بھی اس کی بہن کے پاس پہنچا دیں گے۔'' اپنی بات پوری کرتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ گفتگو جاری رہی تو کہیں لی دوبارہ چاؤفان سے فون نہ لے لے۔

''کیا آپ کے اور چاؤفان کے درمیان کوئی اور بھی آ گیا تھا؟'' غزالہ نے مڑ کر پوچھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ بہ ظاہر مصروف ہو جانے کے باوجود اس کے کان میری گفتگو کی طرف لگے ہوئے تھے۔

''لی بات کر رہی تھی۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا ''چاؤفان اسی کے گھر پر بیٹھا ہوا ہے۔''

غزالہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیل گیا لیکن اس نے زبان سے اس بارے میں مزید کچھ نہیں کہا۔ یکا یک بات بدل کر پوچھا ''اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟''

''طارق سے کوئی خیر خبر ملے اور چاؤفان جیپ لے کر آ جائے تو مجھے راجن کے پیچھے جانا ہے۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں جواب دیا۔

''کیا اس مہم میں میری شرکت کی کوئی گنجائش ہے؟'' اس نے معذرت خواہانہ انداز میں پوچھا۔

''ابھی فون پر چاؤفان کہہ رہا تھا کہ لی بھی اس کے ساتھ آنا چاہتی ہے۔ تم نے سن لیا ہوگا کہ میں نے سختی سے اسے منع کر دیا۔ تمہاری پوزیشن بھی وہی ہے۔ میں کسی قابلِ شناخت عورت کو اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''میں آپ کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔'' غزالہ نے اپنی صفائی پیش کی ''فالتو ٹائم بم دیکھ رہی تھی۔ آپ کہہ رہے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی زبان سے ٹائم بم کا ذکر سنتے ہی مجھے یاد آ گیا کہ ابتدا میں چاؤفان نے گولڈن ڈریگن کی تباہی کے لیے مجھے دو ٹائم بم دیے تھے۔ جن میں سے کوئی بھی گولڈن ڈریگن میں استعمال نہیں ہو سکا۔ ایک کا فیوز آن تھا۔ اسے دریا کی نذر کر دیا گیا۔ دوسرا ہمارے ہوٹل کے کمرے میں محفوظ تھا۔ کسی مہم کے لیے وہ ٹائم بم ایک اچھا ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا مگر اس کا ہمارے کمرے میں موجود رہنا مناسب نہیں تھا۔

تازہ ترین مہم میں راجن اور اس کے آدمیوں کا براہِ راست تصادم ہونے کی توقع تھی۔ اس میں کسی ٹائم بم کے استعمال کی کوئی گنجایش نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے غزالہ سے کہا' وہ بم باہر نکال دے۔ چاؤفان کی وہ امانت اسے لوٹا کر میں اپنا بار ہلکا کر سکتا تھا۔ وہ بم چاؤفان کے زیرِ استعمال مسروقہ جیپ میں پڑا رہتا تو کہیں نہ کہیں کام آ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد طارق کا فون آ گیا ''تعاقب جاری ہے۔ سڑکوں کے پیچ و خم کی وجہ سے گتیں بدل رہی ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اب بھی ہم جنوب کی طرف شہر سے تقریباً باہر آ چکے ہیں۔ فضا میں پھیلی ہوئی ہلکی سی سمندری بساند سے مجھے شک ہو رہا ہے کہ اگلی گاڑی بندرگاہ کی طرف جا رہی ہے۔'' وہ دھیمی اور پُرسکون آواز میں رپورٹ دیتا چلا گیا۔

''وہ اپنی لانچ کے آبی مزار کی طرف جا رہا ہوگا۔'' میں نے کہا ''اس لانچ کی غرقابی کے بعد وہ پہلی بار موتی محل کی چار دیواری سے باہر آیا ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ یہ بساند میرے نتھنوں کو شناسا محسوس ہو رہی ہے۔ خبر ملنے کے بعد میں نے خود ساحل سے سمندر کا جائزہ لیا تھا۔ اس وقت تک لانچ زیرِ آب آ چکی تھی۔'' طارق نے کہا ''حیرت ہے کہ یہ راستے میری شناخت میں نہیں آ رہے۔''

وہ کوئی انوکھی یا پریشان کن بات نہیں تھی۔ طارق نے پہلی مرتبہ دن کے اجالے میں ادھر کا چکر لگایا تھا۔ دن کے مقابلے میں رات کو ہر علاقے میں اندھیروں اور اجالوں کی وجہ سے ایسی تبدیلیاں رونما ہو جاتی ہیں کہ شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ امکان بھی تھا کہ راجن کے ڈرائیور نے بندرگاہ تک پہنچنے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کیا ہو۔

دونوں صورتوں میں پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اس بار طارق کی رپورٹ سن کر مجھے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ راجن کی منزل بنکاک کے ساحل کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔

''تمہارے ڈرائیور کا کیا حال ہے؟'' اس بارے میں مطمئن ہونے کے بعد میں نے پوچھا۔

''اس نے مجھے تصویروں کے تین داہیات البم دیے تھے جو میں نے اسے لوٹا دیے۔'' اس نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا ''اس کے بارے میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ پیسوں کا لالچی ہے۔ تصویریں واپس لیتے ہی اس نے کرائے کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ اس سے پانچ سو بھات میں معاملہ طے ہوا ہے۔ میں نے اسے یقین دلایا ہے کہ کوئی مار پیٹ وغیرہ نہیں ہوگی۔ پانچ سو بھات میں وہ مجھے شہر واپس پہنچائے گا۔''

''تعاقب کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔'' میں نے وہ تفصیل سن کر کہا ''اس کی منزل کا علم ہو جانے کے بعد اب تمہارا آگے تک جانا بے سود ہے۔ اگر وہ ہمارے وہاں پہنچنے تک رکا رہا تو خاصا خوں ریز تصادم ہونے کا امکان ہے۔ تم موقع دیکھ کر یہیں کہیں سے واپس لوٹ جاؤ۔''

''اس اجازت کے لیے میں تمہارا شکر گزار رہوں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ میرے لیے ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ آخر تک موجود رہنا خطرناک ثابت نہ ہو۔'' اس کی آواز واقعی تشکر آمیز تھی ''مجھے ایک لمبے عرصے تک اس شہر میں رہنا اور پبلک ٹرانسپورٹ پر انحصار کرنا ہے۔ کیا پتا یہ ڈرائیور دوبارہ کہاں ٹکرا جائے؟''

مجھے لی کے گھر سے ہوٹل تک کے فاصلے کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وقت کے حساب سے چاؤفان کو کسی بھی لمحے پہنچ جانا چاہیے تھا۔ میں نے شاپنگ بیگ میں لپٹا ہوا ٹائم بم اٹھایا اور غزالہ کو خدا حافظ کہہ کر ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔ بیم گن میں نے اپنی پتلون کی جیب میں ڈال لی تھی۔ انگوٹھیاں انگلیوں میں موجود تھیں۔

میں نیچے اتر کر ہوٹل کی لابی سے گزر رہا تھا کہ چاؤفان کی کال آ گئی۔ وہ ہوٹل کے باہر موجود تھا اور مجھ سے اپنی پھرتی پر داد طلب تھا۔

طارق کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن سفید گاڑی میں سفر کر رہا تھا، چاؤفان کے پاس موجود جیپ کا رنگ بھی سفید تھا۔ اس کی پوری باڈی آہنی چادروں سے بنی ہوئی تھی۔ اس کی زبان سے جیپ کا ذکر سن کر میرے ذہن میں کھلی ہوئی گاڑی کا تصور ابھرا تھا، جو غلط ثابت ہوا۔

وہاں سے روانہ ہوتے ہی میں نے ٹائم بم کا تھیلا اس کے حوالے کر دیا۔ ''تمہاری امانت میں تمہیں لوٹا رہا ہوں۔ اسے کہیں اور آزما لینا۔''

''یہ بہت مہنگا بم ہے۔'' اس نے وہ تھیلی احتیاط سے پچھلے پائیدان پر رکھتے ہوئے کہا ''ڈھونڈنے جاؤ گے تو دس

Downloaded from https://paksociety.com

ہزار بھات میں بھی نہیں ملے گا۔''

''تم نے تو اسے امریکی فوجی کیمپ سے چرایا ہوگا؟'' میں نے طنز سے تبصرہ کیا۔

''ماسٹر! خدا کا خوف کرو۔ میں ایسی حرکتیں نہیں کرتا۔'' اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

''تھوڑی دیر پہلے تم خود نقب زنی کے بارے میں بتا رہے تھے۔ نقب زنی اور چوری میں بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ ڈکیتی البتہ مختلف چیز ہوتی ہے۔''

''میں کھلے دل سے تم کو ہر بات بتا دیتا ہوں۔ تم طعنہ دے رہے ہو!'' اس نے شکایت کی ''نقب زنی اور چوری میں بم وغیرہ ہاتھ نہیں آتے، نقد مال ملتا ہے۔ اس سے دنیا کی ہر شے خریدی جاسکتی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو..... میں نے لی کو تیس ہزار بھات اپنی جیب سے دیے ہوں گے!''

''چوری کا مال اسی طرح جاتا ہے۔ اس نے تم سے کوئی رعایت نہیں کی؟'' میں نے پوچھا۔

''رعایت!'' اس نے استہزائی انداز میں دہرایا ''وہ تمہارے سامنے سخاوت کی باتیں کرتی ہے، اندر سے لالچی ہے۔ تیس ہزار کے علاوہ انعام بھی مانگ رہی تھی۔ میں نے اسے اس کی بہن کے انتقام کا معاملہ یاد دلایا تو وہ چپ ہوگئی۔''

''یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے اچانک بریک لگا کر سڑک کے بیچ میں گاڑی روک دی اور اپنے سر پر ہاتھ مارتا ہوا بولا۔

''تمہارے یاڈان کے سامنے آتا ہوں تو میری عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں۔ تم سے کچھ پوچھے بغیر مادام کے گھر کے راستے پر چل پڑا ہوں۔''

پیچھے آنے والی کئی گاڑیوں کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے۔ لوگوں نے غصے میں لمبے لمبے ہارن بجائے لیکن چاؤ فان کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ وہ ان سب کے احتجاج سے بے پروا، ڈھٹائی سے میرا چہرہ تک رہا تھا۔

رکنے والی گاڑیاں اس کے دائیں بائیں سے نکلنے لگیں۔ کئی افراد اپنی زبان میں چلاتے ہوئے گزرے۔ یقینی طور پر انہوں نے چاؤ فان کو کلمات خیر سے یاد نہیں کیا ہوگا۔ وہ ان کی گالیاں کھا کے بھی بے مزہ نہیں ہوا۔ سپاٹ لہجے میں بولا ''بتاؤ..... کدھر چلنا ہے۔''

''سمندر کی طرف چلو۔ وہ اپنی لانچ کی باقیات کو سطح سمندر پر تیرتا ہوا دیکھنے کے لیے گیا ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔

چاؤ فان نے وہیں سے جیپ واپس گھمالی اور... بڑبڑاتے ہوئے بولا ''اچھا ہوا کہ تمہیں بروقت بات یاد آ گئی۔ ہم مخالف سمت میں جا رہے تھے۔''

''جب مرد کے سر پر عورتیں ہی عورتیں سوار ہوں تو اس کا دماغ اسی طرح مفلوج ہو جاتا ہے۔'' میں نے پُرسکون انداز میں کہا ''لی کی ہوس تمہیں لے ڈوبے گی۔''

''میں کام پر آ گیا ہوں' اب مادام پر لعنت بھیجو۔ وہ سب میرے فرصت کے مشغلے ہیں۔ کام کے وقت میں ان کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔''

چاؤ فان نے وہ بات کسی اور موقع پر کہی ہوتی تو میں خاصی بے رحمی سے اس کا مضحکہ اڑاتا۔ اس وقت اس کا دعویٰ بے چون و چرا سن لیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی کہ وہ کام کے دوران میں ذرا کم ہی بھٹکتا تھا۔ وائٹ ہاک کی تباہی کی مہم میں لی نے ہمارے ساتھ کافی وقت گزارا مگر چاؤ فان نے ایک بار بھی اس سے عشق جھاڑنے کی کوشش نہیں کی۔

گاڑی میں کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر چاؤ فان نے ہی وہ سکوت توڑنے میں پہل کرتے ہوئے پوچھا ''ماسٹر! تم نے سفر کی سمت کا تعین کر لیا' یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں ملے گا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ بنکاک کا ساحل بہت طویل اور کٹا پھٹا ہے۔ ہم ان چاروں کو کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔''

''وہ سمندر کی سیر کے لیے نہیں گیا۔ اسے لانچ کے ڈوبنے کی جگہ کے آس پاس موجود ہونا چاہیے۔ یہ کام مشکل ثابت نہیں ہوگا۔''

''پھر تو وہ وہیں ملے گا جہاں رک کر ہم نے بموں کے ریموٹ کنٹرول استعمال کیے تھے۔ پورے ساحل پر اسے اپنے مقصد کے لیے اس سے صاف اور بہتر جگہ نہیں ملے گی۔'' اس نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا۔

''ہتھیاروں کی کیا پوزیشن ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''جہاں ہاتھ ڈالو گے' کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔'' اس نے ایک موڑ کاٹتے ہوئے لہک کر جواب دیا ''میں اسے قاتل جیپ کہتا ہوں۔ پہلے اپنی سیٹ کے نیچے دیکھ لو۔ نقاب ڈیش بورڈ کے خانے میں ملیں گے۔'' اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈالتے ہی مجھے اس کے بیان کی صداقت کا یقین آ گیا۔ ایک ہلکی اور خود کار رائفل کا آہنی دستہ میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔

میری سیٹ کے نیچے اس رائفل کے ساتھ دو پستول اور فاضل میگزین کا ایک پیکٹ بھی موجود تھا۔ میں نے لمبی مسافت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے راستے میں ہی تینوں ہتھیاروں کا جائزہ لیا۔ رائفل کا میگزین پورا تھا۔ دونوں

Downloaded from https://paksociety.com

پستول خالی اور غالباً بالکل نئے تھے۔ میں نے پیکٹ پھاڑ کر ان دونوں پستولوں کو بھی تیار کرلیا۔

کچھ دیر بعد ہم اسی مقام کے نزدیک پہنچ گئے جہاں رک کر ہم نے وائٹ ہاک کی تباہی کا آغاز کیا تھا۔ تارکول کی لمبی اور سیاہ سڑک پر ہیڈ لیمپس کی روشنی میں دور دور تک کوئی گاڑی نظر نہیں آرہی تھی مگر جوں ہی ہماری جیپ ٹیلوں کی اوٹ سے آگے نکلی' مجھے داہنی طرف وہ سفید کار نظر آگئی جو سڑک سے اتار کر کچے میں پارک کی گئی تھی۔

''ماسٹر! گاڑی تو اسی کی معلوم ہورہی ہے' اب کیا ارادہ ہے؟'' چاؤفان نے جیپ کی رفتار کم کرتے ہوئے مضطربانہ لہجے میں پوچھا۔

چاؤفان کا تردد قابلِ فہم تھا۔ وہاں صرف سفید کار نہیں تھی۔ اس سے ٹیک لگائے ہوئے دو انسانی ہیولے بھی رات کی تاریکی میں نمایاں نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے کندھوں سے چھوٹی نال والی خودکار رائفلیں جھول رہی تھیں۔

''جیپ اسی طرف لے چلو!'' میں نے ان دونوں پر نظریں جما کر کہا۔ تاریکی میں ہیڈ لیمپس کا دور تک پھیلتا ہوا انعکاس ناکافی تھا۔ رائفلوں سمیت ان کے ہیولے نظر آرہے تھے مگر ان کے چہروں کو دیکھنا ممکن نہیں تھا ''یہ دونوں محافظ مقامی معلوم ہوتے ہیں' ان سے تم ہی کو نمٹنا ہوگا۔ میرے لیے ان کی بولی اجنبی ہوگی۔''

''ان کے قد کاٹھ پر نہ جاؤ۔'' چاؤفان نے جیپ سڑک سے اتارتے ہوئے جلدی سے کہا ''میں تم کو بتا چکا ہوں کہ وہ سارے کام مقامیوں سے لیتا ہے لیکن اپنی حفاظت کے معاملے میں ان پر بھروسا نہیں کرتا۔ اس کے سارے ذاتی گارڈز بھارتی ہوتے ہیں۔''

جیپ ناہموار زمین پر اچھلتی اور غراتی ہوئی بہ تدریج ان دونوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ میں نے ایک پستول سنبھال لیا تھا' چاؤفان بھی میری تقلید میں کسی ناگہانی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

ان کی سفید گاڑی سڑک سے کافی دور کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤفان نے جس رخ سے جیپ نیچے اتاری ادھر راستہ صاف نہیں تھا' درمیان میں کئی ٹیلے حائل تھے۔ اس وقت تک میں نقابوں کو بھولا ہوا تھا۔ تصادم کا مرحلہ ہر لمحے قریب سے قریب تر آرہا تھا۔ میں نے تیزی سے ڈیش بورڈ کا خانہ کھول کر اندر ہاتھ ڈالا اور ٹٹول کر مصنوعی ریشے کے لچک دار نرم کپڑے کے بنے ہوئے غلاف نما نقاب نکال لیے۔ وہ تعداد میں تین تھے۔ میں نے ایک پھرتی سے اپنے سر پر چڑھا کر گردن تک منڈھ لیا' دوسرا ڈیش بورڈ کے خانے میں واپس ڈالا اور تیسرا چاؤفان کی طرف بڑھا دیا۔

آنکھوں کے سوراخوں کو ان کی صحیح جگہ لانے کی کوشش میں مجھے کچھ دشواری ہوئی لیکن کپڑا لچک دار ہونے کی وجہ سے اس میں زیادہ دیر نہیں لگی' چاؤفان نے بھی جیسے تیسے اپنا نقاب چہرے پر پہن لیا۔ مجھے اپنے بارے میں اندازہ نہیں ہوسکا لیکن چاؤفان اس حلیے میں خاصا خوفناک نظر آنے لگا تھا۔

جونہی وہ دونوں ہمارے ہیڈ لیمپس کی روشنی کی زد میں آئے تو میں نے دیکھا کہ جیپ کے انجن کی آواز سن کر وہ پہلے سے چوکنا ہوگئے تھے اور انہوں نے اپنی رائفلیں شانے سے اتار کر سیدھی کرلی تھیں۔

ان میں سے ایک نے ہماری گاڑی دیکھتے ہی غرا کر کچھ کہا۔

وہ بس ایک لمحہ تھا۔ میں نے دیکھ لیا کہ چاؤفان کے اندازے کے مطابق ان دونوں کے خدوخال ان کے بھارتی نژاد ہونے کی چغلی کھا رہے تھے۔ دونوں ایک ایک ہاتھ اپنے چہرے کے سامنے لاکر ہماری جیپ کی تیز روشنی سے بچنے کی کوشش کررہے تھے جس نے عملاً انہیں اندھا کردیا تھا۔ ان کے دوسرے ہاتھوں میں ان کی رائفلیں دبی ہوتی تھیں۔

''ماسٹر! سالا تھائی بول رہا ہے' ہمیں رکنے اور بتیاں بجھانے کے لیے کہہ رہا ہے!'' اسی لمحے چاؤفان دھیمی آواز میں منمنایا۔

''جو کہہ رہے ہیں وہی کرو' میں نیچے جارہا ہوں۔'' میں نے تیزی سے کہا۔

چاؤفان نے کچی اور ناہموار زمین پر رینگتی ہوئی جیپ کو جونہی بریک لگائے' میں اپنی سمت کا دروازہ کھول کر بھربھری ریت پر کودا اور آہستگی سے دروازہ بند کرکے جیپ کے نیچے رینگ گیا۔

ہم لمبا فاصلہ طے کرکے وہاں تک پہنچے تھے' جیپ کا انجن بہ دستور چل رہا تھا' اس کے نچلے حصے سے آگ سی نکل رہی تھی۔ چاؤفان نے جیپ کے ہیڈ لیمپس بھی گل کردیے۔

میں نے اپنی کمین گاہ سے دیکھا کہ چار جوتے بہت تیزی سے جیپ کی طرف بڑھے پھر وہ دو دو کی جوڑیوں میں بٹ گئے۔ ان دونوں نے بہ یک وقت جیپ پر دونوں سمتوں سے چھاپا مارنے کا ارادہ کیا تھا۔

وہ صرف دو تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ راجن چوتھے آدمی کے ساتھ ساحل کی طرف گیا ہوا تھا۔ ہمارا اصل ہدف وہی تھا۔ اگر ان دونوں پر کوئی آتشیں ہتھیار استعمال کیا جاتا تو

Downloaded from https://paksociety.com

فائر کی آواز سنتے ہی راجن کو خطرے کا ادراک ہو جاتا۔ ہوشیار ہو جانے کے بعد اسے زیر کرنا بہت دشوار ہو جاتا۔

اس بارے میں مجھے چاؤ فان سے کوئی بات کرنے کا موقع نہیں ملا مگر مجھے توقع تھی کہ وہ نکتہ اس کے بھی پیشِ نظر ہوگا۔

بنکاک آنے کے بعد میں نے صرف ایک بار زہریلی انگوٹھی استعمال کی تھی۔ گولڈن ڈریگن نامی کیسینو میں زہریلی سوئی سے محافظ کی موت کو ڈان یا چاؤ فان نے کسی شبہے کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ میں انہیں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ میں اپنے شکار کو بے ہوش کر کے باتھ روم میں رکھے ہوئے ایک بڑے گملے پر ڈال کر آیا تھا جہاں وہ اپنی بدقسمتی سے کسی زہریلے کیڑے کے مہلک ڈنک کا نشانہ بن گیا۔ ڈان میرا حمایتی تھا' اس نے میری کہانی پر یقین کر لیا لیکن اس واردات پر سوبھراج کے کان کھڑے ہو گئے۔ اس نے سمجھ لیا کہ میں بنکاک پہنچ چکا تھا۔ اس نے یقینی طور پر راجن کو بھی بتا دیا ہوگا کہ میں پاکستان میں اپنے کئی حریفوں کو ایسے زہر سے شکار کر چکا تھا۔

میرے لیے پھر وہی امتحان درپیش تھا۔ راجن کے دو مسلح غنڈے ہماری جیپ کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔ ان سے کسی نرمی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان پر گولی چلانا راجن کو کھو دینے کے مترادف ہوتا۔ ان کے لیے صرف اور صرف زہریلی انگوٹھی موثر ثابت ہو سکتی تھی۔ جس کے سریع الاثر زہر کے اثرات ان میں سے کم از کم ایک کو پل بھر میں موت کی اندھی اور سرد وادیوں میں دھکیل سکتے تھے۔ ایک کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوسرے کے بارے میں کچھ سوچا جا سکتا تھا۔

زندگی اور موت' کامیابی اور ناکامی کے درمیان لمحہ بہ لمحہ فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا اور میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ میری پتلون کی داہنی جیب میں بیم گن بھی موجود تھی۔ وہ یاد آتے ہی مجھے اپنے ہاتھ میں دبا ہوا پستول پتھر کی طرح بھاری اور بے سود محسوس ہونے لگا۔ میرے پاس وقت بالکل نہیں رہا تھا۔ میں نے پستول نیچے زمین پر ڈالا اور جیپ کے نیچے اپنی ٹانگ پھیلا کر جیب میں سے بیم گن نکالی۔ اس سے پہلے میں اضطراری طور پر زہر فشاں نگینے والی انگوٹھی کا رخ اپنی ہتھیلی کی طرف گھما چکا تھا۔

چاؤ فان' آتشیں ہتھیاروں سے لیس تھا' میرے پاس دو بے آواز ہتھیار بالکل تیار تھے۔ جوں ہی میری طرف جوتے اور پتلون کے دو پائنچے نظر آئے' میں نے انگوٹھی والا ہاتھ بڑھا کر پتلون سرکائے بغیر' اس شخص کی ایک پنڈلی سخت گرفت میں لے لی۔

میرا شکار بہت شدت سے تڑپا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری گرفت سے اپنی پنڈلی چھڑانے میں کامیاب ہو جا۔ مگر وہ اس کا محض ابتدائی ردِعمل تھا۔ اپنی پنڈلی پر ایک دوستانہ گرفت محسوس کرتے ہی وہ بھڑکا تھا۔ اسی اثنا کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ سوئی کے ذریعے زہر اس کی پنڈ میں سرایت کر چکا تھا۔ اس کی جدوجہد اسی لمحے دم توڑ گئی۔

اس دوران میں چاؤ فان کی سمت میں تھا کی زبان مذاکرے کا آغاز ہو چکا تھا۔ دونوں تیز اور ترش لہجے میں رہے تھے۔ میں حیران تھا کہ راجن کے آدمی نے چاؤ کے چہرے پر نقاب دیکھتے ہی گولی کیوں نہیں ماری' وہ امید پر اس سے بات کر رہا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو' وہ میرے لیے مہلت تھی۔ میرا بس لمحہ بھر کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا رہا پھر اس کے گر ہوئے وجود کے جھٹکے سے اس کی پنڈلی میرے ہاتھ سے گئی۔

بھربھری ریت پر اس کے گرنے کی دھمک بہت زیا پُرشور نہیں تھی اور شاید جیپ کے چلتے ہوئے انجن کے ہموار میں دب گئی تھی کیونکہ اس دھمک پر انہیں سے کوئی ردِعمل سا نہیں آیا۔ میں نے اس کی پنڈلی ہاتھ سے نکلتے ہی ریت رینگ کر اپنی پوزیشن تبدیل کی اور دوسری سمت میں سر شروع کر دیا۔

آثار بتا رہے تھے کہ چاؤ فان اور اس کے حریف زبانی تصادم زیادہ دیر تک جاری نہیں رہ سکے گا۔ دونوں میں سے کسی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگا اور بات ہتھیاروں کے استعمال تک پہنچ جائے گی۔

یکا یک میں نے محسوس کیا کہ چاؤ فان نے جیپ گیئ میں ڈالی ہے۔ میری روح فنا ہو گئی۔ اس کی گاڑی کے پہیے روند کر مارے جانے کا تصور میرے لیے بہت اذیت ناک تھا۔

آہستگی سے جیپ نے آگے حرکت کی اور میں زمین لوٹ لگا کر دوسری طرف باہر نکل گیا۔ راجن کا آدمی جیپ ڈرائیونگ سیٹ پر اپنی رائفل تانے کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت میری ساری توجہ اسی شخص پر مرکوز تھی' چاؤ فان کی طرف دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ جیپ ذرا آگے نکل جاتی تو رائفل بردار اپنے دوسرے ساتھی کے انجام کا علم ہو جاتا اور ٹکراؤ شروع ہو جاتا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں اس کی پشت پر تھا کیونکہ وہ بڑھتی ہوئی جیپ کے ساتھ قدرے ترچھا ہو گیا تھا۔ میں نے زمین پر پڑے پڑے بیم گن سے اس کی پشت کا نشانہ لیا اور بائیں بازو کے قریب دل کے مقام پر گن فائر کر دی۔ طاقت ور اور مہلک لیزر شعاعوں کی بہت پتلی اور تیز چمکیلی دھار بیم گن کی نوزل سے نکل کر اس کے جسم سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں تیزی سے جلد اور گوشت جلنے کی چراند پھیل گئی۔ وہ کھڑے کھڑے لمحہ بھر کے لیے پتھر کی کسی مورت کی طرح ساکت ہوا اور پھر منہ کے بل دھب سے ریت پر گر گیا۔

چاؤ فان میں اپنی زندگی میں کسی کو اتنی آسانی سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ اپنی جیپ آگے ضرور لے جا رہا تھا لیکن اس کی توجہ اپنے حریف پر مرکوز تھی۔ دشمن کو ڈھیر ہوتا ہوا دیکھ کر اس نے جیپ کا انجن بند کیا اور رائفل تانے نیچے اتر آیا۔

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔

''ماسٹر! یہ کیا ہوا..... یہ کھڑے کھڑے کیسے مر گیا؟'' چاؤ فان نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔ دونوں شکاروں کے جہنم واصل ہوتے ہی میں نے بیم گن دوبارہ اپنی جیب میں اڑس لی تھی تاکہ چاؤ فان میرے اس نادر ہتھیار سے متعارف نہ ہو سکے۔

''دل کا دورہ پڑا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''گوشت جلنے کی بو آ رہی ہے۔'' اس نے اپنے نتھنے چڑھا کر دو تین گہرے سانس لینے کے بعد کہا۔

''تمہارا وہم ہے' مجھے کوئی بو نہیں آ رہی۔'' میں نے اسے جھٹلا دیا۔ وہ لحمانی بو تھی جسے سمندری ہواؤں کے ساتھ زائل ہو جانا تھا۔

''تمہارا نقاب کہاں گیا؟'' اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے میں نے سوال داغ دیا۔

''پائیدان میں پڑی ہوگی۔ میں نے آخری لمحے پر اسے نوچ کر اتار دیا۔ وہ میرے چہرے پر نقاب دیکھ لیتا تو مجھے گولی مارنے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کرتا۔'' وہ اس وقت بوکھلایا ہوا اور اعصاب زدہ نظر آ رہا تھا کیونکہ جیپ آگے بڑھ جانے کی وجہ سے زمین پر پڑا ہوا دوسرا شکار بھی اس کی نظروں میں آ گیا تھا۔

''اس سے پہلے تم نے اسے گولی کیوں نہیں ماردی؟'' میں نے پوچھا۔

''میں تذبذب میں تھا۔ فائر کی آواز سن کر چھوٹا راجن ہوشیار ہو جاتا۔ یہ دونوں تو اس کے طفیلی ہیں' ہمارا اصل ہدف وہی ہے۔'' اس نے وہی جواب دیا جو ابتدا سے میرے ذہن میں موجود تھا۔

''مگر ماسٹر! ان دونوں کو کیا ہوا..... یہ اتنی خاموشی سے کیسے مر گئے؟'' میرے سوال کا جواب دینے کے بعد بھی اس نے اپنی بات جاری رکھی۔

''یہ تو پوسٹ مارٹم سے ہی پتا چل سکے گا۔ ان دونوں کے ہتھیار سمیٹ کر اپنی جیپ میں ڈال لو۔ مفت کا یہ سامان کسی وقت تمہارے کام آئے گا۔'' میں نے اسے ٹال دیا۔

ان دونوں کے پاس لوڈ کی ہوئی رائفلوں کے سوا کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ رائفلوں پر قبضہ کرتے ہوئے' چاؤ فان نے دونوں لاشوں کو الٹ پلٹ کر کوئی زخم تلاش کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہی۔ اس نے میگزین نکال کر دونوں رائفلیں اپنی جیپ کے عقبی حصے میں ڈال دیں۔ اس نے ریت پر پڑا ہوا پستول بھی مالِ غنیمت کی طرح اٹھایا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا تو اس نے منہ بنا کر وہ

مودی صاحب کے گھر میں نئی ملازمہ آئی تو اس نے دیکھا، صاحب اوپر کی منزل پر ایک الگ تھلگ کمرے میں میز پر سر جھکائے بیٹھے یا کچھ لکھتے رہتے ہیں یا نہایت پرانی، بوسیدہ اور خستہ حال کتابوں کو جھاڑ پونچھ کر الٹ پلٹ کر دیکھتے رہتے ہیں۔ کئی روز تک ملازمہ اوپر نیچے آتے جاتے ان کے معمولات کا جائزہ لیتی رہی پھر ایک روز نجمہ مودی صاحبہ کے پاس جا کر بولی ''بیگم صاحبہ! آپ نے مجھے تیرہ سو روپے مہینہ پر ملازم رکھا تھا نا؟''

''ہاں بھئی..... اس سے زیادہ ہم نہیں دے سکتے۔'' نجمہ مودی نے جلدی سے کہا۔ انہیں اندیشہ محسوس ہوا تھا کہ ملازمہ ابھی سے تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ کرے گی۔

''میں زیادہ کی بات کب کر رہی ہوں بیگم صاحبہ!'' ملازمہ ترحم آمیز لہجے میں بولی ''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ جب تک صاحب کو کوئی نوکری نہیں مل جاتی، تب تک آپ مجھے تیرہ سو کے بجائے ہزار روپے مہینہ دے دیا کریں.....''

Downloaded from https://Paksociety

پستول میرے حوالے کر دیا۔

''اب وقت خراب مت کرو۔ چہرے پر نقاب پہن لو۔ ہمیں راجن کو تلاش کرنا ہے۔'' میں نے اسے ہراساں دیکھ کر نرمی سے کہا۔ میں مسلسل نقاب پہنے ہوئے تھا۔

''ماسٹر! یہ مذاق نہیں ہے' اس وقت مجھے تم سے واقعی خوف آ رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا بلا ہو۔ جب تک ان دونوں کی موت کا معما حل نہیں ہوگا' میں پک سوئی سے کوئی کام نہیں کر سکوں گا۔ اگر تمہارے پاس کوئی خفیہ ہتھیار ہے تو مجھے اس کے بارے میں بتا دو۔ میں کسی کو اس کی ہوا نہیں لگنے دوں گا۔ ڈان کو بھی نہیں بتاؤں گا۔'' الجھن کے آثار اس کے چہرے اور آنکھوں سے مترشح تھے۔

اپنا مطالبہ پیش کر کے اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں جیپ کے پائیدان سے نقاب اٹھا لیا اور جھاڑ کر اپنے چہرے پر چڑھا لیا۔

وہ اپنی جگہ پریشان تھا۔ اس کے سوالوں نے مجھے بھی پریشان کر دیا۔ میں نے اپنے دونوں خفیہ ہتھیار ناگزیر ضرورت کے تحت استعمال کیے تھے۔ میرا دوسرا شکار مجھ سے اتنے فاصلے پر تھا کہ میں اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا تو میرے رینگنے کی سرسراہٹ یا قدموں کی خفیف سی آہٹ سن کر وہ چونک جاتا۔ اس لق ودق ویرانے میں ساحل پر دم توڑتی ہوئی موجوں کے دھیمے اور یکساں شور کے سوا اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ میں اس کے قریب پہنچے بغیر اس کو انگوٹھی کے زہر سے شکار نہیں کر سکتا تھا اور اس تک پہنچنے میں یہ خطرہ مضمر تھا کہ وہ ہوشیار ہوتے ہی مجھے اپنی رائفل کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر اسے بیم کن سے شکار کیا تھا۔

چاؤ فان اس امر کا چشم دید گواہ تھا کہ وہاں ہم چاروں کے سوا کوئی پانچواں متنفس موجود نہیں تھا۔ دو مر چکے تھے' تیسرا وہ خود تھا۔ اسے دونوں حریفوں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ نتیجہ اخذ کرنا بہت آسان تھا کہ وہ دونوں میرے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

ان دونوں کی موت مختلف طریقوں سے واقع ہوئی تھی۔ وہ دونوں طریقے صرف میرے نام سے منسلک تھے۔ یہ بات امریکی کیمپ کے لوگ اچھی طرح جانتے تھے اور شاید راجن بھی اس راز سے واقف ہو چکا تھا۔

اس تصادم کا پہلا مرحلہ ہم نے آسانی سے جیت لیا تھا لیکن اس کے نتیجے میں مجھے اپنے سر پر مشکلات کا ایک پہاڑ آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ فوری طور پر مجھے چاؤ فان کو کوئی تسلی بخش جواب دینا تھا۔ اس سے کڑا مرحلہ اس وقت سامنے آتا جب ان دونوں لاشوں کی پوسٹ مارٹم کی رپورٹیں اخبارات میں شائع ہوتیں اور یہ بات مشتہر کی جاتی کہ ایسی اموات ڈینی نامی پاکستانی کی دہشت گردیوں کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔ اس تشہیر کے بعد ڈان کو مطمئن کرنا آسان نہ ہوتا۔

''پہلے ہمیں راجن کو دیکھ لینا چاہیے۔'' میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''اس نے یہاں سے واپسی کا ارادہ کر لیا تو ہم اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکیں گے۔ اس کا قصہ نمٹانے کے بعد میں تمہیں ہر بات سمجھا دوں گا۔''

وہ اپنے چہرے پر نقاب چڑھا چکا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ میرے جواب پر اس کا کیا ردِعمل تھا۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ آگے چل دیا۔

راجن کی سفید کار کے قریب رک کر ہم نے اس کا جائزہ لیا تو کار مقفل نہیں تھی۔ اس وقت کار کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کی تلاشی واپسی میں بھی لی جا سکتی تھی۔ کار کا سرسری جائزہ لے کر ہم نے دوبارہ پیش قدمی شروع کر دی۔ ہمارے اور ساحلی پٹی کے درمیان چند اونچے نیچے ٹیلے باقی رہ گئے تھے۔ جن پر چڑھنے اور اترنے کے دوران میں احتیاط ضروری تھی۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ ٹیلوں کی کس درمیانی گھاٹی میں راجن سے سامنا ہو جائے۔

ہم دونوں اپنی رائفلیں سیدھی کیے محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔

مجھے احساس تھا کہ راجن ہم سے بہت پہلے وہاں پہنچ گیا تھا۔ ساحل پر اس کے دیکھنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ اس کی پسندیدہ لانچ دھاکوں کے چند گھنٹوں بعد سمندر کی تہ میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ حسرت بھری نظروں سے صرف اس مقام کا مشاہدہ کر سکتا تھا جہاں وائٹ ہاک اپنی غرقابی سے پہلے لنگر انداز تھی۔ عین ممکن تھا کہ جن لمحات میں ہم اس کی تلاش میں ساحلی ویرانے کی طرف بڑھ رہے تھے' وہ اپنا دردناک مشاہدہ مکمل کر کے ساحل سے لوٹ رہا ہو۔ ایسی صورت میں اس سے راستے میں آمنا سامنا ہو سکتا تھا۔

ہمارے راستے میں حائل ٹیلوں نے ہمارا کام مشکل بنا دیا تھا۔ جب ہم لی کے ساتھ ٹائم بم چلانے کے لیے اس ساحل پر گئے تو چاؤ فان نے بہت ستھرا اور نسبتاً ہموار راستہ اختیار کیا تھا۔ جس پر رات کے آخری پہر میں بھی چلنا دشوار نہیں تھا۔ راجن اپنی لانچ پر آمد و رفت کے لیے کسی پُرتعیش گھاٹ سے چھوٹی موٹر بوٹس میں سفر کرتا رہا ہوگا۔ اس لیے وہ

Downloaded from https://paksociety.com

ان غیر روایتی راستوں سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اپنی آمد کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے اس نے کسی باقاعدہ گھاٹ کا رخ کرنے کے بجائے ویرانے کا رخ کیا اور گندے راستے پر آ گیا۔

ان ٹیلوں کی ریت زرخیز تھی۔ ان پر جا بجا سخت ڈنٹھلوں والی خودرو جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ہم رات کے اندھیرے میں ان رکاوٹوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھتے رہے۔ ہر بلندی پر پہنچنے کے بعد میں نیچے اترنے سے پہلے ذرا رک کر آگے کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے یہ خوف لاحق تھا کہ اگر ہم نشیب میں ہوئے اور راجن نے بلندی سے ہمیں دیکھ لیا تو ہمارے لیے اپنا بچاؤ دشوار ہو جائے گا۔

چلتے چلتے اچانک چاؤ فان نے اضطراری انداز میں زور سے میرا بازو دبایا اور میرے بڑھتے ہوئے قدم ریت میں گڑ کر رہ گئے۔

چاؤ فان اپنا نقاب میں چھپا ہوا سر اٹھا کر دہنی طرف سے کوئی آواز سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں بھی اس کی اس کوشش میں شامل ہو گیا لیکن میرے کانوں میں ہوا کی دھیمی سرسراہٹ اور لہروں کے دم توڑتے ہوئے شور کے سوا کوئی آواز نہیں آئی۔

''ماسٹر! میں نے کسی کے بولنے کی آواز سنی تھی۔'' چند ثانیوں کے گہرے سکوت کے بعد چاؤ فان نے پھنسی پھنسی آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی۔

میں نے سر ہلا کر اسے تسلی دی کہ میں اس کے شبہے کو نظر انداز کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ ہم دونوں اسی مقام پر جمے کھڑے رہے۔ کسی آواز کی تلاش میں دونوں ہمہ تن گوش بنے ہوئے تھے۔

اچانک تاریک فضا میں کسی ٹارچ کی تیز روشنی چمکی اور پھر معدوم ہو گئی۔ میری بے چین نظروں نے عقابی انداز اس روشنی کا پیچھا کیا اور مجھے چاؤ فان کے شبہے پر یقین آ گیا۔

وہاں ہر طرف ٹیلوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ دور تک پھیلے ہوئے اس سلسلے کے ایک حصے سے ہم آگے بڑھ رہے تھے اور ہم سے دہنی طرف راجن واپس آ رہا تھا۔ ٹیلوں کے نشیب و فراز کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ہم محتاط تھے اس لیے راجن کو ہماری موجودگی کی کوئی سن گن نہیں مل سکی تھی۔ وہ بے فکری سے واپس لوٹ رہا تھا اس لیے چاؤ فان نے اس کی یا اس کے ساتھی کی آواز سن لی تھی۔ وہ دونوں ٹارچ جلا کر اس کی روشنی میں راستہ طے کر رہے

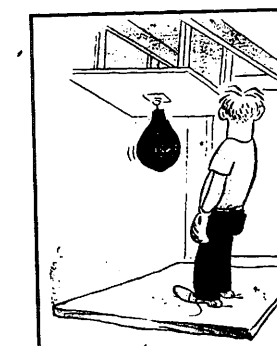

''لگتا ہے باس نے آج پھر ڈانٹ پلائی ہے، جو باکسنگ کے اس تھیلے پر پریکٹس کرنے لگے ہو؟''

تھے۔ شاید کسی گڑھے وغیرہ میں پیر پڑنے کی وجہ سے لمحے بھر کے لیے ٹارچ کا رخ بدل گیا اور مجھے اس کی روشنی تاریک فضا میں تیرتی ہوئی نظر آ گئی۔ میں نے روشنی غائب ہونے کا مقام دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ دونوں ہم سے چند سو گز دور، دہنی طرف سے آ رہے تھے اور ہم سے پیچھے تھے۔

ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ ہم اپنا رخ بدل کر ان کی طرف چل دیں اور انہیں راستے ہی میں گھیرنے کی کوشش کریں۔ وہ ٹارچ استعمال کر رہے تھے۔ اس کے سہارے ان تک پہنچنا آسان تھا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ان تک پہنچ کر ان پر پہلا برسٹ فائر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہمارا پہلا برسٹ ان دونوں کو چاٹ لیتا۔ ہماری رائفلوں کے میگزین زیادہ بھاری نہیں تھے، وہ ایک برسٹ میں خالی ہو جاتے۔ اگر وہ دونوں ہمارے پہلے وار سے بچ کر یا زخمی ہو کر تاریکی میں کہیں اپنا مورچا جما لیتے تو اندھیری رات، ٹیلوں اور خودرو جھاڑیوں سے گزر کر انہیں تلاش کرنا ناممکن ہو جاتا۔ ان دنوں راجن کا ستارہ گردش میں آیا ہوا تھا۔ وہ جم کر مقابلہ کرنے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتا اور اس میں کامیاب ہو جاتا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہاں سے بھاگنے کے لیے وہ اپنی سفید کار کا رخ کرتا۔ مقابلے کا آغاز ہوتے ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آ جاتی کہ اس کے نامعلوم دشمنوں نے اس کے دونوں آدمیوں کو زیر کرنے کے بعد اس کا رخ کیا ہوگا، ایسی صورت میں گاڑی کا لالچ اس کے لیے پھندا بن جائے گا۔ وہ گاڑی پر لعنت بھیج کر کسی بھی سمت میں بھاگتا اور ٹیکسی وغیرہ لے کر شہر کی طرف روانہ ہو جاتا۔ ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس سے بہتر اور متبادل حکمتِ عملی یہ تھی کہ ہم راستے میں اس سے کوئی تعرض نہ کریں۔ وہ ساحل سے چل پڑا تھا تو اسے اطمینان سے واپس آنے دیں اور خود اس کی گاڑی کے قریب گھات لگا کر بیٹھ جائیں۔ اس کی گاڑی ریت کے ٹیلوں سے دور، ہموار زمین پر موجود تھی۔ وہاں ان دونوں کے چھپنے یا فرار ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ رینج میں آتے ہی ہم انہیں اپنی باڑ پر لے کر بھون سکتے تھے۔

اس طریقۂ کار میں صرف دو خرابیاں تھیں۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی لاشیں اور چاؤ فان کی جیپ۔ ان دونوں میں کسی ایک پر نظر پڑتے ہی راجن کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنا شروع ہو جاتیں۔ ہماری کامیابی کے لیے اس کا غافل اور بے خبر رہنا ضروری تھا۔

میں نے کھڑے کھڑے چند لمحوں میں وہ ذہنی تجزیہ کیا اور پوری رفتار سے گاڑیوں کی طرف واپسی کا فیصلہ کرلیا۔ ہوا کا رخ ہماری طرف تھا۔ اس کے دوش پر ان دونوں کی آوازیں ہماری طرف سفر کرسکتی تھیں۔ ہماری کوئی آواز ان تک پہنچنے کا امکان نہیں تھا۔

''واپسی کی دوڑ لگاؤ!'' میں نے نیچی آواز میں چاؤ فان سے کہا اور گاڑیوں کی طرف لوٹنے لگا۔

اپنی محتاط روی کے باعث ہم گاڑیوں سے زیادہ دور نہیں گئے تھے پھر بھی ریتیلے ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے میں چاؤ فان ذرا سی دیر میں ہانپنے لگا۔

''ماسٹر! ذرا آہستہ چلو۔ اس رفتار سے میرا سینہ پھٹ جائے گا۔'' اس نے چڑھے ہوئے سانسوں کے درمیان رک رک کر فریاد کی۔ اس نے گھبرا کر اپنے چہرے سے نقاب اتار لی تھی۔

میں نے اس کی بات مان لی پھر بھی ہم بہت جلد گاڑیوں تک پہنچ گئے۔

''ایک ایک کرکے دونوں لاشیں میرے کندھے پر لدواؤ۔ انہیں راجن کی گاڑی میں ڈال دیں گے۔'' میں نے اس کی ابتر حالت دیکھتے ہوئے وہ ذمّے داری خود قبول کرلی۔

''وہ گاڑی دور ہے، انہیں جیپ میں ڈال دو نا!'' اس نے بے چارگی سے کہا۔

''دوسری لاش اٹھواتے ہی تم جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جاؤ۔'' میں نے تیزی سے کہا ''راجن کے آنے سے پہلے یہاں میدان صاف ہو جانا چاہیے ورنہ وہ دور سے اپنا راستہ بدل لے گا۔''

چاؤ فان بھی جنگ جُو تھا۔ ایک بات سے پورا منصوبہ اس کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تم تنہا ان کا مقابلہ کرو گے!''

''مقابلے کا امکان ذرا کم ہے۔ دعا کرو کہ اس کے ذہن میں کوئی شک وشبہ پیدا نہ ہو۔ نشانے پر آتے ہی میں ان دونوں کو مار لوں گا۔''

واقعات جس رفتار سے رونما ہو رہے تھے، میرا ذہن اسی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پہلی لاش اپنے کندھے سے راجن کی کار کی عقبی سیٹ پر ڈالتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اچھوتی تجویز جنم لے چکی تھی۔ وہ کار راجن کی تھی، مرنے والے دونوں آدمی بھی اسی کے نمک خوار تھے اور گاڑی کی ٹنکی میں وافر مقدار میں پیٹرول کا ہونا یقینی تھا۔ راجن اور اس کے ساتھی کا قصہ نمٹاتے ہی اگر میں اس گاڑی کو آگ لگا دیتا تو گاڑی کے ساتھ دونوں لاشیں بھی جل کر کوئلہ ہو جاتیں۔ لاشیں باقی نہ رہتیں تو ان کے پوسٹ مارٹم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پیٹرول کی ہولناک آگ ان دونوں کی موت کے اسباب کو بھی چاٹ جاتی اور میں ہر خطرے سے آزاد ہو جاتا۔

بم گن اور زہریلی انگوٹھی کے استعمال کے شواہد مٹ جانے کے بعد میں چاؤ فان کو کوئی بھی کہانی سنا کر مطمئن کرسکتا تھا۔ میری کہانی کی تردید کے لیے کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ ہوتا۔

چاؤ فان کو جیپ لے کر سڑک کی طرف نکل جانا تھا۔ اسے زندگی بھر یہ علم نہیں ہوسکتا تھا کہ راجن کی گاڑی کو میں نے آگ لگائی تھی۔

الجھے ہوئے حالات یکا یک ناقابلِ یقین حد تک سلجھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

میں اپنے کندھے پر دوسری لاش لاد کر راجن کی گاڑی کی طرف چلا اور چاؤ فان نے جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر انجن اسٹارٹ کرلیا۔

میں اپنے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر رہا تھا تو جیپ مڑ کر کافی دور جا چکی تھی۔

میں تھکن کے ہلکے سے احساس کے ساتھ راجن کی گاڑی سے ٹیک لگا کر ریت پر بیٹھ گیا۔ رائفل اپنی گود میں رکھ کر میں نے انتظار کی گھڑیاں گزارنے کے لیے سگریٹ سلگالی۔ میری نگاہیں اس سمت میں جمی ہوئی تھیں جدھر سے میرے دونوں شکاروں کی آمد متوقع تھی!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

آخری قسط

موت کے سوداگر

اقلیم علیم

ایک نوجوان کی خود نوشت اس نے منشیات کے عالمی اسمگلروں کے خلاف ذاتی طور پر محاذ کھولا اور وطن عزیز سے ان ملک دشمنوں کا صفایا کرنا اپنا ایمان بنالیا۔ شہر، شہر، ملک ملک، اور براعظم براعظم اپنے مشن کی تکمیل کے لئے خاک اڑاتا اس نوجوان کا شغل ہوگیا مگر موت کے سوداگر بھی تو اس کی جان کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایک جنگ جو ابھی جاری ہے۔

سسپنس کا تیسرا سلسلہ۔ آئیے نوجوان کو سرخرو کرنے والوں کی تصویریں

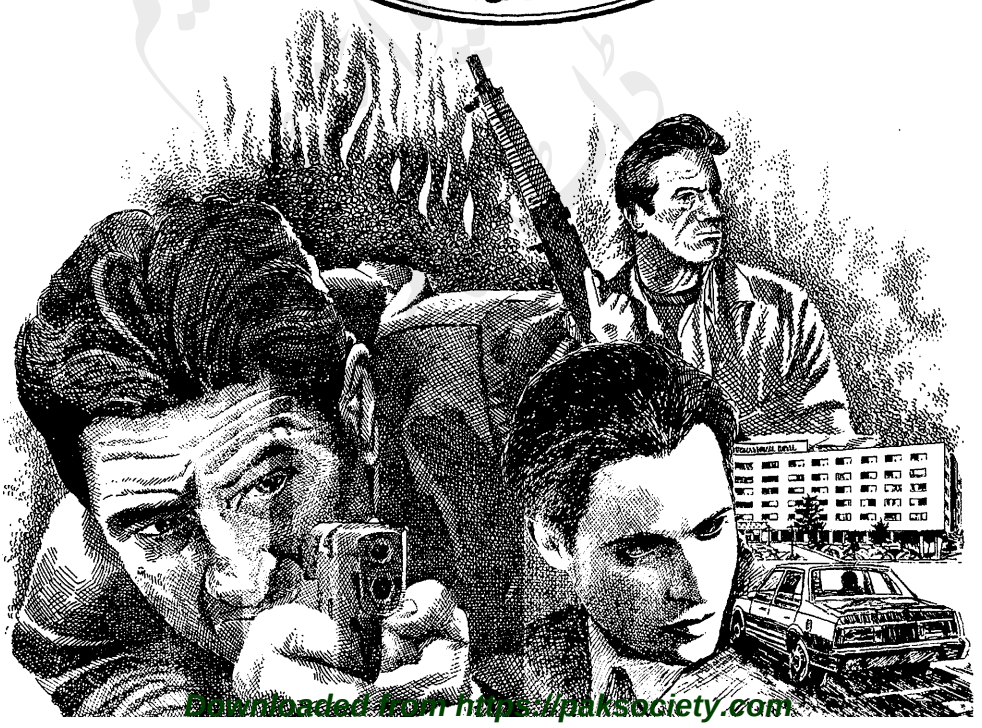

Downloaded from https://paksociety.com

میں نرم اور ٹھنڈی ریت پر راجن کی گاڑی سے ٹیک لگائے' سگریٹ پیتا اور سوچتا رہا مگر میری نظریں مسلسل اسی سمت میں مرکوز تھیں جہاں سے راجن اور اس کے ساتھی کے نمودار ہونے کی امید تھی۔

چاؤفان میری توقع کے برعکس اپنی جیپ لے کر بہت آسانی کے ساتھ وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس میں چاؤفان کی سعادت مندی سے زیادہ سچویشن کا دخل تھا۔ یہ بات اس کے ذہن میں آگئی کہ راجن کی گاڑی کے پاس اس کی جیپ موجود ہوئی تو دور ہی سے راجن کو کسی گڑبڑ کا اندازہ ہوجائے گا اور وہ بے پروائی سے اپنی گاڑی تک آنے کے بجائے دور رک کر صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگانے کی کوشش کرے گا۔ اس نے میری ہدایت مان لی۔

اس کے جانے کے بعد میں خود کو بہت زیادہ مطمئن اور آزاد محسوس کررہا تھا' جو کچھ کرنا تھا مجھے اپنے طور پر کرنا تھا' اس میں راجن کے بقیہ دو آدمیوں کی اچانک اور خاموش موت کی پردہ پوشی کا بندوبست بھی شامل تھا۔

راجن کا انجام مجھے سامنے نظر آرہا تھا۔ مجھے یقین ہوچلا تھا کہ طارق نے مجھے اس کی نقل و حرکت سے پروقت باخبر کرکے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

ذرا سی دیر کی بات تھی۔ وہ اپنی پُرشکوہ لانچ کے غرقاب ہونے کی جگہ کا مشاہدہ کرکے ساحل کی طرف سے اس ویرانے میں میری زد میں آتا اور میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں آن واحد میں اس کا سینہ چھلنی کردیتیں۔ دو سوختہ ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ ممبئی اور بنکاک کا وہ نامور بدمعاش وہاں بے گوروکفن پڑا رہ جاتا۔

راجن کی موت ڈان برنارڈ کی سب سے بڑی آرزو تھی۔ اس نے میری کارکردگی سے خوش ہوکر خیر سگالی کے اظہار کے طور پر میرا اور غزالہ کا پاسپورٹ لوٹانے پر آمادگی ظاہر کی تھی مگر یہ بھی واضح کردیا تھا کہ وہ میرے ہاتھوں راجن کو جہنم واصل ہوتا دیکھنا چاہتا تھا۔ ڈان نے وہ باتیں بہت نرم اور دوستانہ انداز میں کہی تھیں مگر مجھے بہ خوبی اندازہ تھا کہ راجن کو ہلاک کیے بغیر مجھے بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکل جانے کی اجازت نہیں مل سکے گی۔

راجن کی موت کا مرحلہ قریب آجانے پر مجھے ایک اور فکر ستانے لگی۔ میں بنکاک کی زیرزمین دنیا کے معاملات میں کافی زیادہ ملوث ہوگیا تھا۔ میری دلی خواہش تھی کہ مجھے موقع ملے اور میں وہاں سے کہیں اور روانہ ہوجاؤں۔ لیکن اس مرحلے پر میرا اور سلطان شاہ امریکا میں ایک گہری چوٹ کھانے کے بعد بنکاک آرہے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں ان کے آتے ہی وہاں سے کیسے روانہ ہوسکوں گا۔

وہ دونوں ریٹا الیف ہیریسن اور اکبر خان کے ناموں سے سفر کررہے تھے۔ ان کے پاسپورٹ وغیرہ جلال نے بنوائے تھے۔ ان کے بارے میں یہ سوچنا بھی محال تھا کہ وہ جعلی رہے ہوں گے۔ اگر وہ جعلی تھے تب بھی اصل سے اتنے قریب رہے ہوں گے کہ ان کو پکڑنا ناممکن ہوتا۔ میں نے غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ میں ان دونوں کی وجہ سے اپنی روانگی کا پروگرام التوا میں نہیں ڈالوں گا۔ راجن کا قصہ نمٹاتے ہی پہلی فرصت میں وہاں سے نکل جاؤں گا۔

ڈان اپنی دانست میں مجھے بہت زیادہ عزت اور اہمیت دے رہا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ میں بنکاک میں رکا رہا تو ڈان کی وہ عزت افزائی میرے گلے پڑ جائے گی۔ ڈان کے تیور بتا رہے تھے کہ بنکاک کے بدمعاشوں پر اپنی دھاک بٹھانے کے بعد وہ مجھے اپنے گروہ میں کوئی اہم ترین درجہ دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ میں ایک بار ان چکروں میں الجھ جاتا تو میرے وہاں سے نکلنے کے امکانات ایک لمبی مدت کے لیے معدوم ہوجاتے۔

رہا ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تو وہ دونوں بہ ظاہر سیاحت کے لیے بنکاک آرہے تھے۔ یہ نکتہ ویرا خود بیان کرچکی تھی کہ روزانہ ہزاروں سیاح بنکاک کا حسن دیکھنے اور برتنے کے لیے وہاں آتے ہیں۔ اس بھیڑ میں ان دونوں کی آمد کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کسی کی خون آشام مخبری کے بغیر ہمارے دشمنوں میں سے کسی کو اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ دونوں اچانک بنکاک پہنچ چکے ہیں۔

وہ اپنی مرضی سے وہاں رہتے اور دل بھر جانے کے بعد کسی نئی منزل کا رخ کرسکتے تھے۔ جب تک پاکستان میں امریکی اہلکاروں کی پیدا کی ہوئی معاندانہ فضا سازگار نہ ہوتی' ہم چاروں میں سے کوئی ادھر کا رخ کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تھا۔ اس وقت تک ہمیں ان ملکوں میں گھومتے رہنا تھا جن کے ویزا ہمارے پاس موجود تھے۔

میں تاریکی میں تنہا بیٹھا اسی ادھیڑبن میں مبتلا تھا۔ میری سگریٹ پوری ختم نہیں ہوئی تھی کہ اچانک ریت کے ٹیلوں کے درمیان کسی ٹارچ کی روشنی حرکت کرتی ہوئی نظر آئی اور میں نے آدھ جلی سگریٹ ریت میں مسل کر بجھادی۔

راجن کی چھوڑی ہوئی گاڑی سفید تھی' میں اپنے قدموں پر کھڑا ہوتا تو اس کے پس منظر میں دور سے میرا ہیولا دیکھا جاسکتا تھا۔ میں ریت پر بیٹھے ہی بیٹھے اس گاڑی کے عقب

Downloaded from https://paksociety.com

میں چلا گیا۔ وہ گاڑی مجھے نہ صرف راجن کی نگاہوں سے بچا سکتی تھی بلکہ براہِ راست تصادم کی صورت میں مجھے بہترین آہنی ڈھال بھی مہیا کرسکتی تھی۔

گاڑی کی اوٹ میں اپنی پوزیشن بنا کر میں نے اپنی نظریں دوبارہ اس روشنی پر جمادیں جو ریتیلے ٹیلوں کے درمیان لمحہ بہ لمحہ واضح ہوتی جارہی تھی۔

روشنی کا رخ میری طرف تھا' آنے والے اس کے پیچھے چل رہے تھے' میں فوری طور پر انہیں دیکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکا کئی ثانیوں تک اسی سمت میں نگاہیں مرکوز رکھنے کے بعد آخر کار میں یہ اندازہ لگانے میں کامیاب ہوگیا کہ آنے والے تعداد میں دو تھے۔

ان کو دو ہی ہونا چاہیے تھا' میں نے آخری مرتبہ اپنی رائفل چیک کرکے یہ یقین کرلیا کہ وہ ایک ایک گولی اگلنے کے بجائے برسٹ فائر کرنے کی پوزیشن میں تھی۔

میں اس تاریک ویرانے میں نشانہ لے کر ایک ایک گولی چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے ان دونوں کو ایک بلکہ پہلے وار میں مار گرانا تھا۔ میرا وہ وار کارگر نہ رہتا تو وہ تاریکی میں کہیں بھی گم ہوجاتے۔ وہ مجھے اپنا نشانہ بنالیتے یا پھر میں اندھیرے میں انہیں ڈھونڈ تا رہ جاتا۔ دونوں صورتوں میں مجھے اپنے ارادوں میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا' اس وقت میں کسی بھی طرح وہ خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

طارق نے مجھے راجن کی نقل وحرکت کی بروقت خبر دے کر ایک سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ طارق کی اپنی کچھ مجبوریاں تھیں۔ وہ اس سے زیادہ میرا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ اسے جو کچھ کرنا تھا وہ کرگزرا تھا۔ اس سے آگے میری عمل داری شروع ہوجاتی تھی۔

میری نظریں ٹارچ کی روشنی کے پیچھے حرکت کرنے والے دونوں ہیولوں پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کرلی اور راجن کی گاڑی کی اوٹ میں اس طرح دبک گیا کہ میں ان دونوں کو دیکھتا رہوں' وہ اچانک مجھے دیکھنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ اگر ٹارچ کی روشنی فریب آجاتی تو میں آسانی سے پیچھے سرک کر محفوظ تر پوزیشن میں جاسکتا تھا۔

وہ روشنی ایک اونچے ٹیلے سے ڈھلان کا سفر کررہی تھی۔ غالباً وہ ان کے راستے میں حائل ہونے والا آخری ٹیلا تھا کیونکہ ٹارچ کی روشنی سیدھی نیچے تک آرہی تھی۔

پھر میرے کانوں میں وقفے وقفے سے ان کی اضطراری آوازیں آنے لگیں۔ اندھیرے میں اس کچے اور ناہموار راستے پر پیدل چلنا آسان کام نہیں تھا۔ میں ہوا کے دوش پر تیرنے والی ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ الفاظ اور مفہوم میرے پلّے نہیں پڑرہے تھے۔

میرے لیے انتظار کی وہ گھڑیاں صبر آزما تھیں۔ رفتہ رفتہ ان کی آوازیں واضح ہوگئیں۔ وہ ٹیلے سے اتر کر نسبتاً مسطح میدان میں اتر آئے تھے۔

''یہ راجو سالا کہاں مرگیا!'' اس بار میں نے ایک ایک لفظ صاف سنا۔ وہ تکلمانہ آواز یقینی طور پر راجن کی تھی۔

''باس! یہیں کہیں ہوگا..... ہوسکتا ہے کہ کہیں پیشاب کرنے چلا گیا ہو۔'' دوسری آواز بھی خاصی کرخت تھی لیکن اس وقت سہمی ہوئی اور مدافعانہ محسوس ہوئی۔

''چارلی بھی غائب ہے۔'' ایک غلیظ گالی کے بعد راجن نے طیش سے کہا'' کیا دونوں سالوں کو ایک ساتھ پیشاب خطا ہونے کی بیماری لگی ہے!''

دوسرا کچھ نہ بولا۔ چلتے چلتے وہ دونوں اچانک رک گئے۔ میرے دل کی دھڑکنیں یک بہ یک تیز ہوگئیں اور اعصاب پر تناؤ طاری ہونے لگا۔ میرے لیے وہ کچھ اچھا شگون نہیں تھا کہ پیش قدمی کے اس مرحلے پر راجن کو اپنے دونوں آدمی یاد آگئے تھے۔

راجن عقل سے کورا نہیں تھا۔ کار کے پاس اپنے کسی آدمی کو موجود نہ پاکر اس کے کان کھڑے ہوگئے تھے۔ پھر یکا یک فضا راجن کی اونچی آواز سے گونج اٹھی' اس نے راجو کو پکارا تھا۔

راجو اور چارلی اپنے آقا کو جواب دہی کے جھمیلے سے یکسر آزاد ہوکر اپنی گاڑی میں اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ راجن کو اپنی آواز کی بازگشت کے سوا اس ویرانے میں کوئی جواب نہیں مل سکا۔

''کچھ گڑبڑ ہے۔'' راجن کی تشویش زدہ آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

یکا یک ٹارچ بجھا دی گئی۔ ہر طرف گھور اندھیرا پھیل گیا لیکن میری آنکھیں تاریکی میں ان دونوں کے تاریک تر ہیولوں کو بہ خوبی دیکھ رہی تھیں۔

میں نے فاصلے کا اندازہ لگایا۔ شاید میری رائفل سے نکلنے والی گولیاں ان تک پہنچ جاتیں لیکن ان کا زور ٹوٹ جاتا۔ میں اس وقت فائر کرکے انہیں کوئی کاری زخم نہیں لگا سکتا تھا۔

''نورا تو جاکر دیکھ کہ وہ دونوں کہاں مرے ہوئے ہیں۔'' راجن کی بات جاری تھی'' تو سگنل دے گا تو میں آگے

Downloaded from https://paksociety.com

بڑھوں گا۔ آنکھیں بند کر کے آگے بڑھنا ٹھیک نہیں ہے۔''

''باس!'' نورا کی کپکپاتی ہوئی آواز ابھری ''گاڑی کی اوٹ میں کوئی موجود ہوا تو مجھے بھون ڈالے گا۔ یہیں رک کر تھوڑی دیر دیکھتے ہیں کہ.....''

راجن نے بات کاٹ کر اسے گالی دی اور کہا ''ابے جاتا ہے یا میں تجھے بھون ڈالوں..... تیرے ہاتھ میں بھی گن ہے پھر تیری ماں کیوں مر رہی ہے؟''

''مم..... میں جاتا ہوں۔'' نورا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

میں منتظر رہا لیکن کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ دونوں اسی جگہ جمے ہوئے کھڑے تھے۔ راجن نے زبان سے اسے آگے بڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن اشارے سے شاید روک لیا تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو چکر دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

یکا یک ان ہیولوں کے قریب شعلے چمکے۔ ٹھک ٹھک کی دبی دبی آوازوں کے ساتھ دو گولیاں ادھر سے تیرتی ہوئی آئیں اور گاڑی کے اوپر سے گزر گئیں۔

میرے ذہن میں روشنی کا ایک کوندا سا لپکا۔ راجن نے یقینی طور پر بڑے بور کے سائلنسر لگے ہوئے پستول سے وہ دو فائر کیے تھے۔ اگر اس کے پستول سے نکلی ہوئی گولیاں میری کمین گاہ کے اوپر سے گزر سکتی تھیں تو میری رائفل سے نکلی ہوئی گولیاں ان دونوں کو ادھیڑ سکتی تھیں۔ مجھے یہ یقین تھا کہ میری رائفل ہر پستول سے زیادہ طاقتور تھی۔ فاصلے کے بارے میں میرا اندازہ درست نہیں تھا۔ راجن نے فائرنگ میں پہل کر کے میری وہ مشکل آسان کر دی تھی۔

پھر رات کے گہرے سناٹے میں راجن نے راجو اور چارلی کو نام لے کر پوری آواز سے پکارا اور ان دونوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کی اشتعال میں ڈوبی ہوئی آوازوں کی بازگشت دور تک پھیل رہی تھی۔

اس نے اپنے رویے سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اپنے دونوں گمشدہ آدمیوں میں سے کسی کی طرف سے اطمینان بخش جواب ملے بغیر مزید ایک قدم بھی آگے نہیں آئے گا۔ اس نے دو بے آواز فائر کر کے اپنی دانست میں اپنے چھپے ہوئے حریف کو کسی جوابی کارروائی پر اکسانے کی کوشش کی تھی تاکہ اسے تاریکی میں مضمر خطرات کا صحیح ادراک ہو سکے۔

وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھنے پر آمادہ نہیں تھا' میں دوڑ کر اس کی طرف جانے اور اسے دبوچنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کی نال کا رخ درست کیا' ریت پر اکڑوں بیٹھ کر اپنی دہنی کہنی کو ران کا سہارا دیا اور پھر نال کو دائیں سے بائیں طرف جنبش دیتے ہوئے ایک برسٹ فائر کر دیا۔ تڑاتڑ کی ہولناک آوازوں کے ساتھ متعدد گولیاں اس طرف تیر گئیں۔

فضا میں ایک دبی دبی اور اذیت ناک چیخ گونجی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ چیخ راجن کی تھی۔ میری چلائی ہوئی کسی گولی نے اس کے جسم کا کوئی حصہ چاٹ لیا تھا۔ مجھے مایوسی ہوئی کہ اس کا نورانی ساتھی میری فائرنگ سے بچ گیا تھا کیونکہ فضا میں دوسری چیخ نہیں سنائی دی تھی۔

میں نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے دیکھا لیکن مجھے ان دونوں کے ہیولے کہیں نظر نہیں آئے۔ میں نے دوبارہ ہلکا سا برسٹ مارا۔ وہ اندھیرے میں چلایا ہوا تیر تھا جو ضائع ہو گیا۔ میں نے رائفل تان کر اس طرف دوڑ لگا دی جہاں آخری بار وہ دونوں کھڑے ہوئے نظر آئے تھے۔

دوڑتے ہوئے میں نے رائفل کا کھٹکا سرکا کر اسے برسٹ سے سنگل فائر پر منتقل کر دیا۔ میں اپنے اندازے کے مطابق ان کی چھوڑی ہوئی پوزیشن کے قریب پہنچا تو مجھے تاروں کی چھاؤں میں وہاں ریت پر ایک انسانی وجود بے حس و حرکت پڑا ہوا نظر آیا۔

میں نے بے خوفی سے اس کی آستینیں پکڑ کر سیدھا کیا اور میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ میری گولی اس کے بھیجے کو اڑاتی ہوئی پار نکل گئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنے دہانے سے کوئی آواز نکالے بغیر آناً فاناً میں مر گیا تھا۔ مجھے صدمہ ہوا کہ وہ آدھی کھوپڑی والا' بگڑا ہوا چہرہ راجن کا نہیں تھا۔ اس کا رنگ راجن کے مقابلے میں بہت صاف تھا۔

طارق کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق راجن اپنے تین آدمیوں کے ساتھ ان اطراف میں آیا تھا اور وہ تینوں ہی ذرا سی دیر میں میرے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ یہ راجن کے مقدر کی یاوری تھی کہ وہ بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔

میرے لیے اطمینان کی ایک ہی بات تھی کہ پہلا برسٹ فائر کرتے ہی میں نے واضح طور پر راجن کی چیخ سنی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ زخمی ہو چکا تھا۔

میں نے مرنے والے کی لاش کے قریب زیادہ وقت برباد نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر آگے دوڑ لگا دی۔

میرے لیے یہ خیال سنسنی خیز تھا کہ تیسرے ساتھی کی خاموش موت کے بعد راجن نہ صرف اکیلا رہ گیا تھا بلکہ زخمی

Downloaded from https://paksociety.com

بھی ہو چکا تھا۔ میں اپنے اس خطرناک حریف کو نیست و نابود کر دینے کے جوش میں کافی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اس دوران میں میں نے اسے خوف زدہ کرنے کے لیے چند اندھا دھند فائر بھی کیے جن کا کوئی ردِعمل سامنے نہیں آسکا۔

اندھیرے میں جہاں تک میری نظر کام کر رہی تھی، ہر چیز ساکن نظر آرہی تھی، میرے سوا وہاں نقل و حرکت کے کوئی آثار نہیں تھے۔ مجھے احساس ہوا کہ میں بے مقصد بھاگ دوڑ میں لگا ہوا تھا۔ ہموار ریتیلے میدان میں کسی متنفس کا وجود نہیں تھا۔ راجن کے لیے بہترین راہ یہ تھی کہ وہ دوبارہ ٹیلوں میں گھس جاتا اور اس نے شاید ایسا ہی کیا تھا۔

مجھے اس کی طرف سے یہ خطرہ نہیں تھا کہ وہ لمبا چکر کاٹ کر اپنی گاڑی تک پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ وہ مر کر بھی یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ اس کا مقابلہ صرف مجھ سے تھا۔ اس کے ذہن پر خوف سوار ہوگا کہ دشمن کے ایک دو آدمی اس کی کار کے پاس اندھیرے میں گھات لگائے بیٹھے ہوں گے، وہ ادھر کا رخ کرے گا اور مارا جائے گا۔

اچانک ٹیلوں کی طرف سے ایک بے آواز گولی میری طرف آئی اور قریب سے گزر گئی۔ ٹریگر کی ٹھک کی آواز گہرے سناٹے میں بہت نمایاں تھی۔ فضا میں میری طرف تیرتا ہوا شعلہ اس سے زیادہ نمایاں تھا، میرے اندازے کی تصدیق ہوگئی کہ راجن کسی ٹیلے پر چڑھ گیا تھا۔

میں نے اپنی رائفل کا رخ اس کی کمین گاہ کی طرف گھمایا اور دو گولیاں داغ دیں۔ وہ صرف اس کے فائر کا جواب تھا، مجھے کسی نتیجے کی توقع نہیں تھی۔ وہ بلندی پر تھا۔ اگر وہاں ذرا بھی اجالا ہوتا تو اس کے لیے مجھے مار گرانا بہت آسان ہوتا۔ میرے لیے اسے اپنی زد پر لینا تقریباً ناممکن تھا۔

''ڈینی! میں تجھے فنا کر دوں گا۔'' بلندی سے راجن کی غصیلی آواز گونجی۔ صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ بھاگتے رہنے کی وجہ سے اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

''کالے شیطان! ہمت ہے تو میدان میں آکر مقابلہ کر!'' میں نے ہوشیار رہ کر اسے للکارا۔

وہ گالیاں ایجاد کرنے اور بکنے میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ اس کے دہانے سے بلند آواز میں مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اسی کے ساتھ اس نے پھر ایک فائر کیا۔ اس بار اس کی چلائی ہوئی گولی مجھ سے بہت دور تھی۔

میں خاموشی سے اس کے اگلے وار کا انتظار کرتا رہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ جب وہ وقفہ بہت طویل ہوگیا تو میں نے مضطرب ہو کر اسے للکارا اور اندازے سے بلندی کی طرف ایک فائر کر دیا۔

جواب میں کچھ بھی نہیں ہوا۔ مزید کچھ انتظار کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ وہ مجھے چکما دے کر خاموشی سے کسی طرف نکل گیا تھا۔ ریت کے ساحلی ٹیلوں کے درمیان صحیح سمت میں پیش قدمی کر کے وہ بندرگاہ کے اس علاقے میں پہنچ سکتا تھا جہاں سے اسے شہر کے لیے کوئی نہ کوئی سواری مل جاتی۔ اپنی جان بچانے کے لیے اس نے اپنے تینوں ساتھیوں اور گاڑی کو فراموش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

راجن کی وہ حکمت عملی میرے لیے قابلِ فہم تھی۔ میں اس کی جگہ ہوتا تو خود بھی کوئی مہلک خطرہ مول لینے کے بجائے پسپائی کی راہ اختیار کرتا۔

میں بوجھل قدموں سے راجن کی گاڑی کی طرف چل دیا جو اس تاریکی میں بھی خاصی واضح نظر آرہی تھی۔

واپسی میں، میں نے راجن کے تیسرے ساتھی کی لاش کو نظر انداز کر دیا۔ وہ گولی سے بھیجا اڑ جانے کی وجہ سے مرا تھا۔ اس سے مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

راجن کی گاڑی بدستور لاوارث حالت میں کھڑی ہوئی تھی۔ چاؤ فان سڑک پر اپنی جیپ لیے سخت اضطراب سے گزر رہا ہوگا۔ میں نے گاڑی پر ایک نظر ڈالی اور قدرے پیچھے ہٹ کر اس کی پیٹرول کی ٹنکی کے مقام پر فائر کر دیا۔

فائر کے دھماکے کے ساتھ بھق کی زوردار گونج پیدا ہوئی اور گاڑی سے ہولناک شعلوں کا ایک لہراتا ہوا مینار فضا میں بلند ہوگیا۔ وہ منظر بس ایک لمحے کے لیے نظر آیا پھر کار کے نیچے ہر طرف آگ ہی آگ پھیلتی چلی گئی۔

میں نے رائفل کندھے سے لٹکائی اور آسودہ انداز میں ایک طرف چل دیا۔

یکایک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ دوسری طرف چاؤ فان تھا۔

''ماسٹر.....! کیا ہو رہا ہے..... یہ آگ کہاں لگی ہے..... تم خیریت سے تو ہو نا؟'' اس نے مضطربانہ لہجے میں ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

اس کی فکرمندی سے میں دل ہی دل میں محظوظ ہوا پھر کہا ''یہ آگ میرے دل میں لگی ہے، راجن مجھے تگنی دے کر ٹیلوں میں نکل گیا۔ اس کی ایک بھٹکی ہوئی گولی نے گاڑی کی پیٹرول کی ٹنکی میں آگ لگا دی ہے، میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ لاشوں کو کیسے باہر نکالوں!''

''ماسٹر! ایسا غضب نہ کرنا، تم بھی جل جاؤ گے۔'' میرا

Downloaded from http://paksociety.com

آخری فقرہ سن کر وہ بوکھلا گیا۔ ''میری مانو تو تم بھی وہاں سے نکلنے کی کوشش کرو۔ میں ادھر آ رہا ہوں۔''

میں نے کوئی جواب دیے بغیر فون بند کر دیا۔

راجن کی پوری گاڑی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ شعلوں کے ساتھ فضا میں کثیف دھوئیں کا بادل بھی امڈ رہا تھا۔ وہ تاریک ویرانہ دور تک روشنی میں نہا گیا تھا لیکن راجن کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے اس الاؤ سے دور ہوتا رہا۔

ذرا سی دیر میں چاؤ فان کی جیپ ناہموار راستے پر اچھلتی کودتی ہوئی آ گئی۔ جیپ رکتے ہی میں دروازہ کھول کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور چاؤ فان نے جیپ تیزی سے واپس گھمالی۔

''یہ آگ دور تک دیکھی جائے گی۔'' چاؤ فان بڑبڑایا ''ذرا سی دیر میں پولیس اور آگ بجھانے والی گاڑیاں یہاں پہنچ جائیں گی۔''

''ان کے آنے تک کچھ بھی نہیں بچے گا۔'' میں نے مایوسی سے جواب دیا ''پیٹرول کی آگ بہت موذی ہوتی ہے لاشوں سمیت ہر چیز جل کر راکھ ہو جائے گی۔''

''جلنے دو..... سب کچھ جل جانے دو ہمارا کیا بگڑے گا۔'' چاؤ فان اضطراری لہجے میں بولا ''یہ ملبہ راجن کی ایک اور شکست کی گواہی دے گا۔ ایک کار اور دو جلی ہوئی لاشیں اسے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑیں گی۔''

''دو نہیں، تین لاشیں!'' میں نے اس کی تصحیح کی۔ ''راجن کا تیسرا ساتھی میری رائفل کا نشانہ بن گیا۔ اس کی لاش آگے پڑی ہوئی ہے۔''

''میں نے ایک چیخ سنی تھی!'' چاؤ فان نے جلدی سے لقمہ دیا۔ میں نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ وہ بھی خاموشی سے مرا تھا' فضا میں گونجنے والی چیخ راجن کی تھی۔

''مجھے صرف تمہاری رائفل کا فائر سنائی دے رہا تھا۔'' چاؤ فان کی بات جاری رہی ''کیا وہ بے آواز ہتھیار استعمال کر رہے تھے؟''

''شاید راجن کے پاس سائلنسر لگا ہوا پستول تھا۔ اس کے آدمی کے کندھے پر پڑی ہوئی رائفل پر مجھے سائلنسر نظر نہیں آیا۔'' میں نے بتایا۔

''یہ برا ہوا کہ وہ بچ کر نکل گیا۔'' چاؤ فان متاسفانہ لہجے میں بولا ''اس کے تینوں ساتھی نکل جاتے اور وہ مارا جاتا تو مزہ آ جاتا۔''

''سب کچھ ہماری مرضی کے مطابق ہونے لگے تو ہر طرف آفت آ جائے' یہ قدرت اور اس کی غیبی قوتیں ہیں جو ہر کام اور شے میں توازن برقرار رکھتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ابھی راجن کے مقدر میں اور زیادہ ذلت لکھی ہوئی ہو۔''

''ماسٹر! کبھی کبھی تم فلسفہ بولنے لگتے ہو۔ وہ اپنی مادام بھی ایسی ہی ہے۔ ہنستے بولتے ہوئے اچانک ایسی باتیں شروع کر دیتی ہے جو میرے سر پر سے گزرنے لگتی ہیں۔''

''تم انکسار سے کام لے رہے ہو۔ میرا اندازہ ہے کہ عام باتیں کبھی تمہارے سر پر سے گزر جاتی ہیں۔'' میں نے شگفتہ انداز میں کہا۔

وہ مہم بیٹھے بٹھائے سامنے آئی تھی۔ طارق مجھے یہ خبر نہ دیتا کہ راجن موتی محل سے باہر نکلا ہے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ دوسری راتوں کی طرح وہ رات بھی گزر جاتی' میں چاؤ فان کے ساتھ نکلا اور ہم نے بہت آسانی کے ساتھ راجن کے تین آدمی مار لیے۔ وہ یقینی طور پر اس کے بہت اہم اور قریبی ساتھی رہے ہوں گے۔ ان کی عبرتناک ہلاکت کے ساتھ میں نے راجن کو بھی زخمی کر دیا تھا' چند گھنٹوں کی جدوجہد کے وہ نتائج بہت حوصلہ افزا تھے۔ میں ذہنی طور پر خود کو بشاش اور ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

''تم کبھی کبھی میرے ساتھ زیادتی کر جاتے ہو۔'' اس نے پژمردہ لہجے میں شکایت کی ''میں اتنا کند ذہن نہیں ہوں۔ اہم مواقع پر تمہارے ہر اشارے کو سمجھ لیتا ہوں۔''

اسی وقت سڑک کے اگلے موڑ سے جلتی بجھتی ہوئی تیز روشنیوں اور سائرن کی خوف آور آواز کے ساتھ آگ بجھانے والی دو گاڑیاں مڑ کر ہماری طرف آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے پیچھے پولیس والوں کی دو گاڑیاں بھی تھیں۔

درمیانی فاصلہ تیزی سے کم ہوتا چلا گیا پھر وہ چاروں گاڑیاں بہت تیزی کے ساتھ ہمارے قریب سے گزر کر اس سمت میں چلی گئیں جہاں راجن کی گاڑی جل رہی تھی۔ روح کو لرزا دینے والے اس شور شرابے کی وجہ سے میں چاؤ فان کے شکوے کا جواب دینے سے بچ گیا۔

''حیرت ہے کہ پولیس والوں نے ہماری طرف دھیان نہیں دیا۔'' میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

''ان کی گاڑیاں دیکھ کر میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ آگ سڑک سے کافی دور بھڑک رہی ہے۔ ہم سڑک پر تھے۔ انہیں یہ خیال نہیں آیا ہوگا کہ ہم ادھر سے آ رہے ہیں۔'' چاؤ فان نے خود ہی ان کی عدم توجہی کی تاویل پیش کر دی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر میرے ذہن میں ایک پھانس سی چبھ کر رہ گئی۔ مجھے بنکاک کی پولیس کا تجربہ نہیں تھا۔ ہم جائے واردات کی طرف سے آرہے تھے' اس آتش زنی سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوتا تب بھی اصولی طور پر ہمیں وہاں رک کر آتش زدگی کا شکار ہونے والوں کی مدد کرنی چاہیے تھی۔ ہم لاتعلقانہ انداز میں وہاں سے گزرے اور پولیس والوں نے ہمارے اس غیر معمولی رویے پر کوئی توجہ نہیں دی۔ ہمیں یکسر نظر انداز کر کے آگے نکلتے چلے گئے۔

مجھے شبہ ہو رہا تھا کہ وہ غیر ارادی طور پر اس غفلت کے مرتکب ہوئے تھے۔ دور سے پیٹرول کی خوفناک آگ دیکھ کر ان کے افسر کے سر پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ وہ فائر انجنوں کے ساتھ جلد از جلد جائے واردات پر پہنچ جائے۔ اس بدحواسی میں اس نے ہماری گاڑی پر دھیان نہیں دیا۔

شعلوں میں گھری ہوئی سفید کار کے پاس پہنچ کر جب اسے اندازہ ہوتا کہ وہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا تو عین ممکن تھا کہ اسے چاؤ فان کی گزرتی ہوئی جیپ یاد آجاتی اور وہ ہماری تلاش میں وہاں سے واپس دوڑ لگا دیتا۔

''یہاں سے شہر جانے کے کتنے راستے ہیں؟'' میں نے پرسکون انداز میں چاؤ فان سے پوچھا۔

''ماسٹر! میں چھوٹے اور سیدھے راستے سے یہاں آیا تھا' دوسرا راستہ لمبا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے جواب دیا'' تم کو یہ خیال کیوں آگیا؟''

''گاڑی اسی لمبے راستے پر لے لو!'' میں نے اسے ہدایت دی۔

''کیوں؟'' اس نے چونک کر سوال کیا۔

''تمہاری جیپ میں مزہ آرہا ہے' گھومتے پھرتے ہوئے ہوٹل چلیں گے۔'' میں نے اسے اپنے اندیشوں سے آگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

وہ خوش ہوگیا'' میں چوری کے مال پر دل کھول کر رقم صرف کرتا ہوں۔ رنگ اور نمبر پلیٹوں کو بدلوانا مجبوری کا سودا تھا۔ میں نے اس کے پورے سسٹم پشتن پر کام کرایا ہے' گڑھوں میں بھی بے تکے جھٹکے نہیں لگتے۔''

چند ثانیوں بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا کہ چاؤ فان نے جیپ نئے راستے پر ڈال دی تھی۔

''ماسٹر! ایک بات میرے ذہن میں بچھو کے زہریلے ڈنک کی طرح چبھ رہی ہے۔'' کچھ دیر تک خاموشی سے جیپ چلاتے رہنے کے بعد چاؤ فان نے گمبھیر لہجے میں سکون توڑتے ہوئے کہا'' گولڈن ڈریگن میں تم سے ٹکرانے والا گارڈ خاموشی سے کتے کی موت مرا اور تم نے کسی سانپ وانپ کی کہانی سنائی تو میں نے تمہاری بات پر یقین کرلیا مگر آج میں سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کیا بات ہے کہ تمہارے سامنے آنے والا ہر دشمن کھڑے کھڑے اچانک خاموشی سے مرجاتا ہے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی بے آواز موت نے مجھے پریشان کیا ہوا ہے۔''

''چاؤ فان' میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں' پہلا گارڈ کیسے مرا' یہ مجھے نہیں معلوم اس وقت وہ میرے نہیں' تمہارے سامنے تھا۔ میں تو جیپ کے نیچے دبکا ہوا اپنی خیر منا رہا تھا۔'' میں نے اس سے زیادہ سنجیدگی اختیار کرلی'' ہوسکتا ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہو اور دہشت سے مرگیا ہو۔ دوسرے کے بارے میں میرا اپکا اندازہ ہے کہ اسے اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ گرتے ہی مرگیا یا شاید مر کر گرگیا۔ تم نے خود دیکھا ہوگا کہ میں نے اسے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ میں اس سے کافی دور زمین پر پڑا ہوا تھا۔

''ماسٹر! مجھ سے قسم لے لو جو میں نے ان دونوں کے ساتھ کچھ کیا ہو' میں اسے تمہاری کارستانی سمجھ رہا ہوں' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چند سیکنڈ کے وقفے سے ان دونوں کے ہارٹ فیل ہوگئے ہوں۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

اس کے مدافعانہ انداز سے مجھے یکا یک ایک نیا حربہ سوجھ گیا اور میں نے جارحانہ لہجہ اختیار کرلیا'' تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ مگر مجھے یقین ہے کہ ان کے ہارٹ فیل نہیں ہوئے تو تم نے اپنے کسی خفیہ ہتھیار سے انہیں مارا ہے۔ تم مجھے بتاؤ یا نہ بتاؤ' پوری تفصیل سننے کے بعد ڈان ہر قیمت پر تم سے سچ اگلوا لے گا۔''

اس نے گھبرا کر گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا'' ماسٹر! تم کیسی باتیں کر رہے ہو..... میں نے انہیں مارا ہوتا تو مجھے تم کو کریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم نے انہیں مارا ہے' تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو.....''

وہ دھوئیں میں آتا ہوا نظر آرہا تھا میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے غرا کر کہا'' یہ الزام ہے؟ میں تمہاری جگہ ہوتا تو خاموشی سے اپنا کارنامہ تسلیم کرلیتا۔ وہاں صرف دو آدمی تھے۔ میں اور تم..... اگر ہم دونوں نے انہیں نہیں مارا تو پھر شاید آسمان سے فرشتے ہماری مدد کرنے کے لیے آئے ہوں گے یا نادیدہ بدروحوں نے انہیں موت کے گھاٹ اتارا ہوگا!''

Downloaded from https://paksociety.com

''تم بلاوجہ خفا ہو رہے ہو۔ ان دونوں کا مرجانا ہمارے لیے فائدہ مند تھا۔ وہ نہ مرتے تو ہم دونوں مارے جاتے۔ میرا سوال تو بس اتنا سا تھا کہ وہ دونوں پراسرار انداز میں کیسے مر گئے؟''

''میرا خیال ہے کہ ہمیں آپس میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ یہ معمّا ڈان خود حل کر لے گا۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اور تم ڈان سے یہ کہو گے کہ میں نے انہیں کسی خفیہ ہتھیار سے مارا ہے!'' اس نے تقریباً رو دینے والے انداز میں مجھ سے تصدیق چاہی۔

''میں نے جو محسوس کیا ہے وہی کہوں گا۔ اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ تم اپنی رائے پیش کر دینا۔ وہ دبنگ اور منہ پھٹ آدمی ہے۔ ذرا سی دیر میں سچ جان لے گا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم مجھے مروا دو گے۔'' وہ دہرے قتل کی گتھی سلجھانے کے بجائے اپنے بچاؤ کی فکر میں مبتلا ہو گیا ''تمہارے سامنے وہ میری کوئی بات نہیں سنے گا۔ تم میری جامہ تلاشی لے لو میرے پاس کوئی خفیہ ہتھیار نہیں ہے۔ وہ میرا خفیہ ہتھیار مانگے گا تو میں اسے کیا جواب دوں گا..... تمہیں معلوم ہے کہ میں اس کا ادب کرتا ہوں۔ وہ میری چمڑی گرا دے گا۔''

''اگر تم نے ان دونوں کو مارنے کے بعد اپنا خفیہ ہتھیار وہیں کہیں پھینک دیا ہے تو ڈان کو سچ بتا دینا' وہ تم کو کچھ نہیں کہے گا۔'' میں نے مکارانہ ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

''تم وہی ایک بات کہے جا رہے ہو۔'' وہ زچ ہو کر بولا ''تم میری بات مان کیوں نہیں لیتے کہ میں نے انہیں نہیں مارا!''

''اور یہی بات میں بھی تم سے کہہ رہا ہوں' ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہ کارنامہ یقیناً فرشتوں نے سرانجام دیا ہوگا۔'' میں نے طنز سے کہا ''ڈان کو علم ہونا چاہیے کہ اب فرشتے بھی اس کی مدد کے لیے آنے لگے ہیں!''

''ماسٹر! تم یہ تو مانو گے کہ ان دونوں کی موت حیرت ناک تھی۔ اب ہم دونوں یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کیسے مرے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر شکست خوردہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''ڈان کو یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ آسیبی انداز میں اچانک مر گئے۔ کہہ دیں گے کہ ایک کو تم نے مارا' دوسرے کو میں نے ڈھیر کر دیا' بات وہیں ختم ہو جائے گی تیسرا تو خیر تمہارا ہی شکار تھا۔''

''نہیں چاؤ فان!'' میں ڈان کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر لاشوں کے پوسٹ مارٹم میں کوئی نئی بات سامنے آ گئی تو میں ہمیشہ کے لیے ڈان کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے اپنی عزت اور ساکھ بہت عزیز ہے' میں اسے داؤ پر نہیں لگا سکتا۔''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ جھنجلا کر بولا ''پوسٹ مارٹم لاشوں کا ہوتا ہے۔ تم نے ان دونوں کو چھوٹا راجن کی گاڑی میں ڈال دیا تھا' گاڑی کو بری طرح آگ لگی ہوئی ہے' فائر انجن بھی ان لاشوں کو کوئلہ بننے سے نہیں بچا سکیں گے۔ کوئلہ بنی ہوئی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کون کرے گا۔ ان کی کہانی ہمیشہ کے لیے دفن ہو چکی ہے۔''

درحقیقت ابتدا سے میرا وہی منصوبہ تھا کہ دونوں لاشوں کو جلا کر رکھ کر دیا جائے مگر میں نے اس بارے میں چاؤ فان سے ایک لفظ نہیں کہا۔ یہ میری حکمت عملی کی کامیابی تھی کہ میری سوچی ہوئی باتیں وہ دہرا رہا تھا۔

میں نے تذبذب کی اداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم نے طے کر لیا ہے کہ ڈان سے جھوٹ بولا جائے!''

''میرے پاس اس کے سوا کیا چارہ ہے؟ تمہیں معلوم ہے کہ میں شروع سے ان دونوں کی حیران کن موت کے مسئلے پر پریشان تھا' میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے ان پر اپنا کوئی کرتب دکھایا ہے' معاملہ نمٹے گا تو تم خود مجھے ہر بات بتا دو گے۔ تم کو یاد ہوگا کہ میں نے تم سے سوال کیا تھا۔ تم نے دل کے دورے کا امکان ظاہر کر کے بات ٹال دی۔ تم نے خود کہا تھا کہ چھوٹا راجن کا قصہ نمٹانے کے بعد مجھے ہر بات سمجھا دو گے لیکن اب تم نے آنکھیں بدل کر ساری ذمے داری میرے سر پر ڈال دی ہے۔'' اس نے پریشان لہجے میں ایک لمبی وضاحت پیش کرنی شروع کر دی ''اگر تم واقعی مجھ پر شبہ کر رہے ہو تو میں بے بس ہوں۔ آج کل تمہارے ستارے عروج پر ہیں ڈان تمہاری بات مان لے گا۔''

''تمہاری باتیں قابلِ فہم ہیں۔'' میں نے مصالحانہ انداز میں کہا ''اس وقت میری ساری توجہ دشمنوں پر مرکوز تھی' وہ مر گئے تو مجھے خوشی ہوئی۔ مجھے اس بات سے غرض نہیں تھی کہ وہ کیسے مرے اس وقت میں ان کی موت کے اسباب دریافت کرنے میں الجھ جاتا تو ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ اگر ہم دونوں کے ہاتھ صاف ہیں تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ دونوں ان اطراف میں پائی جانے والی کسی زہریلی خودرو جھاڑی کے کانٹے یا کسی خوفناک کیڑے مکوڑے کا نشانہ بن گئے۔ اب ان کی لاشیں جل کر کوئلہ بن

Downloaded from https://paksociety.com

چکی ہوں گی۔ میں تمہارے اس خیال سے متفق ہوں کہ ان کی موت کے اسباب کا تعین کرنا ناممکن ہو چکا ہے۔ تم چاہتے ہو تو میں ایک قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لوں گا۔''

''چاہو تو تم زہریلی جھاڑیوں والا نظریہ پیش کر کے ڈان کے سامنے دروغ گوئی سے بچ سکتے ہو۔'' اسے فوری طور پر متبادل مشورہ سوجھ گیا ''میں نے جھوٹ بولنے کا مشورہ مجبور ہو کر دیا تھا۔ تم مجھ پر شبہ کر رہے تھے اور پھر خفیہ ہتھیار..... خدا کی پناہ..... وہ میں کہاں سے پیدا کرتا۔''

میں نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا ''ڈان عملی دنیا کا آدمی ہے اس کے سامنے ہم نے کوئی نظریہ پیش کیا تو وہ بال کی کھال نکالے گا ہم نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مگر ہم اسے یہ یقین نہیں دلا سکیں گے کہ وہ دونوں اپنی بدنصیبی کا نشانہ بن گئے۔ یہی کہنا ٹھیک رہے گا کہ ہم دونوں نے ایک ایک حریف کا کام تمام کر دیا۔

''مجھے ایک عمر گزر گئی مگر میں ابھی تک ڈان کو سمجھ رہا ہوں۔'' وہ حسرت زدہ آواز میں بولا ''تم نے مختصر سی مدت میں اس کے مزاج کو پالیا۔ وہ دو اور دو چار والا آدمی ہے۔ اس سے سیدھی اور دوٹوک باتیں ہی مناسب رہیں گی۔''

میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں چاؤ فان کے ساتھ محض ہلکی سی بدمزگی کے بعد اس سنگین معاملے کو مفاہمانہ انداز میں نمٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ گفتگو کے دوران میں اس نے میرے سامنے اپنے دل کا غبار نکال لیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ میری طرف سے اس کے دل میں کینہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

ویسے بھی وہ ڈان کے سامنے جھوٹ بولنے کے بعد خود بھی میرا شریک بن جاتا۔ دور دور تک یہ امکان نظر نہیں آ رہا تھا کہ وہ بعد میں ڈان کو سچ بتا کر اس کے قہر کا نشانہ بننے کا خطرہ مول لینے کی جرات کر سکے گا۔

بیم گن اور زہریلے نگینوں والی انگوٹھیاں میری پہچان کی واضح ترین نشانیاں تھیں۔ یہ میری خوش نصیبی تھی کہ اس موقع پر اپنے ان دونوں ہتھیاروں کو استعمال کرنے کے باوجود میں ہر نشانی مٹانے اور چاؤ فان کو چکما دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

تیسرا آدمی میری رائفل کی گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش پولیس کے ہاتھ لگتی تو اس سے میرا کوئی راز افشا نہیں ہو سکتا تھا۔ جلنے والی ایک لاش کے ڈھانچے میں پائے جانے والے بیم گن کے سوراخ کو بھی رائفل وغیرہ کی گولی کا کارنامہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا جاتا۔

میرے اور راجن کے درمیان ہونے والے مکالمے سے اسے یہ علم ہو چکا تھا کہ اس کا ٹکراؤ مجھ سے ہوا تھا لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ پولیس کو میرے نام سے آگاہ کرے گا۔ غالب امکان یہی تھا کہ وہ اپنی کہیں اور موجودگی کے عذر کے ساتھ یہ بتائے گا کہ اس کے تین آدمی اچانک غائب ہو گئے۔ وہ کب اور کہاں گئے۔ اس بارے میں وہ اپنی مکمل بے خبری ظاہر کرے گا۔

یہ بڑے مجرموں کا خاص وطیرہ ہوتا ہے کہ کسی تصادم میں سرخ رو ہوتے ہیں تو سینہ ٹھونک کر اپنی مردانگی کے دعوے کرتے ہیں، ہزیمت اٹھانا پڑے تو کوشش کرتے ہیں کہ مقابلے میں اپنی موجودگی کا ذکر سرے سے حذف کر دیں۔

''چاؤ فان! تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟'' کچھ دیر کے گہرے سکوت کے بعد میں نے اسے چھیڑا، میرے دل میں چور تھا اس لیے میں باتیں کر کے اسے ٹٹولنا چاہ رہا تھا کہ اس کے دل میں میری طرف سے کوئی کدورت تو نہیں تھی۔

''ماسٹر! آج ہم نے ایک بڑی لڑائی جیتی ہے مگر قلق اس بات کا ہے کہ چھوٹا راجن بچ کر نکل گیا۔'' اس کی مغموم آواز ابھری۔

''وہ بہت ذلت کے ساتھ بھاگا ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''اس کی گاڑی جل کر تباہ ہو گئی، وہ خود زخمی ہے۔ ذرا تصور کرو کہ وہ موتی محل سے اپنی گاڑی میں تین محافظوں کے ساتھ نکلا تھا۔ اب زخمی حالت میں ٹک ٹک یا ٹیکسی کے ذریعے زخمی حالت میں وہاں واپس لوٹے گا تو اپنے ملازموں کے سامنے بھی نظریں نہیں اٹھا سکے گا۔''

''اوہ.....! تو تم نے اسے زخمی بھی کر ڈالا!'' چاؤ فان نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''تم نے فائرنگ کے ساتھ جو چیخ سنی وہ راجن ہی کی تھی۔'' میں نے اسے بتایا۔

''مم..... مگر میں تو اسے مرنے والے تیسرے آدمی کی چیخ سمجھا تھا۔ تم نے بھی میری غلط فہمی دور نہیں کی۔''

''مائی ڈارلنگ! آج خاموشیوں کی رات ہے۔ ان دونوں کی طرح تیسرا بھی کوئی آواز نکالے بغیر مر گیا۔''

''اوہ! تو کیا تم ان دونوں کے اتنے قریب پہنچ گئے تھے؟''

''قریب پہنچ جاتا تو آج راجن نکلنے نہ پاتا۔ میری رائفل کی گولی نے اس کا بھیجا اڑا دیا۔ میں نے اس کی لاش دیکھی تھی، اس کا آدھے سے زیادہ سر غائب تھا۔''

''خاموش موتوں کی ہیٹ ٹرک ہو گئی۔ چھوٹا راجن کو

Downloaded from https://paksociety.com

کہاں زخم آیا؟''

''میں نے برسٹ فائر کیا تھا۔ اس کا ساتھی مارا گیا اور وہ زخمی ہوکر چیخ اٹھا۔ زخم کہیں بھی آیا ہو، یہ بات طے ہے کہ وہ بھاگنے کے قابل تھا۔'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم حیران کردینے والی صلاحیتوں کے مالک ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''یہ ماننا پڑتا ہے کہ تم دشمن کے خلاف میدان میں اترتے ہو تو کچھ نادیدہ قوتیں خاموشی سے تمہارا ساتھ دیتی رہتی ہیں۔''

''کہیں تمہارا ذہن جنوں اور بھوتوں کی طرف تو نہیں بھٹک رہا!'' میں نے اس کا مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

''جو نظر نہ آئیں وہ وہی ہوسکتے ہیں۔'' اس نے شکست خوردہ لہجے میں جواب دیا ''ایک آدھ آدمی کی بات ہوتی تو اسے اتفاق سمجھ کر درگزر کیا جاسکتا تھا۔ آج رات تم نے تین چیتے جاگتے انسان مارے ہیں اور تینوں نہایت خاموشی سے مرگئے۔ اسے کوئی باؤلا آدمی بھی اتفاق قرار نہیں دے گا۔ اس کے پیچھے یقیناً کچھ اور قوتیں کارفرما ہیں۔''

''تم نے پھر تین آدمیوں کو مارنے کا الزام میرے سر پر تھوپ دیا!'' میں نے تادیبی لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے طے کرچکا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک کو میں نے اور دوسرے کو تم نے مارا تھا۔ تیسرا میرا شکار تھا۔''

''ماسٹر! تم کو تمہارے خدا کی قسم ہے، مجھے ابھی اور اس وقت واٹ فرا کیو لے چلو'' وہ یکا یک مچل گیا ''وہاں زمرد میں ترشی ہوئی بدھا کی مورتی ہمارے لیے سب سے مقدس ارضی شے ہے۔ میں اس کے سامنے قسم کھا سکتا ہوں کہ آج میں نے کسی کو نہیں مارا۔ تم نے مجھے ایسا چکر دیا ہے کہ میں ڈان کی جرح سے بچنے کے لیے ایک کا خون اپنے سر لینے پر آمادہ ہوگیا ہوں۔ وہ ڈان کے سامنے سنائی جانے والی کہانی ہوگی۔ ہمیں آپس میں کھل کر بات کرنے کی آزادی ہے۔ مجھ سے میری یہ آزادی نہ چھینو۔''

''تم گڑے مردے اکھاڑ رہے ہو، طے شدہ بات کو چھیڑو گے تو بحث لمبی ہوجائے گی۔'' میں نے خفگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''میں بار بار کہہ رہا ہوں کہ میں نے بھی ان دونوں کو ہاتھ نہیں لگایا مگر میری بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔''

''ماسٹر! میں یہی بات کہہ رہا تھا، تم نے میرے الفاظ پکڑ لیے۔'' وہ ملتجیانہ انداز میں بے بسی سے بولا ''انہیں میں نے نہیں مارا، تم نے نہیں مارا، نادیدہ قوتوں نے مارا ہے۔ وہ تمہارا ساتھ دیتی ہیں۔ اس لیے ان دونوں کی موت کا سبب تم ہو۔''

''چلو، تمہارا دل رکھنے کے لیے میں یہ بات مان لیتا ہوں۔'' میرا لہجہ نیم دلانہ تھا۔ ''اب دوبارہ ان مرے ہوئے مردودوں کا ذکر نہ نکالنا۔ انہیں بالکل بھول جاؤ۔''

''بھول جاؤں!'' وہ استہزائی انداز میں ہنسا ''شاید میں سب کچھ بھول جاؤں مگر مرتے دم تک ان دونوں کو نہیں بھول سکوں گا۔ میں نے سیکڑوں آدمیوں کو مرتے دیکھا ہے، دسیوں کو اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتارا ہے، ان میں سے کوئی یوں چپکے سے نہیں مرا جیسے وہ مرگئے ہیں۔ ہم نے ان کی لاشیں گاڑی میں نہ ڈالی ہوتیں تو وہ جلنے سے بچ جاتیں اور ان کے پوسٹ مارٹم سے کچھ نہ کچھ پتا چل جاتا، اب ایسا کوئی امکان نہیں رہا۔''

''اب یہ کہہ دو کہ میں نے جان بوجھ کر دونوں لاشیں... راجن کی گاڑی میں ڈالیں اور پھر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کار کو آگ لگا دی۔'' میں نے اس کی بات پوری ہوتے ہی ترشی سے کہا ''میں نے سارے ثبوت مٹانے کا بندوبست کردیا!''

حقیقت وہی تھی جو میں نے بیان کی لیکن میرا پیترا کچھ ایسا تھا کہ چاؤ فان بری طرح کھسیائے ہوئے انداز میں بولا ''ماسٹر! تم ہر بات کو اس کی انتہا تک لے جاتے ہو۔ میرا دماغ خراب ہوا ہے جو میں تم پر ایسا بے سروپا الزام لگاؤں۔ سب کچھ ضرورت کے تحت کیا گیا تھا۔ چھوٹا راجن کو پھانسنے کے لیے میدان صاف کرنا ضروری تھا۔ اس وقت ہم دونوں میں سے کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ گاڑی کو آگ لگ جائے گی۔''

''بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اپنی آنکھ سے ہوتا ہوا دیکھنے کے باوجود ان کی صداقت پر یقین نہیں آتا۔'' میں نے قدرے توقف کے بعد ناصحانہ لہجے میں کہنا شروع کیا ''آج کی رات ہم نے جو کچھ دیکھا وہ شاید اسی زمرے میں آتا ہے۔ ان کی موت کو حکم خداوندی سمجھ کر بھولنے کی کوشش کرو۔ ان کا مسئلہ تمہارے سر پر مسلط رہا تو تم ڈان کے سامنے گھبرا کر کوئی الٹی سیدھی بات کہہ بیٹھو گے۔ وہ کائیاں آدمی ہے، ڈانٹ ڈپٹ کرتم سے سب اگلوالے گا اور تمہاری وجہ سے میں اس کے سامنے جھوٹا پڑ جاؤں گا۔''

''میں تو اس بارے میں ڈان سے بات ہی نہیں کروں گا۔'' اس نے دوٹوک انداز میں پسپائی اختیار کرتے ہوئے کہا ''تمہارے آنے کے بعد سے وہ مجھ سے زیادہ بات نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

کرتا۔تم خود اسے یہ قصہ سنا دینا۔ میں تمہارا کہا ہوا ایک ایک لفظ غور سے سنوں گا۔ ڈان نے مجھ سے کچھ پوچھا تو میں تمہاری کہانی کی تائید کروں گا۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔''ہم ڈان کے وفادار ہیں، اسے دغا نہیں دے رہے۔ اس کی نظروں میں ہماری عزت اور ساکھ کا برقرار رہنا ضروری ہے۔''

''تم نے ڈان کو رام کرلیا ہے۔ تمہاری ساکھ پر آنچ نہیں آسکتی۔ مجھے اپنی فکر تھی، اب وہ بھی دور ہوگئی۔ ہم یک زبان رہے تو ڈان کو اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہوگی کہ وہ دونوں کیسے مرے..... ویسے میں حیران ہوں کہ تمہیں راجن کے باہر نکلنے کی صحیح خبر کہاں سے مل گئی!''

بے اختیار میرا دل چاہا کہ ایک زوردار مکا مار کر چاؤ فان کی کھوپڑی پچکا دوں جس میں وہ پریشان کن سوالات جنم لے رہے تھے۔ وہ واقعی ایک اہم سوال تھا۔ میں فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس نے جان بوجھ کر میری دکھتی رگ پر ہاتھ ڈالا تھا یا وہ سوال معصومانہ انداز میں اس کے ذہن میں ابھرا تھا۔

سبب کچھ بھی رہا ہو۔ وہ سوال سامنے آ ہی گیا تھا تو اس کا مسکت جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے اضطراری اشتعال پر قابو پاتے ہوئے بے پروایانہ انداز میں کہا''تم ڈان کی صحبت میں رہ کر مراق کے مرض میں مبتلا ہوگئے ہو۔ پہلے یہ فکر تھی کہ مجھے راجن کی گاڑی کی لوپ پوری میں موجودگی کا کیسے علم ہوا، اب یہ غم ستا رہا ہے کہ موتی محل سے راجن کے نکلنے کی خبر مجھے کیسے مل گئی۔ تم میرے اس دلیر ساتھی کو بار بار بھول جاتے ہو جو میرے ساتھ ڈان سے مل چکا ہے۔ وہ اپنے وطن لوٹنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اس نے موتی محل کی طرف سے گزرتے ہوئے راجن کی گاڑی کو سڑک پر آتے دیکھا اور ذرا سی دیر میں یہ اندازہ لگا لیا کہ وہ ساحل کی طرف جائے گا۔ اس نے مجھے اطلاع دی اور میں نے تم سے رابطہ کرلیا۔ اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے؟''

''لیکن وہ کہیں نظر نہیں آیا؟'' چاؤ فان نے سادگی سے کہا۔

''وہ ملازمت پیشہ آدمی ہے۔ میں اسے ان جھگڑوں میں الجھانا نہیں چاہتا۔'' میں نے اپنے لب و لہجے پر قابو رکھتے ہوئے جواب دیا''راجن کے سفر کی سمت کا اندازہ ہوجانے کے بعد میں نے اسے وہیں سے واپس لوٹ جانے کی ہدایت دے دی تھی۔''

''ماسٹر! میں بار بار یہ کہتا ہوں اور تم بار بار یہ بات ثابت کرتے رہے ہو کہ تم کمال کے آدمی ہو اور تمہارا ساتھ دینے والے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ کیا یہ بات حیران کن نہیں ہے کہ میں اور میرے آدمی یہاں کے مقامی ہوتے ہوئے بھی اہم واقعات سے بے خبر رہتے ہیں، تم کو ہر بات کی بروقت خبر مل جاتی ہے۔'' اس کا لہجہ واقعی تحیر زدہ تھا۔

''یہ سامنے کی بات ہے۔'' میں نے بے رخی سے کہا''اسے سمجھنے کے لیے زیادہ عقل کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے سر پر پیٹ پونگ کی لڑکیاں اور لی جیسی بازاری عورتیں سوار رہتی ہیں، میرا آدمی ان خرافات سے دور بھاگتا ہے۔''

''ہائے ماسٹر! یہ کیا کہہ دیا تم نے!'' اس نے اپنے سینے پر بایاں ہاتھ مار کے بے تابانہ انداز میں کہا''وہ بازاری ہوتی تو تمہارا یہ خادم اسے دس بار خرید چکا ہوتا۔ تم سے بے مول دوستی کرنیوالی میرے لیے ایک کڑا امتحان بنی ہوئی ہے۔''

''تمہیں ایسی گھٹیا باتیں کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔'' میں نے ملامت آمیز لہجے میں بے رخی سے کہا۔

''ماسٹر! یہ زندگی کی بنیادی حقیقتیں ہیں!'' اس نے حسرت سے ایک گہرا سانس لے کر کہا''ہر مرد ان سے دوچار رہتا ہے۔ بیش تر گھٹیے ہوتے ہیں۔ اپنے من کی بات کبھی زبان پر نہیں لاتے، موقع مل جائے تو خلوت میں اپنا شرافت کا خول اتار کر وحشی بن جاتے ہیں۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ میں تمہیں اپنا سمجھ کر تم سے اپنے دل کی ہر بات بے دھڑک کہہ ڈالتا ہوں۔''

''ایسے مواقع پر تم مجھے غیر سمجھ لیا کرو تو میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔'' اس کا جواب سن کر میرا لہجہ تلخ ہوگیا''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی اپنائیت کبھی کبھی میرے لیے سوہان روح بن کر رہ جاتی ہے۔''

''ایسا نہیں ہوسکتا۔'' اس نے بے اعتباری سے کہا''تم مجھے چڑانے کے لیے مذاق کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے بہت عزیز رکھتے ہو!''

میرا دل چاہا کہ اسے کھل کر یہ بتا دوں کہ زندگی میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جب انسان اپنی عزیز ترین ہستی کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں دفن کر دیتا ہے، وہ جیتے جی اپنی ڈھٹائی سے وہ اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گاڑی میں چند ثانیوں کے لیے خاموشی طاری ہوگئی۔ اس وقت چاؤ فان کی جیپ ایسے علاقے سے گزر رہی تھی جہاں ہیڈ لیمپس کی تیز روشنی میں بل کھاتی ہوئی سیاہ سڑک

Downloaded from https://paksociety.com

کے دونوں اطراف میں تاریک اور چٹیل ویرانہ پھیلا ہوا تھا۔ اس مضافاتی حصے میں دور دور تک آبادی کا نام ونشان نہیں تھا۔

''ماسٹر! مادام سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی؟'' کچھ دیر کے بعد وہ اپنی زبان کی خارش سے مجبور ہو کر سوال کر بیٹھا۔

''وہ پھر تمہارے دماغ میں کابلا رہی ہے!'' میں نے ترشی سے کہا۔

''اوہ.....!'' اس کے دہانے سے ایک بے ساختہ اور تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی پھر وہ بولا۔

''اچھا، مادام کو چھوڑو، یہ بتا دو کہ میرے ہاتھوں پھوم فاٹ کی درگت کب بنی تھی؟''

''اگر تمہاری یادداشت اتنی خراب ہوگئی ہے تو کسی معالج سے رجوع کرو' یہ بک بک کر کے تم کیا جتانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا راجن کے نکل جانے پر تمہارا موڈ سخت خراب ہے۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بولا ''حریف مضبوط ہو تو ایسی اونچ نیچ ہوتی رہتی ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ تم نے اسے زخمی کر دیا۔ آج وہ زخمی ہوا ہے تو کل تمہارے ہاتھوں مارا بھی جائے گا۔ اتنی سی بات کو دل پر لینے کی کیا ضرورت ہے!''

میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا مگر اس کا نام چاؤ فان تھا زیادہ دیر تک خاموش رہنا اس کی سرشت کے خلاف تھا۔ قدرے طویل خاموشی کے بعد اس نے کھنکار کر کہا ''میں دراصل تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ مادام دوبارہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ شاید اس نے تم سے چھوٹا راجن کے بارے میں کوئی بات کی تھی۔ وہ اس بارے میں مزید گفتگو کرنا چاہتی ہے۔''

میں اس سے لی کے بارے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ لی کا تذکرہ چھیڑنے کے چکر میں اس نے راجن کے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کو یکا یک فراموش کر دیا تھا۔ وہ میرے لیے ایک اچھا شگون تھا میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ لی نے میری خود فراموشی کے دوران میں کھل کر اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیا تھا کہ وہ راجن کو مردہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن میں نے اس کی باتوں کا جواب دینا شروع کر دیا تاکہ وہ ڈان کے سامنے اصل واقعات کو بالکل بھول کر وہی کچھ یاد رکھے جو ہمارے درمیان طے ہوا تھا۔

☆☆☆

''کیا کیا.....!'' میرے کان میں ڈان کی تحیر زدہ آواز گونجی ''تم نے اسے زخمی کر دیا!''

''ہاں ڈان!'' میں نے افسردہ لہجے میں جواب دیا ''مجھے سخت افسوس ہے کہ میں اس وقت تمہیں اس کی موت کی خوش خبری نہیں سنا سکا۔''

''دل چھوٹا نہ کرو۔'' ڈان کی تشفی آمیز آواز ابھری۔ ''موجودہ حالات میں یہ بھی بڑی خبر ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ یہ سب کہاں اور کب ہوا۔ بار میں رش ہے، شور وغل میں بات نہیں ہو سکتی، میں دو منٹ میں اوپر جا کر تمہیں فون کرتا ہوں۔''

لائن بے جان ہوگئی، غزالہ بولی ''آپ کا لہجہ اس قدر معذرت خواہانہ کیوں تھا؟ آپ نے اس کے تین آدمیوں کو موت کی نیند سلا کر بہت بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔''

''تم ان مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتیں۔'' میں نے اسے آنکھ مار کے کہا ''خیر سن کر وہ بے چین ہوگیا۔ اب اپنی رہائشی منزل سے فون کرے گا۔ مزہ اسی میں ہے کہ میں انگسار سے کام لیتا رہوں اور وہ میرے کام پر داد وتحسین کے ڈونگرے برساتا رہے۔''

''میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ خود پسند اور ناشکرا آدمی ہے۔'' غزالہ بولی ''وہ آپ کے کاموں کی تعریف اس لیے کرتا ہے کہ وہ کام اس کے کھاتے میں جا رہے ہیں، ان میں دور دور تک آپ کا کوئی ذکر نہیں آتا اور چاؤ فان بے چارہ تو کسی گنتی میں ہی نہیں ہے۔''

غزالہ خاموش طبع ضرور تھی لیکن اس کے تجزیے بڑی حد تک درست تھے۔ مجھے یاد آیا کہ جب راجن نے میرے ہاتھوں وائٹ ہاک کی تباہی پر اپنے دشمن کے طور پر ڈینی کا نام لیا تو ڈان تلملا اٹھا تھا۔ اس نے بے چین ہو کر کہا تھا کہ اس بات کی فوری تردید ہونی چاہیے۔

میں نے مسکراتے ہوئے غزالہ کی رائے سے سو فی صد اتفاق کرتے ہوئے سمجھایا کہ ڈان کی اس خوش فہمی میں ہماری نجات مضمر تھی۔ میں کسی صورت میں کھل کر سامنے نہیں آ سکتا تھا۔ ہم فرضی ناموں اور جعلی سفری دستاویزات پر بنکاک میں مقیم تھے۔ میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ راجن مجھے اپنے بھاری جانی اور مالی نقصان کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔

دو منٹ سے بھی قلیل وقفے کے بعد ڈان کا فون آ گیا۔ راجن کے زخمی ہونے کی خبر اس کے لیے اتنی اہم تھی کہ وہ سیلرز بار کے دھندے کو اپنے ملازموں کے رحم وکرم پر چھوڑ

Downloaded from https://paksociety.com

کر مجھ سے بات کرنے کے لیے اوپر آ گیا تھا۔

جب میں نے ڈان کو یہ بتایا کہ ہم نے راجن کو زخمی کرنے کے ساتھ اس کے تین آدمی بھی بنکاک کے ساحل پر موت کی نیند سلا دیے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں رہا۔ اس نے مجھ سے اس واقعے کی پوری تفصیل سننے کی خواہش ظاہر کی اور میں نے واقعات دہرانا شروع کر دیے۔

اس تفصیل میں سب کچھ سچ تھا۔ میں نے بس زہریلی انگوٹھی اور بیم گن کے استعمال کا ذکر حذف کر کے ان دونوں مسلح محافظوں میں سے ایک کے قتل کا سہرا چاؤ فان کے سر باندھ دیا۔

ایک محافظ کے فرضی قتل کے سوا اس معرکے میں چاؤ فان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ اسے میں نے دانستہ سڑک کی طرف ہانک دیا تھا۔ ڈان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ بقیہ دو آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے اور راجن کو بھی میری چلائی ہوئی گولی نے چاٹا تھا۔

''علی! مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم میرا دوالا نکالنے کا ارادہ کر کے بنکاک آئے ہو!'' پوری کہانی سننے کے بعد ڈان نے گمبھیر آواز میں وہ فقرے ادا کر کے مجھے پریشان کر دیا۔

''ڈان.....! میں تمہارا برا چاہنے والوں کے خون کا پیاسا ہوں۔ میرے بارے میں تم ایسی منفی بات کیوں سوچ رہے ہو؟'' میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

ڈان اچانک خوفناک آواز میں ہنس پڑا، اس کی ہنسی سے بھی درندگی اور سفاکی جھلک رہی تھی۔ وہ بولا ''تمہارے کام انوکھے ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے قدموں میں اپنی تجوری خالی کر دوں۔ تم میری عزت اور ساکھ کے سچے محافظ ہو۔''

''تم نے یہ کہہ کر میرا دل بڑھا دیا۔'' میں نے اطمینان کا سانس لے کر کہا۔ ''برسوں ہی تم مجھے ایک لاکھ بھات کا بڑا انعام دے چکے ہو۔ وہ رقم کافی دنوں تک میرا ساتھ دے گی۔ میری جیب خالی ہوگی تو میں خود تم سے کچھ مانگ لوں گا۔''

''تم عیبوں سے بچے ہوئے ہو اس لیے وہ رقم باقی ہے۔ شراب نہیں پیتے، میرا اندازہ ہے کہ عورتوں کے پیچھے بھاگتے ہو گے نہ جوا کھیلتے ہو گے۔ میں نے چاؤ فان کے لیے بھی پچاس ہزار دیے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے وہ رقم جوئے میں ہار دی ہوگی یا عورتوں پر لٹا دی ہوگی۔'' ڈان کا لہجہ کسی حد تک تجسس آمیز تھا۔ مجھے شبہ ہوا کہ وہ براہِ راست سوال کیے بغیر میری زبان سے چاؤ فان کی ذاتی مصروفیات کا ذکر سننا چاہ رہا تھا۔

''تم جہاں دیدہ آدمی ہو، اپنے آدمیوں کو خوب پہچانتے ہو۔'' میں نے محتاط الفاظ میں جواب دیا۔ ''میرا اور اس کا کام کی حد تک ساتھ رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ شہر میں کیا کرتا پھرتا ہے، اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔''

''تم بات کرنے کے فن میں بھی یکتا ہو۔'' وہ بے ساختہ بولا ''خود اَن جان بن گئے اور میری مردم شناسی کا حوالہ دے کر میرے اندازے کی تائید بھی کر ڈالی۔ چاؤ فان خوش نصیب ہے کہ اسے تمہارے ساتھ رہ کر بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔''

مجھے ڈان کی تعریف و توصیف سے کوئی غرض نہیں تھی پھر بھی میں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ میں ابتدا سے صرف اس امر کے لیے کوشاں تھا کہ ڈان کو میری اصلیت پر کوئی شبہ نہ ہو، وہ مجھے علی احمد سمجھتا رہے اور میں اسے جو کچھ بتاؤں وہ اس پر اعتبار کر لے۔ میں دل ہی دل میں اللہ کا شکر گزار تھا کہ اس وقت تک میری وہ کوششیں میری توقع سے زیادہ کامیاب تھیں۔

راجن کے زخمی ہو جانے کی ہم دونوں کو خوشی تھی لیکن دلوں میں یہ آرزو مچل رہی تھی کہ اس قصے کا جلد از جلد خاتمہ ہو۔ امید افزا فقروں کے تبادلے کے ساتھ ہماری وہ گفتگو ختم ہوگئی۔

''آپ کو طارق سے بھی رابطہ کرنا چاہیے۔'' کچھ دیر بعد غزالہ نے پُرخیال انداز میں مشورہ دیا۔ ''اس نے آپ کو راجن کی نقل و حرکت کی بروقت خبر دے کر یہ سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔''

اس کی بات درست تھی۔ بنکاک میں ڈان اور چاؤ فان کے ساتھ میرے مراسم بہت نازک تھے۔ میں نے حیلوں، بہانوں اور فرضی کہانیوں کے سہارے ان کو شیشے میں اتارا ہوا تھا۔ مکر و فریب کے سہارے قائم کیا ہوا وہ رشتہ میری کسی بھی غلطی کے نتیجے میں چشم زدن میں ختم ہو سکتا تھا۔ بے یقینی کی اس فضا میں مجھے ہر لمحے چاروں کھونٹ چوکس رہنا پڑ رہا تھا۔

اس ماحول میں پہلے اسد میرا حقیقی ہمدرد اور مددگار تھا۔ اس کے ساتھ بہت تیزی کے ساتھ میری ذہنی ہم آہنگی ہوتی چلی گئی تھی۔ جلال کی یقین دہانی کے باوجود مجھے شبہ تھا کہ اسد کو محض روٹین کے طور پر پاکستان نہیں بلایا گیا بلکہ اسے اس بنا پر بنکاک سے واپس بلایا گیا تھا کہ اس نے میری ہدایات کے زیرِ اثر، سوبھراج کی ہلاکت کی اہم ترین خبر اپنے محکمے کے بڑے افسران سے پوشیدہ رکھی تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اس

Downloaded from https://paksociety.com

مرحلے پر اسد کی بنکاک سے واپسی اس کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ مجھ تک رسائی کے لیے راجن نے اپنی پوری توجہ اس پر مرکوز کردی تھی۔ اس کی طرف سے متوقع تعاون نہ ملنے کی صورت میں وہ اسے کوئی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

اسد کے چلے جانے کے بعد طارق نے اس کی جگہ لی تھی۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھتے ہی اپنی ہوش مندی اور فرض شناسی کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بڑوں کو بہت سرعت کے ساتھ وائٹ ہاک کی تباہی کی خبر پہنچائی اور اسی طرح مجھے بروقت راجن کے ہمسفر ہونے کی اطلاع دی۔ بنکاک کی غیر یقینی اور خون آشام فضا میں وہ میرا اکلوتا سہارا تھا۔ اس کی مناسب حوصلہ افزائی کر کے میں اس سے زیادہ بہتر تعاون حاصل کرسکتا تھا۔

میں نے فون پر رابطہ کر کے تشکر کا اظہار کیا تو مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ تازہ ترین صورتِ حال سے پوری طرح باخبر تھا۔

مجھے راجن کی پوزیشن کی اطلاع دینے کے بعد اس نے میری ہدایت کے مطابق اس کے تعاقب کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا لیکن مڑ کر گھر کی راہ بھی نہیں لی تھی۔ وہ واپس موتی محل کے علاقے میں جا پہنچا۔ اسے یقین تھا کہ بندرگاہ کے علاقے میں جو کچھ ہونا ہے وہ بہت سرعت کے ساتھ رونما ہوگا۔ کسی نتیجے کا انتظار کرنے کے لیے اسے اپنی پوری رات برباد نہیں کرنا ہوگی۔

اس نے راجن کو اپنے تین مسلح ساتھیوں کے ہمراہ ساحلی علاقے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان چاروں کے مقابلے میں وہ مجھے تنہا تصور کر رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ تصادم کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو، اس کی خبر بہت تیزی سے موتی محل پہنچے گی۔

طارق کی وہ حکمتِ عملی کامیاب رہی۔ وہ موتی محل کے داخلی پھاٹک کے قریب و جوار میں منڈلا رہا تھا کہ رات بارہ بجے کے قریب ایک ٹیکسی بہت برق رفتاری کے ساتھ سڑک پر نمودار ہوئی اور موتی محل کے بند پھاٹک کے سامنے جا رکی۔ ٹیکسی کی رفتار دیکھتے ہی طارق چوکنا ہوگیا۔ پھاٹک کھلوانے کے لیے ٹیکسی ڈرائیور نے لگاتار ہارن شروع کر دیا تھا۔ پھاٹک کھلنے کی نوبت آنے سے پہلے طارق نے ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر راجن کی جھلک دیکھ لی۔

میں اسد کے ساتھ موتی محل میں جانے کے موقع پر یہ مشاہدہ کر چکا تھا کہ راجن نے اپنی کمین گاہ کی حفاظت کے لیے مسلح نفری کے ساتھ جدید آلات کا بھی سہارا لیا ہوا تھا۔ پھاٹک پر مامور محافظ خفیہ کیمروں کی مدد سے ہر لمحے باہر کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ان کلوزڈ سرکٹ کیمروں کی کارکردگی بڑھانے کے لیے رات کے اندھیرے میں بھی پھاٹک کے ستونوں پر ایسی لائٹس روشن رہتی تھیں جن کی تیز روشنی میں پھاٹک پر رکنے والی ہر گاڑی کی تمام تر جزئیات کیمروں کی آنکھوں میں منتقل ہو جاتی تھیں۔

راجن نے موتی محل کے داخلی راستے پر وہ بندوبست دوسروں کے لیے کیا تھا لیکن اس وقت وہ خود ان روشنیوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ وہاں اندھیرے کا راج ہوتا تو طارق کو ذرا بھی اندازہ نہیں ہوسکتا تھا کہ ٹیکسی میں کون وہاں آیا تھا۔

مانیٹرنگ اسکرین پر کیمروں سے آنے والی تصاویر دیکھتے ہوئے موتی محل کا پھاٹک کھول دیا گیا اور وہ ٹیکسی بہت تیزی سے اندر داخل ہوگئی۔

راجن کو ٹیکسی سے افراتفری کے عالم میں واپس ہوتا ہوا دیکھ کر طارق نے بہت کچھ اندازہ لگالیا لیکن وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکا کہ راجن اپنے تین آدمیوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوکر پسپائی پر مجبور ہوا ہوگا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ میری طرف سے حملہ ہوتے ہی راجن اپنے آدمیوں کو گاڑی سمیت چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلا ہوگا۔

اسے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی کہ اس کی فراہم کی ہوئی اطلاع کی بنیاد پر میں نے سرعت سے کارروائی کر کے راجن کے تین اہم ساتھیوں کو جہنم واصل کر دیا تھا۔

میں نے یہ بات اسے پہلے ہی بتادی تھی کہ اسلام آباد میں اس کے بڑے بھی راجن کی فتنے سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کرنے کے خواہش مند تھے لیکن اپنی حدودِ کار اور بین الاقوامی ذمے داریوں کے پیشِ نظر کوئی عملی کارروائی کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے تھے۔

میں نے طارق کا شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا اور مجھے اس سے راجن کی واپسی کا احوال بھی معلوم ہوگیا۔ وہ راجن کو لانے والی ٹیکسی کی واپسی تک موتی محل کے باہر منڈلاتا رہا۔ وہ حوصلہ مند اور بے خوف آدمی تھا۔ چند منٹ بعد ٹیکسی راجن کے بوجھ سے آزاد ہوکر باہر نکلی تو طارق نے اشارہ کر کے اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور سے راجن کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا متمنی تھا لیکن ڈرائیور اسے دیکھتا ہوا سیدھا نکل گیا۔ شاید اسے موتی محل میں توقع سے زیادہ رقم سے نوازا گیا تھا اس لیے وہ فوری طور پر کوئی نیا مسافر اٹھانے کے موڈ میں نہیں تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اسد کی طرح طارق بھی ذہین اور محنتی اہل کار تھا۔ اپنے افسروں کی طرف سے ملی ہوئی ہدایات میں مضمر پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس کی ان یقین دہانیوں پر گفتگو کا سلسلہ ختم ہوگیا کہ وہ اسی طرح اپنا دامن بچا کر میرے ساتھ تعاون کرتا رہے گا تاکہ میں اپنے اہداف حاصل کرسکوں۔

ٹیلی وژن کے مقامی چینلوں پر انگریزی میں خبریں آنے کا وقت گزر چکا تھا۔ دن میں وقفوں سے شروع ہونے والا وہ سلسلہ آدھی رات کو ختم ہوجاتا تھا لیکن غزالہ ٹیلی وژن سے چپکی رہی۔ دو بجے اس نے مقامی زبان کے ایک پروگرام میں جلی ہوئی گاڑی اور لاشوں کی تصاویر دیکھ کر مجھے متوجہ کیا تو میں نے راجن کی تباہ حال گاڑی کا ڈھانچا پہچان لیا۔

گاڑی میں پڑی ہوئی دونوں لاشیں بھیانک شعلوں کی زد میں آکر کوئلہ بن چکی تھیں۔ تیسری لاش صحیح سالم تھی۔

تھائی زبان میں رواں تبصرہ ہم دونوں کے لیے ناقابلِ فہم تھا لیکن اسکرین پر دکھائی جانے والی تازہ تصاویر اور ان کے ویران پس منظر کی بنا پر یہ بات ہر قسم کے شک وشبہے سے بالاتر تھی کہ پیٹرول کی آگ کے اوپر کی طرف بھڑکتے ہوئے تیز شعلوں اور دھویں کے بادل نے پہلے امدادی اداروں کو اور پھر خبر رسانوں کو اس واقعے کی طرف متوجہ کردیا تھا۔

خبر پھیل گئی تھی مگر ہمیں یہ علم نہیں ہوسکا کہ اس واقعے کے بارے میں شہر میں کیا آرا پائی جارہی تھیں اور موتی محل والوں نے کیا موقف اختیار کیا تھا۔

میں نے سوچا کہ چاؤ فان سے اس بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں مگر میں نے وہ ارادہ اسی لمحے ترک کردیا۔ وہ عیش وعشرت کا دل دادہ تھا۔ آسان اور ناجائز کمائی نے اسے کاہل بھی بنا دیا تھا۔ وہ اپنے حساب کے مطابق ان دنوں میرے ساتھ بہت زیادہ محنت کررہا تھا۔ مجھ سے جان چھوٹتے ہی وہ اپنی رنگ رلیوں میں ڈوب جاتا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے شرافت سے اپنے گھر لوٹ کر ٹیلی وژن وغیرہ پر نظر رکھنے کی کوشش کی ہوگی۔

غزالہ نے اندازہ لگالیا کہ وہ مسائل میرے سر پر سوار ہوچکے تھے۔ اس نے لباس تبدیل کرکے سونے کی تیاری کی اور بستر پر دراز ہوکر مجھے دوسری باتوں میں الجھانے کی کوششیں شروع کردیں۔

اگلی صبح غزالہ کو مجھے جھنجوڑ کر جگانا پڑا۔ گہری نیند سے بیدار ہونے پر میری سمجھ میں کچھ نہیں آسکا کہ اس پر کیا افتاد آپڑی تھی۔ اس کی زبان سے ویرا کا نام سنتے ہی میرا نیند کا خمار یک لخت کافور ہوگیا اور اس کی بات بھی میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اپنے ہاتھ میں میرا کراچی والا موبائل فون لیے، میرے سر پر سوار تھی۔

میں نے فون اپنے ہاتھ میں لے کر ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے ویرا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''دس بج رہے ہیں یہ سونے کا کون سا وقت ہے؟''

بے اختیار میری نظریں وال کلاک کی طرف گئیں۔ اس کی سوئیاں واقعی دس بجا رہی تھیں۔ میں نے حیرت سے کہا ''تو رنتو میں بیٹھ کر تمہیں یہاں کے وقت کا بالکل صحیح اندازہ ہے!''

''تمہارے حواس ابھی پوری طرح بحال نہیں ہوئے۔ میں بنکاک پہنچ چکی ہوں۔'' ویرا کی آواز میں ہلکا سا طنز عود کر آیا۔ ''ہماری آخری گفتگو کم وبیش اٹھارہ گھنٹے پہلے ہوئی تھی اور میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں یہاں آنے کے لیے تیار ہوں۔ ٹکٹ اور سیٹ کا مسئلہ حل ہوتے ہی ہم چل دے۔ اب میں یہاں سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے کمرا نمبر چھ سو گیارہ میں ہوں۔''

اس کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر مجھے ذہنی جھٹکا سا لگا۔ مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ سلطان شاہ ٹورنتو سے بنکاک تک سفر کے لیے اتنی جلد نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا اور وہ مغرب کی طرف سے ایک طویل مسافت طے کرکے اتنی تیزی سے بنکاک پہنچ جائیں گے۔

میں نے اس سے فون کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ سفر کا پروگرام طے ہوتے ہی اس نے اول خان کو اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا تھا جس کے نتیجے میں بنکاک پہنچتے ہی اس کے فون کی رومنگ کھل گئی تھی۔

''یہاں آگئی ہو تو اب الگ تھلگ رہو، میں بری طرح الجھا ہوا ہوں۔ جب بھی وقت ملا، میں خود تم سے ملنے کے لیے آجاؤں گا۔''

''تم الجھے ہوئے ہو، دن کے دس بجے تک بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ ایسا تو نہیں ہے کہ پچھلی رات تم کسی خون ریز محاذ آرائی میں مصروف رہے ہو!'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''تمہیں کسی خوں ریز محاذ آرائی کا خیال کیسے آگیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''نئے شہر یا ملک میں پہنچ کر میں وہاں کے حالات کا اندازہ لگانے کے لیے سب سے پہلے مقامی اخبارات دیکھتی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں۔ آج کے اخبار بنکاک کی ویران ساحلی پٹی کے قریب تین آدمیوں کی پُراسرار ہلاکت کی خبروں اور تصویروں سے بھرے ہوئے ہیں!'' اس نے بتایا۔

وہ بنکاک آہی گئی تھی تو اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ بعد میں اسے حقائق کا علم ہوتا تو ہمارے درمیان پائی جانے والی مفاہمت کو شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''تمہارا اندازہ درست ہے، رات میں وہیں مصروف تھا۔ اس بارے میں فون پر کوئی بات نہیں ہوگی۔''

''تم نے ملنے کے لیے وقت نہ نکالا تو میں بار بار فون کر کے تمہیں عاجز کردوں گی۔'' اس نے دھمکی دینے والے مگر شگفتہ انداز میں کہا۔

''مجھے مجبور نہ کرو۔ میں وعدہ کررہا ہوں کہ جلد ملوں گا..... اکبر کہاں ہے؟'' میں نے اسے یقین دہانی کراتے ہوئے اچانک موضوع بدل دیا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ نیو پارک میں مجھے اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے کی کوششیں کررہا تھا۔ اس دوران میں اسے خیال آگیا کہ مرد کو کسی نامحرم عورت کے ساتھ خلوت میں نہیں رہنا چاہیے، ان دونوں کے درمیان شیطان بہت آسانی سے غالب آجاتا ہے۔ اسی دن سے وہ الگ کمرے میں رہتا ہے۔ کہو تو اسے برابر والے کمرے سے بلادوں۔''

''بلانے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہوش مند آدمی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ تمہارے ہوتے ہوئے شیطان کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں رہتی، اس کے کام تم خوش اسلوبی سے پورے کرلیتی ہو۔''

''میں نے اس کی تبلیغ سے متاثر ہونے کی اداکاری شروع کی ہوئی ہے۔ دیکھتی ہوں کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔ مجھے افسوس ہوا کہ وہ اس بارے میں سنجیدہ نہیں ہوسکی تھی۔

ویرا کو احساس تھا کہ اس نے مجھے گہری نیند سے جگایا تھا۔ اس نے اپنی عادت کے برعکس گفتگو کو طول دینے کی کوشش نہیں کی، مجھ سے غزالہ کی خیریت معلوم کر کے فون بند کردیا۔

ویرا کی بنکاک میں موجودگی کی خبر سن کر میرا سارا خمار کافور ہوچکا تھا۔ اس کی زبان سے بنکاک کے مقامی اخبارات کا ذکر سن کر میرا تجسس بیدار ہوگیا۔ فون سے فارغ ہوتے ہی میں نے تپائی کی طرف چھلانگ لگائی اور اخبار کھول کر بیٹھ گیا۔

دنیا کے دوسرے بڑے شہروں کی طرح بنکاک میں بھی جرائم کی روزانہ شرح بہت بلند ہے لیکن ان جرائم میں قتل وخوں ریزی کے واقعات کم ہوتے ہیں۔ ساحلی علاقے سے دو جلی ہوئی لاشوں کے ساتھ ملنے والی تیسری لاش کی کہانی اخبار کی شہ سرخی میں موجود تھی۔

راجن کی جلی ہوئی گاڑی کی شناخت میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ جائے واردات پر دور دور تک کوئی ذی روح موجود نہیں تھا جو اس پراسرار حادثے پر روشنی ڈالتا اس لیے امدادی عملے نے آگ پر قابو پانے بلکہ اس کے سرد ہوجانے کے بعد کار کے تپتے ہوئے ڈھانچے کو پانی کی تیز دھاروں سے ٹھنڈا کیا اور وہاں پہنچنے والی پولیس پارٹی نے وہیں سے کار کا رجسٹریشن نمبر وغیرہ اپنے ہیڈ آفس کو دے کر لاسکی رابطے پر یہ معلوم کرلیا کہ جلنے والی گاڑی راجن کی ملکیت تھی۔

وہ سر اہاتھ آنے کے بعد پولیس والوں کا کام آسان ہوگیا۔ موتی محل سے فون پر رابطہ کیا گیا تو راجن دستیاب نہیں تھا۔ زخمی حالت میں وہ سامنے آنے کی حماقت کرتا تو شاید اس کے زرخرید افسر اسے پولیس کی باز پرس سے بچالیتے لیکن میڈیا کے بے رحم نمایندوں کے لیے راجن کا زخم ایک بڑا سوالیہ نشان بن جاتا۔ راجن نے اس معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خاموشی اور روپوشی اختیار کرلی۔

راجن نے سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ میرے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد موتی محل میں واپس پہنچتے ہی اس نے اپنے کارندوں کے ذریعے مقامی تھانے میں یہ رپورٹ درج کرادی کہ اس کے تین آدمی اس کی گاڑی لے کر سرِشام خریداری کے لیے نکلے تھے اور اس وقت تک وہ واپس لوٹے نہ ان کا کوئی سراغ مل رہا تھا۔

پولیس کی طرف سے جلی ہوئی کار اور تین لاشوں کی دریافت کی خبر ملنے پر راجن کے دو آدمی تیزی سے جائے واردات پر پہنچے اور انہوں نے سب کچھ پہچان کر وہاں موجود عملے کو بتایا کہ وہ وہی گاڑی تھی جسے لے کر تین افراد شام سے غائب تھے۔ دو لاشوں کی شناخت نہیں ہوسکی مگر انہوں نے تیسرے کو اپنے ساتھی کی حیثیت سے پہچان لیا۔ ایک لاش کی شناخت کے بعد غالب امکان ظاہر کیا گیا تھا کہ کوئلہ بنی ہوئی لاشیں اس کے ساتھیوں کی ہوں گی۔

راجن نے اپنی چالاکی سے اپنے آدمیوں کو ہر قسم کی جواب دہی سے بچالیا۔ گاڑی سمیت تین آدمیوں کی گمشدگی

Downloaded from https://paksociety.com

کی رپورٹ ان کی تلاش میں ناکامی کے بعد کافی تاخیر سے درج کرائی گئی تھی۔ مگر بہرحال ریکارڈ پر موجود تھی۔

اس واقعے کی تفتیش اور سفاک مجرموں کی نشان دہی کی ساری ذمے داری پولیس والوں کے سر پر آ گئی۔ ان کا ابتدائی اندازہ تھا کہ وہ واردات کسی پرانی دشمنی کا نتیجہ تھی اور ان تینوں کو اس ویرانے میں گھیر کر مارا گیا تھا۔ اس نظریے کی روشنی میں کار کے نذرِ آتش ہونے کو اتفاقی حادثہ تسلیم نہیں کیا گیا۔

ایک سینئر پولیس افسر کا خیال تھا کہ دونوں لاشوں کو کار میں ڈال کر دانستہ آگ لگائی گئی تھی تاکہ ان اموات کو عبرت ناک بنایا جا سکے۔ اس حرکت کے ذریعے نامعلوم دشمنوں نے موتی محل والوں کو کوئی پیغام دینے کی کوشش کی تھی۔ میرے اندازے کے عین مطابق راجن نے اس واقعے سے مکمل لاتعلقی اختیار کر لی تھی جیسے وہ سرے سے وہاں موجود نہ رہا ہو۔ اسی طرح خبروں میں کہیں بھی میرے بارے میں کوئی اشارہ نہیں تھا۔ راجن نے اپنی ساکھ بچانے کے لیے ان دونوں نکات پر مکارانہ رویہ اپنایا تھا۔

ڈبی کی حیثیت سے میرا ذکر نہ ہونے سے مجھے یہ فائدہ نظر آ رہا تھا کہ اس بارے میں ڈان کے ذہن میں کوئی خلش جنم نہیں لے سکے گی۔ وہ مطمئن رہے گا کہ آخر کار سارا کریڈٹ اسی کو ملے گا اور وہ بنکاک کی زیرِ زمین دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

میں پوری تن دہی کے ساتھ بنکاک میں درپیش حالات کا مقابلہ کر رہا تھا لیکن جلال سے ہونے والی آخری گفتگو کے بعد میرے ذہن میں اپنے مستقبل کے حوالے سے جو بھیانک سوال پیدا ہوا تھا وہ مجھے مسلسل پریشان کر رہا تھا۔

منشیات فروشوں اور ملک دشمنوں کے خلاف اپنی جاں گسل مہم جوئی کے دوران میں یہ سوال بارہا میرے سامنے آتا رہا کہ حکومتوں اور ان کے قائم کیے ہوئے اداروں کے خلاف صف آرا ہو کر ایک فرد کب تک خود کو بچائے رکھنے میں کامیاب ہو سکتا ہے مگر میں نے اس سوال کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔ میری نظروں میں ملک اور قوم کا مفاد ایسے ہر سوال سے ماورا تھا۔

ماضی میں میری اس بے پروائی کا سبب شاید یہ تھا کہ میں را، سی آئی اے اور ایف بی آئی کے خلاف لڑ رہا تھا۔ جہاں مجھے ایس ٹی ایف اور دوسرے ملکی اداروں کی بھرپور پشت پناہی حاصل تھی۔ آڑے وقت میں وطن کے وہ بے خوف سپاہی خاموشی سے میری بھرپور مدد کرتے رہتے تھے مگر جلال کے پُرامید ہونے کے باوجود مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ وہ تمام معاملات میرے ہمدردوں کی گرفت سے نکلتے جا رہے تھے۔

میرے دوستوں کی گرفت کمزور ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے یا وہ میری سرگرمیوں سے بددل ہوتے جا رہے تھے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ عالمی حالات اور واقعات کے نتیجے میں امریکا کو بہ تدریج اس قدر اثر و نفوذ حاصل ہو چکا تھا کہ وہ اپنی ہر جائز اور ناجائز بات منوانے کے لیے افراد تو کیا، حکومتوں تک کو اپنے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے کی پوزیشن میں آ گیا تھا۔

سی آئی اے اور ایف بی آئی امریکا کے قومی ادارے تھے۔ وہ پاکستان کے دشمنوں کے سرخیل بنے ہوئے تھے اور ہر آن ان کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے، انہیں یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کے ساتھیوں کی سازشوں کا کوئی انفرادی یا اجتماعی مقابلہ کیا جائے۔

انہوں نے زبردست مارے اور رونے نہ دے والی پوزیشن اختیار کر لی تھی۔ اپنی دھاندلیوں اور جرائم کی بیخ کنی کو سنگین جرم قرار دینے پر تل گئے تھے۔ حالات کے اس زبردست دباؤ کا نتیجہ تھا کہ میرے دوست ہم چاروں کو پاکستان سے نکل جانے کا مشورہ دینے پر مجبور ہو گئے۔

پاکستان چھوڑتے ہوئے میرا خیال تھا کہ وہ عارضی مشکلات تھیں جنہیں وقت گزرنے کے ساتھ دور ہو جانا تھا مگر میرے تازہ رابطے یہ ظاہر کر رہے تھے کہ وقت گزرنے کے ساتھ حالات میں بہتری آنے کے بجائے سنگینی پیدا ہو رہی تھی۔

امریکی میرے گناہوں کو معاف کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ویرا انکی نظروں میں اس لیے معتوب تھی کہ اس نے وقت کے دھارے کے ساتھ چلنے کے بجائے ڈٹ کر میرا ساتھ دیا تھا۔ ہماری خاموشی یا پاکستان سے غیر حاضری کا بھرپور فائدہ اٹھا کر وہ ہمارے گرد اپنا گھیرا تنگ اور مضبوط کر رہے تھے۔

امید کی کرنیں روز بہ روز موہوم اور پھر معدوم ہوتی نظر آ رہی تھیں۔ اس شکنجے میں پھنس جانے کے بعد میرا مستقبل کیا ہوتا، اس کا اندازہ کوئی بھی لگا سکتا تھا۔

ویرا کو حالات کے اس بگاڑ کا پورا ادراک نہیں تھا۔ وہ اپنی دھن میں سلطان شاہ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ غزالہ بہت حساس طبیعت کی مالک تھی۔ میں اس

Downloaded from https://paksociety.com

بارے میں دل کھول کر اس سے کوئی بات نہیں کرسکتا تھا۔ حالات کے تناظر میں ابھرنے والی ڈراؤنی صورتِ احوال سے خوف زدہ ہوکر وہ اپنا وہی پرانا مشورہ دہراتی جو پہلے بھی کئی بار دے چکی تھی اور میں نے ہر بار اسے مذاق میں اڑا دیا تھا۔

''آپ اخبار پڑھ رہے ہیں یا سوچوں کی دنیا میں کھوئے ہوئے ہیں؟'' غزالہ کی آواز سن کر میں چونک گیا۔ اس کا سوال بجا تھا۔ میں کافی دیر سے اخبار کا پہلا صفحہ اپنے سامنے کھولے بیٹھا تھا مگر میرا ذہن اور میری نگاہیں اپنے مستقبل کے ویرانوں میں بھٹک رہی تھیں۔

میں خفت آمیز انداز میں ہنس دیا اور بولا ''میرے خیالات کی رو موتی محل کی طرف بھٹک گئی تھی۔ اس وقت وہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہوگی۔''

''انہیں سوگ کے بجائے جشن منانا چاہیے کہ راجن آپ کی چلائی ہوئی گولی سے بچ کر زندہ واپس لوٹنے میں کامیاب ہوگیا۔'' غزالہ ہنس کر بولی۔

''وائٹ ہاک کی تباہی کے بعد یہ دوسرا بڑا دھچکا ہے۔ تین آدمیوں کا زیاں معمولی نہیں ہوتا۔ اخباروں میں کچھ بھی آتا رہے، موتی محل میں کام کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ راجن ان تینوں کو اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ وہ مارے گئے، راجن زخمی ہوکر لوٹا۔''

''اس واقعے میں راجن کے دوسرے ساتھیوں کو اپنا انجام نظر آرہا ہوگا۔''

''موت سے زیادہ موت کی دہشت خوف ناک ہوتی ہے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ کتنے آدمی راجن کا ساتھ چھوڑتے ہیں!''

وہ دن دھیرے دھیرے گزرتا رہا میں نے ویرا کو ٹالنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ میں بہت الجھا ہوا اور مصروف تھا اس لیے فوری طور پر اس سے نہیں مل سکوں گا۔ میں نے اس دوران میں غور کیا تو اندازہ ہوا کہ میرے سامنے کوئی فوری مصروفیت نہیں تھی۔ وقت گزارنے کے لیے ویرا اور سلطان شاہ سے ملاقات کی جاسکتی تھی۔

غزالہ کو میرے ارادے کا علم ہوا تو وہ بھی میرے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے بے چین ہوگئی۔ اسے ویرا سے زیادہ سلطان شاہ کی فکر تھی۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ چند دنوں کی بھرپور رفاقت میں ان دونوں کے درمیان کوئی ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے یا ویرا بے رحمانہ انداز میں سلطان شاہ کے جذبات سے کھیل کر اسے مذہبی مباحث میں الجھا رہی ہے۔

میری خواہش تھی کہ غزالہ اس ملاقات میں شریک نہ ہو ہم چاروں کا یک جا ہونا حفاظتی نکتۂ نظر سے مناسب نہیں تھا۔

ہمارے درمیان یہ بحث جاری تھی کہ میرے مقامی موبائل فون پر ڈان کی کال آگئی۔

''تم نے چھوٹا راجن کی جڑیں ہلا دی ہیں۔'' ڈان نے میری آواز سنتے ہی بلا کسی تمہید کے اپنی بات شروع کردی۔ ''مقامیوں کی ایک بڑی تعداد نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، موتی محل میں گنے چنے آدمی رہ گئے ہیں جن میں اکثریت چھوٹا راجن کے بھارتی محافظوں کی ہے۔''

''یہ سب تمہارے دعاؤں کا کرشمہ ہے۔'' میں نے ڈان کی ذہنیت کے پیشِ نظر وہ کریڈٹ اسی کے سر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ ''تم نے میرے سر پر اپنا دستِ شفقت نہ رکھا ہوتا تو میں کسی ہوم ورک کے بغیر اس سے ٹکرا کر فنا ہو چکا ہوتا۔''

''اب معاملہ کچھ گڑبڑ ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔'' ڈان نے اپنی تعریف سننے کے بعد قدرے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ ''آج شام کی دو الگ الگ پروازوں سے ممبئی کی زیرِ زمین دنیا کے دو بڑے نام یہاں پہنچے ہیں۔ ان میں سے ایک دہلی کا نخشب ہے، دوسرا ابو سالم ہے جو دبئی سے یہاں آیا ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہوسکتا۔''

وہ دونوں نام میرے لیے نئے نہیں تھے۔ دہلی میں را کے ریکارڈ سے گرین کو برا نامی اہم ترین فائل اڑانے کے مشن کے دوران میں، میں نخشب سے صرف فون پر بات کرکے اس کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگا چکا تھا۔ دہلی میں اس کی دھاک اس ڈان کی وجہ سے تھی جس کی وہ نمائندگی کرتا تھا اور شاید وہ اپنے اسی ڈان کے ایما پر دہلی سے بنکاک پہنچا تھا۔ ابو سالم خود ایک اہم آدمی تھا جس نے بھارت کے سارے خفیہ اداروں کو نگنی کا ناچ نچایا ہوا تھا۔ وہ خود دبئی میں رہتا تھا لیکن ممبئی میں اس کے نام کا سکہ چلتا تھا۔

اگر وہ دونوں نامی گرامی بدمعاش واقعی بنکاک پہنچ گئے تھے تو دال میں ضرور کچھ کالا تھا۔

''وہ کہاں ٹھہرے ہیں؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت ڈان سے سوال کیا۔

''وہ دونوں الگ الگ ہوٹلوں میں مقیم ہیں۔ نخشب سیام انٹرکانٹی نینٹل میں ہے، ابو سالم کانٹی نینٹل میں ٹھہرا ہے۔'' ڈان نے بتایا۔

Downloaded from https://paksociety.com

سیام انٹرکانٹی نینٹل کا نام سنتے ہی میرے فرشتے کوچ کر گئے۔ ویرا اور سلطان شاہ اسی ہوٹل میں مقیم تھے اور میں غزالہ کے ساتھ ان دونوں سے ملنے کے لیے وہاں جانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ ''تم ان دونوں کی آمد سے کیا خطرہ محسوس کررہے ہو؟'' میں نے اپنے لہجے پر قابو رکھتے ہوئے، پرسکون انداز میں ڈان سے اگلا سوال کیا۔

''کیا تمہیں یہ بات عجیب محسوس نہیں ہورہی کہ کل رات تم نے چھوٹا راجن کو زخمی کیا اور آج نامور بھارتی... بدمعاش یہاں پہنچنا شروع ہوگئے؟'' ڈان نے الٹا مجھ ہی سے سوال کرڈالا۔

''اگر وہ ایئرپورٹ سے موتی محل گئے ہوتے تو میں ضرور فکرمند ہوجاتا۔ ہمیں ان کی طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں البتہ ان کی سرگرمیوں کی نگرانی ضروری ہے۔'' میں نے پوری ایمان داری سے اپنی رائے ڈان کے گوش گزار کردی۔

''نگرانی ہورہی ہے، دونوں ہوٹلوں کے ٹیلی فون آپریٹر خرید لیے گئے ہیں لیکن ان سے مدد ملنے کی امید کم ہے۔ یہ لوگ اہم گفتگو کے لیے ہوٹل کی فون لائن ہرگز استعمال نہیں کریں گے۔ موبائل فون کی ناکارا ایجاد نے ایسے لوگوں کے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کردی ہیں۔''

میں نے ڈان کے الفاظ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اس وقت ہم دونوں کے درمیان اسی ناکارا ایجاد کے ذریعے گفتگو ہورہی تھی۔

''میں بھی انہیں دیکھتا ہوں۔'' میں نے ویرا سے اپنی ملاقات کے امکان کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہا۔ ''اگر یہ دونوں راجن کی دعوت پر یہاں آئے ہیں تو یہ بات زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔ صبح ہونے سے پہلے ہلی تھیلے سے باہر آجائے گی۔''

ڈان برنارڈ دلیر اور بے خوف آدمی تھا مگر خشب اور... ابوسالم کی اچانک آمد نے اسے پریشان کردیا تھا۔

اس کے گرد ایسے لوگ جمع تھے جو اس کے مال پر موج اڑا رہے تھے یا اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے عادی تھے۔ ان میں کسی میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ ڈان کی رائے سے اختلاف کرکے اسے دلاسا دے سکے۔

میں کچھ دیر ڈان سے اس کے خدشات کے جھول کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ جب ہماری بات چیت کا سلسلہ ختم ہوا تو ڈان کی تشویش بڑی حد تک رفع ہوچکی تھی۔

میں نے اپنی باتوں کے ہیر پھیر سے ڈان کی پریشانی عارضی طور پر دور کردی تھی مگر مجھے اس خبر سے خلجان سا ہورہا تھا کہ خشب نے اپنے قیام کے لیے ویرا والے ہوٹل کا انتخاب کیا تھا۔ خشب کے وہاں آجانے کے بعد غزالہ کو میں اپنے ساتھ لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ میں نے غزالہ کو اس نئی مجبوری سے آگاہ کیا تو وہ برا سامنہ بنا کر رہ گئی۔ اس نے میرے ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کیا۔

میں چاہتا تو فون کرکے ان دونوں کو سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل سے ملحق سیام اسکوائر کے سبزہ زار میں ملاقات کے لیے بلا سکتا تھا لیکن شہر کے کسی کھلے مقام پر ہمارا اس طرح یک جا ہونا ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ان دونوں میں سے کسی کے کمرے میں ملاقات کرکے انہیں شہر کے حساس حالات سے آگاہ کردیا جائے۔

مجھے خوشی تھی کہ ڈان کا فون بروقت آگیا اور مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ خشب کے قیام کی وجہ سے ڈان کے آدمی سیام انٹرنیشنل ہوٹل کی نگرانی کررہے تھے۔

میرے لیے ڈان یا چاؤ فان کے آدمیوں کے چہرے یاد رکھنا مشکل تھا۔ مجھے بیشتر مقامی باشندے ایک جیسے نظر آتے تھے۔ میں نے پے در پے کئی معرکوں میں متعدد آدمیوں کے ساتھ کام کیا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ حاصل کردہ نتائج کی اہمیت کی وجہ سے میرے خدوخال ان سب کے ذہنوں پر نقش ہوکر رہ گئے ہوں گے۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے دوبارہ دیکھتا تو مجھے دور سے پہچان سکتا تھا۔

میں بے خبری کے عالم میں غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر جوں ہی اس ہوٹل میں قدم رکھتا، یہ سنسنی خیز خبر ڈان تک پہنچ جاتی اور اس کے ذہن میں میری طرف سے ہزار بدگمانیاں پیدا ہوجاتیں جنہیں دور کرنے میں مجھے دانتوں پسینہ آجاتا۔

وہاں کی صورت احوال جان لینے کے بعد میں بے فکری سے اکیلا سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں جاسکتا تھا۔ ایک مرتبہ ہوٹل میں گھسنے کے بعد میں کہاں جاتا۔ یہ کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ میں ڈان کو یہ کہہ کر پوری طرح مطمئن کرسکتا تھا کہ میں خشب کے عزائم کا اندازہ لگانے کے لیے ادھر گیا لیکن اپنی سرتوڑ کوششوں کے باوجود کچھ معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بات وہیں ختم ہوجاتی۔

غزالہ کو پُرجوش انداز میں الوداع کہہ کر میں بلاتاخیر ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ وہ دونوں میری مرضی کے خلاف بنکاک آگئے تھے تو میں انہیں نظرانداز نہیں کرسکتا تھا۔

بنکاک میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مجھے اپنے ہوٹل

Downloaded from http://paksociety.com

کے قرب و جوار کے راستوں کی خاصی شد بد ہو گئی تھی۔ سیام اسکوائر کا خوب صورت پارک میرا دیکھا بھالا تھا۔ ہلٹن ہوٹل سے اس کی پیدل مسافت زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اس پارک کے ایک سرے پر سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل واقع تھا۔

میں نے اپنے ہوٹل سے باہر نکل کر سگریٹ سلگائی اور پیدل اپنی منزل کی طرف چل دیا۔

چند منٹوں کی مست خرامی کے بعد میں ویرا کے ہوٹل کے سامنے تھا۔ وہاں لوگوں کی زبردست چہل پہل تھی۔ وہ شہر کا بارونق تفریحی علاقہ تھا۔ مجھے کہیں کوئی غیر معمولی بات نظر آئی نہ کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا جس پر ڈان کا آدمی ہونے کا گمان ہوتا۔

میں ہوٹل میں داخل ہوا تو وہاں بھانت بھانت کے مختصر کپڑوں میں ملبوس سفید فام خواتین اور لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد ہنسنے بولنے میں مصروف تھی کہ وہاں کسی فیشن پریڈ کے انعقاد کا گمان ہو رہا تھا۔

وہ چاؤ فان کی دلچسپی کے رنگین مناظر تھے۔ میرے لیے ان دعوت انگیز نظاروں میں کوئی خاص کشش نہیں تھی۔ لباس کے فاقے میں مبتلا جسموں کو ہر رنگ اور نسل کے مرد بہت رغبت کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ میں بے پروا خواتین اور ندیدے مردوں پر سرسری نظر ڈالتا ہوا سیدھا ٹیلی فون کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔

بغیر ڈائل والے ایک فون کا ریسیور اٹھا کر میں نے آپریٹر کو ویرا کے کمرے کا نمبر بتایا اور اسی لمحے مجھے لائن مل گئی۔ ویرا کو یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میں اپنی مصروفیات اور الجھنوں کے باوجود ان دونوں سے ملنے کے لیے ہوٹل کی لابی تک پہنچ چکا تھا۔ وہ میرے استقبال کے لیے نیچے آنے پر آمادہ تھی مگر میں نے اسے روک دیا اور فون بند کر کے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

چھٹی منزل کی راہ داری میں بچھے ہوئے دبیز قالین پر بے آواز قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے میری نگاہیں..... بے چینی سے دونوں طرف بنے ہوئے کمروں کے بند دروازوں کا طواف کر رہی تھیں ہوٹل کی مختلف رہائشی منزلوں میں سے کسی ایک کے کمرے میں نخشب بھی ٹھہرا ہوا تھا۔ بند دروازوں پر نگاہ ڈال کر اس کے کمرے کا سراغ لگانا... ناممکنات میں سے تھا مگر پھر بھی میں اپنی اس غیر ارادی حرکت پر قابو نہیں رکھ سکا۔

میں نے کمرا نمبر چھ سو گیارہ کے بند دروازے پر رک کر دستک دینے کے ارادے سے اپنا داہنا ہاتھ اوپر اٹھایا ہی تھا کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور ویرا کا مسرت سے تمتمایا ہوا خوب صورت چہرہ میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

اس نے بے تکلفی سے میرا بازو پکڑ کر مجھے اندر کھینچتے ہوئے کہا ''میرا دجدان کام کر رہا ہے۔ مجھے علم ہو گیا تھا کہ تم دروازے پر آ گئے ہو۔''

''اب یہ نہ کہہ دینا کہ تم کو اسی طرح ہر واقعے کا پہلے سے علم ہو جاتا ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے اس کا مضحکہ اڑایا۔ ''ہر شخص کے بدن سے ایک مخصوص بو پھوٹتی ہے جسے لوگ عام طور پر محسوس نہیں کرتے۔ یہ تمہاری ناک کا کمال ہے کہ اس نے میرے وجود کی مہک پہچان لی۔''

''اپنی یہ منطق اپنے پاس رکھو، میں نے آج تک تمہیں سونگھنے کی کوشش نہیں کی۔'' اس نے مجھے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔

اچانک اندر سے سلطان شاہ اچھل کر نمودار ہوا اور ویرا کو ایک طرف دھکیل کر پُرجوش انداز میں مجھ سے بغل گیر ہو گیا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ آج ہم پھر یک جا ہو رہے ہیں۔'' وہ وفورِ جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''میری آنکھیں تمہیں دیکھنے کو ترس گئی تھیں۔''

''بے چارہ تم سے بچھڑ کر خود کو یتیم تصور کرنے لگا تھا۔'' ویرا نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں فقرہ لگایا۔ ''اب اسے اپنی آغوشِ پدری سے الگ نہ ہونے دینا۔''

''مجھے چھوڑو اور اپنا حال بتاؤ۔ تم اتنی حسرت سے ان دونوں کا ذکر کیا کرتی تھیں جیسے تمہیں ان سے ہمیشہ کے لیے الگ کر کے عالمِ بالا میں بھیج دیا گیا ہو۔'' سلطان شاہ تنک کر بولا اور آہستگی سے مجھ سے الگ ہو گیا۔

''میں حیران ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کے نامحرم ہوتے ہوئے بھی اس ایک کمرے میں مقیم ہو!'' میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا۔

''جب سے یہ جعلی ملا بنا ہے، ایسی ہی نت نئی باتیں نکالتا رہتا ہے۔ اس کی منطق کی وجہ سے ہم مسلسل دو کمروں کا کرایہ ادا کرتے آ رہے ہیں۔'' ویرا چیخ کر بولی۔ ''میں نے تمہاری آمد کی وجہ سے اسے اس کے کمرے سے بلایا ہے.....''

''میں تم دونوں کا مذاکرہ سننے کے لیے نہیں آیا۔'' میں نے ویرا کی قطع کلامی کر کے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مجھے دیکھتے ہی تم دونوں یوں پھیلنا شروع کر دو گے۔ میرا خیال تھا کہ ساتھ رہ کر تم ایک دوسرے کو

Downloaded from https://paksociety.com

برداشت کرنے کے عادی ہوگئے ہوگے۔ لیکن تمہارے حالات مایوس کن نظر آرہے ہیں۔ یہاں تم دونوں محتاط اور سنجیدہ نہ رہے تو مشکلات سے دوچار ہوجاؤ گے۔''

''تم آرام سے بیٹھو.....!'' ویرا نے اپنا سر جھٹک کر کہا۔ ''تمہیں سامنے پاکر اتنے دنوں سے دلی ہوئی چنگاریاں اچانک بھڑک اٹھیں اور دل کا کچھ غبار نکل گیا ورنہ اب تک ہم دونوں پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت گزارہ کرتے رہے ہیں۔ تم کو اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہاں کے حالات نازک موڑ پر آگئے ہیں۔'' انہیں سنجیدہ دیکھ کر میں نے اپنی بات چھیڑ دی۔ ''تم نے آج کے اخبارات دیکھ لیے ہیں۔ وہ تینوں میرا نشانہ بنے تھے۔ ان کے گروگھنٹال کا نام راجن ہے۔ اس کے ستارے اچھے تھے کہ وہ رات کو بچ کر نکل گیا۔ اس سے میری زبردست ٹھنی ہوئی ہے.....''

''لیکن اخبارات میں راجن کا دور دور تک کوئی ذکر نہیں تھا!'' ویرا نے میری بات کاٹ کر اعتراض کیا۔ ''کیا وہ کوئی خطرناک آدمی ہے؟ میں نے کراچی میں اس کا ذکر سنا تھا۔''

''تم بھول رہی ہو۔ موتی محل کے مالک کا ذکر آیا ہے۔ راجن موتی محل کا مالک ہے اور مرنے والے تینوں آدمی اس کے ملازم تھے، گاڑی بھی اسی کی تھی۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہ ممبئی کا ایک مشہور بدمعاش ہے۔ وہاں اپنی دھاک بٹھانے کے بعد اس نے یہاں اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں۔ وہ سوبھراج کی طرح ''را'' اور ''سی آئی اے'' کے لیے کام کررہا ہے۔''

''اب سب کچھ یاد آگیا۔'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا ''بنکاک میں وہ سوبھراج کا سب سے مضبوط حمایتی اور مددگار سمجھا جارہا تھا۔''

''یہ اسی کا ذکر ہے۔ سوبھراج کو راستے سے ہٹا دینے کے بعد اب میں اس پر کام کررہا ہوں۔''

''تم نے سوبھراج کو ٹھکانے لگا دیا۔ راجن سے لڑ رہے ہو اور مجھے ان باتوں کی کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ الگ ہوتے ہی تم ہمیں اس بری طرح نظر انداز کردو گے۔'' ویرا نے یکا یک شکایات کا پٹارا کھول لیا۔

''تم اپنے پیر کی موچ اور دوسرے مسائل میں الجھی ہوئی تھیں۔'' میں نے سلطان شاہ کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے چٹکی لی۔ ''وقت میں آدھے دن کا فرق تھا۔ ہم بیدار ہوتے تھے اور تمہارا سونے کا وقت شروع ہوجاتا تھا۔ تمہارے فون کے مسائل تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تم نیویارک میں رہ کر یہاں کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتی تھیں۔''

''سب کچھ درست ہے لیکن تمہاری کامیابی کی خبروں سے ہمیں خوشی ہوتی۔ تمہارے لیے ہم بہت فکرمند رہتے تھے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''اب یہ باتیں بے سود ہیں۔ وہ وقت کسی نہ کسی طرح گزر ہی گیا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوں کہ تم نے سوبھراج جیسے موذی کو کیسے زیر کیا۔ جلال سے کئی مرتبہ رابطہ ہوا لیکن اس نے بھی سوبھراج کے بارے میں مجھے ایک لفظ نہیں بتایا۔'' ویرا نے کہا۔

''تم دونوں یہاں آگئے ہو تو تمہارا ہر نشیب و فراز سے واقف ہونا ضروری ہے۔'' میں نے ویرا سے اتفاق کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے بغیر تمہارا محفوظ رہنا دشوار ہوگا، کسی وقت تم میرے لیے بھی مشکلات پیدا کردو گے۔''

وہ دونوں ہمہ تن گوش تھے۔ میں نے انہیں اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات اور واقعات کا خلاصہ سنانا شروع کردیا۔

کم و بیش دو ہفتوں تک الگ رہ کر ویرا کے مزاج میں اتنا ٹھہراؤ آگیا تھا کہ اس نے درمیان میں ایک بار بھی دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے اسد کی معرفت ڈان برنارڈ سے ہونے والی پہلی ملاقات سے لے کر نخشب اور... ابوسالم کی آمد کی تازہ ترین اطلاع تک، سب کچھ انہیں بتا دیا۔

''تم نے آتے ہی یہاں ہلچل مچا دی ہے۔'' میری روداد سن کر ویرا نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''میں ان بھارتیوں کو خوب سمجھتی ہوں۔ را کے افسر ہوں یا ممبئی کے بدمعاش، ان کا رویہ ایک ہوتا ہے۔ بنکاک اس خطے کے اہم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ راجن کے ذریعے انہوں نے یہاں قبضہ کیا ہوا ہے۔ تم ان کے لیے خطرہ بن گئے ہو تو اب وہ سب سر جوڑ کر تمہارے خلاف محاذ بنائیں گے۔ ابھی دو بھارتی بدمعاش آئے ہیں، اگر تمہارے خلاف کچھ ہورہا ہے تو تم میری بات لکھ لو کہ صبح شام میں اور بھی آئیں گے تاکہ راجن کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی کوئی حکمتِ عملی وضع کرسکیں۔''

ویرا نے دور کی بات سوچی تھی۔ اس سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ میں نے پُرخیال انداز میں

Downloaded from https://paksociety.com

زبان کھولی۔ ''ابھی صرف نخشب یہاں ٹھہرا ہے یہ یہاں کا مقبول ترین ہوٹل ہے ہوسکتا ہے کہ دوسرے بھارتی بھی یہیں قیام کرنا پسند کریں۔ ایسا ہوا تو یہ ہوٹل را اور سی آئی اے والوں کا گڑھ بھی بن جائے گا۔ بہتر ہوگا کہ تم ہوٹل تبدیل کرلو۔ اس نازک مرحلے پر تم کسی کی نظروں میں آگئیں تو ہم سب پریشانیوں سے دوچار ہوجائیں گے۔''

''اس بارے میں تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، کوئی ناگزیر مجبوری درپیش نہ ہو تو میں رہائش کے لیے بہترین ٹھکانوں کو ترجیح دیتی ہوں۔ ابھی تم مجھے کمرے میں دیکھ رہے ہو، باہر دیکھو گے تو شاید پہلی نظر میں مجھے پہچان ہی نہیں سکو۔ اپنے تحفظ کے بارے میں، میں خود ضرورت سے زیادہ محتاط ہوگئی ہوں، ذرا یہ تو بتاؤ کہ یہاں ٹھہرنے والے نخشب کا جغرافیہ کیا ہے۔ میرے لیے یہ نیا نام ہے۔''

''وہ تمہارا حسن اور بھارت کے سب سے بڑے ڈان کا نمائندہ ہے۔ دہلی میں جب ایک رنگین مزاج پولیس افسر تمہاری عزت کے درپے تھا تو میں نے نخشب سے رابطہ کیا تھا۔ اس کے ایک فون پر اس افسر کے اوسان خطا ہوگئے اور وہ تمہیں اسی وقت رہا کرنے پر مجبور ہوگیا۔'' میں نے بتایا۔

''یاد آگیا!'' وہ ہنستے ہوئے بولی ''بعد میں وہ افسر میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اب ابوسالم کے بارے میں تمہاری باتوں کا تضاد وضاحت طلب ہے۔ بھارتی ایجنسیاں اس کی دشمن ہیں جب کہ راجن را کا آدمی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ابوسالم را کے ایک ایجنٹ کی مدد پر آمادہ ہوگیا۔''

''راجن بہ ظاہر بنکاک کی زیرزمین دنیا کا بے تاج بادشاہ بنا ہوا ہے۔ را سے اس کا تعلق اندر کی کہانی ہے۔ ابوسالم اس کہانی سے بے خبر ہوگا۔ وہ اپنی دانست میں یہاں اپنی برادری کے ایک اہم فرد کی مدد کرنے کے لیے آیا ہے۔'' میں نے وضاحت پیش کی۔

''تم کہتے ہو تو میں مان لیتی ہوں۔'' اس نے نیم دلی سے کہا۔ ''میرا تجربہ ہے کہ پولیس اور ایجنسیوں کے مقابلے میں بڑے مجرم زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ اگر ابوسالم بے خبری میں راجن کے عزائم کا آلۂ کار بن رہا ہے تو مجھے حیرت ہوگی۔''

''بہ ظاہر یہی نظر آرہا ہے۔ اصل صورتِ حال جلد ہی واضح ہوجائے گی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نخشب اور ابوسالم تفریحی دوروں پر اتفاقاً ایک ہی وقت میں بنکاک آگئے ہوں اور راجن کے چکروں سے ان دونوں کا کوئی تعلق نہ ہو۔''

''پھر تم ان کے بارے میں فکرمند کیوں ہو؟'' ویرا نے سوال کیا۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ تشویش ڈان کی ہے۔ ہم اسے نظرانداز نہیں کرسکتے۔ ہمیں ہر صورت میں محتاط رہنا ہوگا۔''

''ایسے لوگ اجنبی ٹھکانوں پر زیادہ دیر تک نہیں ٹکتے۔'' وہ بولی ''انہیں اپنے خوشامدیوں کے نرغے میں رہ کر جو خوشی حاصل ہوتی ہے وہ دوسری جگہوں پر عنقا ہوتی ہے۔ ایک دو دنوں میں سب کچھ واضح ہوکر سامنے آجائے گا۔''

''اس مہم میں سوبھراج کے انجام کے بارے میں سوچ سوچ کر مجھے پھریریاں آرہی ہیں۔'' چند لمحوں کے سکوت کے بعد سلطان شاہ نے لب کشائی کی۔ ''وہ جو کسی شاعر نے کہا ہے کہ نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا۔ اس کی عبرت ناک موت ایسی ہی بے نام ونشان ہوگی ہے۔''

''انسان زندگی بھر اپنی ساری تدبیریں کرتا رہتا ہے مگر قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے کہا ''میں نے دیکھا ہے کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کردیتا ہے۔''

''میں یہی تو کہتا ہوں کہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی تم لامذہب اور بے دین بنی ہوئی ہو۔'' سلطان شاہ نے اس موقع سے بلاتوقف فائدہ اٹھالیا۔

''کون کہتا ہے میں بے دین ہوں۔ میں نے اپنی کیتھولک ماں کی گود میں آنکھ کھولی اور میں آج بھی کیتھولک چرچ کا احترام کرتی ہوں۔'' ویرا نے تیزی سے کہا۔

''احترام سے کچھ نہیں بنتا۔ تمہارا عمل ہر مذہب سے بہت دور ہے۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم نے دیکھ لیا!'' ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی۔ ''آج کل اس پر کثرت سے ایسے دورے پڑنے لگے ہیں۔''

''میں تم دونوں کے ذاتی معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں تمہیں یہاں کے حالات سے آگاہ کرنے کے ارادے سے آیا تھا تاکہ تم سے بے خبری میں کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔'' میں نے مسکراتے ہوئے ان کی بحث میں فریق بننے سے انکار کردیا۔

''تم ادھر آئے تھے تو غزالہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے آئے..... اس کا کیا حال ہے؟'' ویرا کو اچانک غزالہ کا خیال آگیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''وہ مزے میں ہے۔ میرے ساتھ آرہی تھی لیکن اسی وقت نخشب کی یہاں موجودگی کی خبر ملی اور میں نے اسے اپنے ساتھ لانے کا ارادہ ترک کردیا۔'' میں نے اسے بتایا۔

میری وہاں آمد کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد اٹھنا چاہا لیکن ان دونوں نے مجھے زبردستی روک لیا۔ وہ کوئی تواضع کئے بغیر مجھے رخصت کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ میں نے وقت بچانے کے لیے کافی پینے کی خواہش ظاہر کی۔ کافی آئی اور پی لی گئی۔ اس دوران میں ہم تینوں گزرے ہوئے اہم واقعات اور تازہ ترین حالات پر مختلف پہلوؤں سے اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے رہے۔ جب میں آخرکار ان کے کمرے سے رخصت ہوا تو کئی نئی باتیں میرے ذہن میں سما چکی تھیں۔

ویرا نے مجھ سے کراچی کے حالات کے بارے میں جاننا چاہا تو میں نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے اسے بتا دیا کہ ہمارے نکل آنے کے بعد وہاں کی صورتِ حال مزید پیچیدہ ہوگئی تھی۔ مستقبل قریب میں ہماری واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔

حالات کی وہ تصویر ویرا اور سلطان شاہ کے لیے مایوس کن تھی۔ مجھے ان کے چہروں پر فکر و تشویش کی لکیریں صاف نظر آرہی تھیں لیکن ان میں سے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ جو کچھ ہو رہا تھا وہ ہم سب کے اختیار سے باہر تھا۔ ہماری کوئی تجویز یا تدبیر حالات میں کوئی سدھار پیدا نہیں کرسکتی تھی۔

ان دونوں کی خاموشی سے میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس پریشان کن صورتِ حال کے بارے میں ان کے اپنے اپنے تحفظات تھے جن کے بارے میں وہ اس وقت مجھ سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ میں نے بھی انہیں چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

سیام انٹرکانٹی نینٹل سے اپنے ہوٹل کی طرف واپس جاتے ہوئے میں ذہنی طور پر بہت الجھا ہوا تھا۔ میں اپنی مرضی سے بارہا لمبے عرصے کے لیے پاکستان سے باہر رہا تھا اور مجھے کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں رہی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ تھا کہ میری واپسی کا راستہ ہر وقت کھلا ہوا ہوتا تھا۔ اس بار جلال اور اول خان کے مشترکہ مشوروں پر مجھے بنکاک آئے ہوئے چند ہی ہفتے ہوئے تھے اور فکر و تشویش نے میرے ذہن میں ڈیرے ڈالنے شروع کردیے تھے۔

سبب صرف ایک تھا کہ میں اپنی مرضی سے واپسی کی راہ اختیار کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا۔ ہماری ٹولی میں سب سے زیادہ نازک معاملہ ویرا کا تھا۔ اس نے پاکستان کی خاطر اپنی تمام کشتیاں جلا دیں' اپنے وطن پر لعنت بھیجی اور اپنے ہم وطنوں کی بدترین دشمنی مول لی۔ یہ سب اس نے صرف اس امید پر کیا کہ اسے پاکستان میں مکمل آزادی کے ساتھ رہنے اور بسنے کا یقین تھا۔ اگر اس کے وہ سپنے کسی مرحلے پر سراب ثابت ہوتے تو اس کا مستقبل کیا ہوتا۔ اس بارے میں سوچتے ہوئے میں اپنی ذات سے شرم سار ہو رہا تھا۔

مجھے ویرا کی کہی ہوئی باتوں کا خیال آیا۔ شاید اس کی چھٹی حس کام کر رہی تھی اور وقت اس کی زبان سے زندگی کی تلخ حقیقتیں کہلوا رہا تھا۔

سوبھراج کے عبرت ناک انجام پر اس نے کہا تھا کہ انسان کو اس کے کیے کی سزا کسی نہ کسی طرح دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ شاید وہ ہم سب کے ماضی کے گناہوں کا خمیازہ تھا جو وسوسوں کی صورت میں ہمیں اپنے سامنے نظر آرہا تھا۔ ہم نے حب الوطنی کے لازوال جذبے سے سرشار ہو کر بہت سے نمایاں کارنامے سرانجام دیے، غداروں اور سازشیوں کا ان کی قبروں تک پیچھا کیا لیکن اس سے پہلے ہمارے دامن داغ داغ تھے۔ وہ بات میرے ذہن میں آئی تھی مگر مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ کسی آڑے وقت میں ویرا کو اس کا بتایا ہوا وہ کلیہ یاد دلانے کی کوشش کرتا۔ ویرا نے اس بات کے تسلسل میں خود انسانی فطرت کی ایک اور بڑی کمزوری بیان کردی تھی کہ دکھوں کا شکوہ کرتے ہوئے انسان اپنے اعمال کو یکسر فراموش کردیتا ہے۔ کسی بھی ناگہانی صورتِ حال میں ویرا کو ہرگز یہ یاد نہیں آسکتا تھا کہ لڑکپن سے جوانی تک وہ شی کی بلیک کوئن بن کر کیا کچھ کرتی رہی تھی۔

اس ادھیڑ بن میں، میں اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔ مجھے لاشعوری طور پر ڈان کی کال کا انتظار تھا اگر سیام انٹرکانٹی نینٹل کی نگرانی پر مامور، اس کے کسی آدمی نے مجھے پہچان کر ڈان کو میری وہاں موجودگی کی خبر دی ہوتی تو ڈان مجھ سے یہ جاننے کی کوشش ضرور کرتا کہ میرے اس دورے کے نتائج کیا رہے۔

رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی چلی گئی لیکن ڈان کا فون نہیں آیا۔ ہم دونوں اپنے معمول کے مطابق کمرے میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ٹیلی وژن دیکھ رہے تھے۔ اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ فوری طور پر میرا ذہن ڈان کی طرف گیا۔

میں نے فون کی روشن اسکرین پر نظر ڈالی تو میری رگ وپے میں سنسنی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ فون کی اسکرین پر نظر

Downloaded from https://paksociety.com

آنے والا نمبر راجن کا تھا۔

میں نے فون کان سے لگا کر ہیلو کہا تو راجن کی سپاٹ اور چبھتی ہوئی آواز میرے کان میں گونجی۔ ''اکبر! تم کہاں ہو؟''

''استاد، میں یہیں بنکاک میں ہوں۔'' میں نے اکبر والا انداز اور لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے مؤدب آواز میں کہا۔

''کئی دن گزر چکے ہیں۔ تم نے کیا فیصلہ کیا؟'' اس کی آواز گمبھیر ہوگئی۔

''تم کس بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں جانتے بوجھتے ہوئے انجان بن گیا۔

''تمہارا حافظہ کمزور ہے'' اس کی آواز میں ہلکی سی درشتی آگئی۔ کیا تم کو یاد نہیں کہ میں نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔''

''استاد، میں نے تمہیں اپنے خوف کے بارے میں بتا دیا تھا۔ تم یقین کرو کہ میرے بعض جوڑوں میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ میں تمہارے آدمیوں کی مار کو زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔''

''اس کا مطلب ہے، تمہیں میری زبان اور وعدوں پر کوئی اعتبار نہیں۔''

''مجھے غلط مت سمجھو، میں تمہاری بہت عزت کرتا ہوں۔''

''میں صبح دس بجے تم سے اپنے محل میں ملنا چاہتا ہوں!'' اس کی آواز فیصلہ کن اور تکبر آمیز ہوگئی۔

''استاد، مجھے کام بتا دو، میں کر دوں گا۔ مجھے اپنے پاس نہ بلاؤ۔ ابھی سے میری روح فنا ہو رہی ہے۔'' میں نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ اکبر کے روپ میں، میں اس سے دشمنی مول لینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ میری کوشش یہ تھی کہ عاجزی سے اسے ٹال دوں۔

''تم گدھے ہو'' یکا یک اس کی آواز نرم پڑ گئی۔ اسے اندازہ تھا کہ اس وقت تک میں اس کی دسترس سے بہت دور تھا۔ میں اس کی تلخ کلامی سے خوف زدہ ہو کر اچٹ جاتا تو وہ ایک اہم کارندے کے تعاون سے محروم ہو سکتا تھا۔ اس کے لہجے میں تبدیلی اس امر کی غماز تھی کہ وہ وقت پڑنے پر گدھے کو اپنا باپ بنانے کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے میری ناز برداری پر آمادہ تھا۔ اس کی بات جاری تھی۔ ''تم یقین رکھو کہ میری ذات سے تمہیں بال برابر بھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ صبح تمہارا آنا بہت ضروری ہے۔ نہ آئے تو مجھے اپنے مہمانوں کے سامنے شرمندگی ہوگی۔ وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔''

میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ یقینی طور پر ابو سالم اور نخشب کی بات کر رہا تھا۔ وہی اس کے مہمان ہو سکتے تھے۔ اگر راجن مجھے ان سے ملوانا چاہ رہا تھا تو وہ میرے لیے ان کے عزائم کو جاننے کا بہترین موقع ہو سکتا تھا۔ میں نے ہر خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر لیا۔

''استاد، تم نے مجھے امتحان میں ڈال دیا۔ اگر یہ تمہاری عزت کا معاملہ ہے تو مجھے کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے مہمانوں کو مجھ جیسے غریب مزدور کی ذات میں کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ وہ سب تمہاری طرح امیر کبیر اور بڑے آدمی ہوں گے.....!''

''وہ اتنے بڑے ہیں کہ تم ان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ صبح آ جاؤ، تمہارے بیس ہزار بھات پکے ہیں۔'' اس نے مجھے چاراڈالتے ہوئے کہا۔

''تم وعدہ کر رہے ہو کہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا!'' میں نے اس سے ضمانت طلب کی۔

مجھے اندازہ تھا کہ اس نے اپنے دل ہی دل میں مجھے کوئی ثقیل سی گالی دی ہوگی مگر وہ بولا تو اس کی آواز بہت نرم تھی۔ ''میں شروع سے یہ وعدہ کرتا چلا آ رہا ہوں، اب تمہیں میرے وعدے پر اعتبار کر لینا چاہیے۔ میری بات مانو گے تو زندگی بھر کے لیے محنت مزدوری سے تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔ تم نے ڈینی کا سراغ لگا لیا تو اتنا مال ملے گا کہ تمہاری اولادیں تک عیش کریں گی۔''

''مجھے مال و دولت سے زیادہ تمہاری عزت پیاری ہے۔'' میں نے حریصانہ انداز میں ہتھیار ڈال دیے۔ ''میں دس بجے موتی محل کے دروازے پر پہنچ جاؤں گا۔''

''ویری گڈ!'' میری آمادگی پر وہ کھل اٹھا ''تم بہت سمجھ دار آدمی ہو۔ میں نے تمہیں اسد کے ساتھ ایک نظر دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ تم میرے کام کے آدمی ہو۔ اب صبح آ ہی جانا، ایسا نہ ہو کہ رات بھر میں تمہارا ارادہ کسی نئے خوف سے ڈانواڈول ہو جائے۔ چاہو تو مجھے اپنا پتا بتا دو، میرا ڈرائیور شان دار بیوک لے کر صبح تمہارے دروازے پر پہنچ جائے گا۔''

وہ مکاری سے کام لے کر میرا ٹھکانا معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں میں نے انتہائی مرعوب ہو جانے والے خوشامدانہ لہجے میں جلدی سے کہا۔ ''استاد! تم بے فکر رہو۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ تمہیں کسی کو

Downloaded from https://paksociety.com

بھیجنے کی ضرورت نہیں، میں بسوں میں دھکے کھانے والا آدمی ہوں مال ملنے سے پہلے اپنی عادتیں نہیں بگاڑنا چاہتا۔''

''بس! اب صبح ملاقات ہوگی۔'' اپنا وار خالی جانے پر راجن نے بات وہیں ختم کردی۔

''آپ موتی محل کیوں جارہے ہیں؟'' غزالہ نے وحشت زدہ لہجے میں سوال کیا۔ اس کی آنکھیں کسی ان جانے خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔

''وہاں اس کے مہمان جمع ہوں گے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں!'' میں نے اسے بتایا۔

''کیوں..... آخر وہ آپ سے کیوں ملنا چاہیں گے؟''

''بات میری سمجھ سے باہر ہے، صبح ان سے مل کر ہی پتا چلے گا کہ یہ کیا چکر ہے۔''

''مہمانوں کو کیا معلوم کہ بنکاک میں اکبر نامی کوئی آدمی راجن کے رابطے میں ہے۔ یہ سامنے کی بات ہے۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ راجن کا کوئی چکر ہے۔ وہ ہر قیمت پر آپ کو پھانسنا چاہتا ہے۔ آپ ایک بار وہاں چلے گئے تو اس کے آدمی سایوں کی طرح آپ کے پیچھے لگ جائیں گے۔ آپ کا کوئی راز ان کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گا۔''

''اگر وہ مجھے اپنے مہمانوں سے ملوانے کا ارادہ ظاہر نہ کرتا تو میں ہرگز موتی محل جانے پر آمادہ نہ ہوتا۔'' اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے میں نے مدافعانہ انداز میں کہا۔

''یہ اس کی چال ہے۔ اس نے جان بوجھ کر مہمانوں کا شوشا چھوڑا ہے تاکہ آپ کسی پس وپیش کے بغیر وہاں جانے پر آمادہ ہوجائیں۔''

غزالہ کی اس نرالی منطق پر میں بے اختیار ہنس دیا۔ ''غیر ضروری تجویز نے اس وقت تمہاری عقل ماؤف کی ہوئی ہے۔ اسے کیا پتا کہ مجھے باہر سے اس کے مہمانوں کی آمد کی خبر مل چکی ہے۔ ابھی تو یہ بات صیغہ راز میں ہے کہ اس کے مہمان کون ہیں ہوسکتا ہے کہ نخشب اور ابو سالم کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہ ہو۔''

''مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں۔ وہ دونوں بلاوجہ یہاں نہیں آئے۔ راجن نے مشوروں اور مدد کے لیے انہیں یہاں بلایا ہے۔ اب وہ ان کی آڑ میں آپ کو گھیرنے کی کوشش کررہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کو پکڑ کر تشدد کا نشانہ بنائے گا تاکہ آپ سے ڈینی کے بارے میں ہر بات اگلوا سکے۔''

''یہی میرا سب سے مضبوط نکتہ ہے۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''ابھی تک میرے پاس ڈینی کے بارے میں ٹھوس معلومات نہیں ہیں۔ میں نے پیٹ پونگ کے ایک ہوٹل میں چار آدمیوں کو راجن کے خلاف باتیں کرتے ہوئے سنا ہے۔ میں ان کی تلاش میں مصروف ہوں۔ اس موڑ پر وہ مجھ سے کیا اگلوالے گا۔ وہ مجھے اتنا وقت دینے پر مجبور ہے کہ میں ان چاروں میں سے کم از کم کسی ایک کا سراغ ضرور لگالوں۔ اس کے بعد ہی وہ اپنے طور پر کچھ کرسکے گا۔''

غزالہ خوف سے آنکھیں پھیلائے میری بات سنتی رہی۔ میں خاموش ہوا تو وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ ''آپ جب کوئی فیصلہ کرلیتے ہیں تو اس پر اڑ جاتے ہیں، پھر آپ کو دلیلوں سے قائل کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔ میں کسی حجت میں جائے بغیر صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ آپ موتی محل نہ جائیں۔''

میں نے اٹھ کر نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ ''ضد مت کرو، میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ اگر اس کی نیت خراب ہوئی تو میں وہاں تباہی پھیلا دوں گا۔''

''تلاشی لیے بغیر وہ آپ کو اندر نہیں جانے دیں گے۔ دشمنوں کی بھیڑ میں آپ خالی ہاتھ ان کا کیا بگاڑ لیں گے۔ دس پانچ مکے اور لاتیں کھانے کے بعد وہ آپ پر غالب آجائیں گے۔''

میں نے اپنا داہنا ہاتھ اس کے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے کہا۔ ''ابھی ان انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں اتنا زہر باقی ہے کہ میں ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔ میں پہلے بھی سب مرحلوں سے گزر چکا ہوں۔ وہ ان انگوٹھیوں پر کوئی شبہ نہیں کرسکیں گے۔''

''آپ وہاں جانے پر تل گئے ہیں تو میں آپ کے حق میں صرف دعا کرسکتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ مجھے اپنے ساتھ وہاں نہیں لے جائیں گے۔''

لی اور اس کی مظلوم بہن کی دردناک کہانی اچانک میرے ذہن میں رینگ آئی اور میں نے تڑپ کر کہا۔ ''دنیا ادھر کی ادھر ہوجائے، بھول کر بھی وہاں کا رخ نہ کرنا۔ تم جیسی حسین اور معصوم عورتوں کے لیے وہ درندے ہیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ ان کی غلیظ نگاہیں تمہارے چہرے پر پڑیں۔''

''اگر ان لوگوں نے وہاں آپ سے کوئی محاذ آرائی نہ کی تو راجن کے آدمی آپ کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک

Downloaded from https://paksociety.com

آجائیں گے۔ مجھ سمیت کچھ بھی ان سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔'' غزالہ نے ایک مرتبہ پھر اپنا ابتدائی خدشہ دہراتے ہوئے کہا۔

''یہ مسئلہ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ ان کو چکما دینے کے لیے مجھے شب و روز بنکاک کی سڑکوں پر بھٹکنا پڑا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کروں گا۔ ہوٹل کا رخ اسی وقت کروں گا جب مجھے یہ یقین ہوجائے گا کہ ان کا کوئی آدمی میرا پیچھا نہیں کررہا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں اسے یقین دلایا۔

غزالہ ہر حال میں خوش رہنے والی ایک خانہ دار خاتون تھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی پلکیں اٹھا کر، غزالی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور پھر اپنا سر میرے جسم سے ٹکا دیا۔

وہ غزالہ کی سپردگی اور رضامندی کا ایک انداز تھا۔ اپنا فرض پورا کرکے اس نے آخرکار میری رضا کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کردیا تھا۔

ہم بستر پر دراز ہوچکے تھے کہ ایک مرتبہ پھر ڈان کا فون آگیا۔

''علی! ہوشیار ہوجاؤ۔'' وہ اپنی دبنگ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''اب ہر غلط فہمی دور ہوگئی ہے۔ ان دونوں کو چھوٹا راجن نے بنکاک بلایا ہے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ میں نے ایر پورٹ پر اپنے آدمی پھیلائے ہوئے ہیں جو پل پل کی خبریں پہنچا رہے ہیں۔ اب تک دو اور آدمی آچکے ہیں۔ ان کے نام لالہ کریم اور حاجی مستان ہیں۔ اب یہاں آنے والوں کی تعداد چار ہوچکی ہے۔''

وہ نام میں راجن کی زبان سے سن چکا تھا۔ اس نے فخر کے ساتھ انہیں اپنا استاد تسلیم کیا تھا۔ اس وقت ان ناموں سے زیادہ اہم سوال میرے ذہن میں سر ابھار رہا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا تم نے اپنی گوشہ نشینی ختم کرکے میدان میں آنے کا فیصلہ کرلیا ہے؟''

''وہ وقت بھی آنے والا ہے۔ اس میں ابھی کچھ دیر ہے۔ تم کو اچانک یہ خیال کیسے آگیا؟'' ڈان نے بھاری اور تحکم آمیز آواز میں سوال کیا۔

''تم نے اپنے آدمیوں کو ایر پورٹ پر پھیلانے کا ذکر کرکے مجھے چونکا دیا ہے۔''

''تم سب میرے ہی آدمی ہو۔ تمہاری اور چاؤ فان کی طرح کچھ اور لوگ بھی دل و جان سے میرے وفادار ہیں۔ ایر پورٹ پر موجود نفری کی کمان وہی کررہے ہیں۔ مجھے ان سے خبریں مل رہی ہیں۔''

''لیکن ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ بڑے لوگ راجن کی دعوت پر آرہے ہیں؟''

''اس کا ثبوت سامنے آگیا ہے، حاجی مستان کو لینے کے لیے چھوٹا راجن کا پورا موٹر کیڈ ایر پورٹ پہنچا ہوا تھا۔ اس میں وہ خود نہیں تھا۔ اس کے آدمی حاجی مستان کو موتی محل میں لے گئے ہیں۔ اب میں بنکاک کی فضاؤں میں انسانی خون کی بو سونگھ رہا ہوں۔''

ڈان کے ان الفاظ پر مجھے پھریری سی آگئی۔ راجن کے خطرناک مہمانوں کی تعداد بڑھتی جارہی تھی اور میں صبح دس بجے ان سفاک سرغنوں کا سامنا کرنے کا وعدہ کرچکا تھا۔

''ڈان! وہ پورے بھارت کے نامی گرامی سورماؤں کو جمع کرلے تب بھی اپنی گرتی ہوئی دیوار کو نہیں بچا سکے گا۔ کم از کم میں ان کی آمد سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ یہ بھڑکتے ہوئے چراغ کی آخری لو ہے پھر وہ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گا۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

''تم شیر دل ہو!'' ڈان نے بے ساختہ کہا ''تمہارے ہاتھوں زخمی ہونے کے بعد وہ بدحواس ہوچکا تھا۔ دوسروں سے مدد لینے میں اس کی سکی ہے لیکن اب اسے شاید کسی چیز کی پروا نہیں رہی۔ کاش میرے پاس تم جیسے ایک دو آدمی اور ہوتے تو اب تک یہاں کا نقشہ پلٹ چکا ہوتا۔''

میں اپنی شدید خواہش کے باوجود ڈان کو یہ نہیں بتا سکا کہ بنکاک میں جمع ہونے والے بھارتی اگلی صبح موتی محل میں سر جوڑ کر بیٹھنے کا فیصلہ کرچکے تھے۔

''نقشہ اب بدل کر رہے گا۔ آنے والے زیادہ دنوں تک راجن کو اپنے حصار میں لے کر نہیں بیٹھیں گے۔ وہ جس طرح آئے ہیں اسی طرح جلدی واپس چلے جائیں گے۔''

''میں انہیں یوں نہیں جانے دوں گا۔ میں نے انہیں سبق دینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔'' ڈان کی گمبھیر آواز ابھری۔ ''یہ جہاں بھی جمع ہوں گے، میرے آدمی وہاں ایک خوفناک بارودی حملہ کریں گے، ہر طرف آگ اور بارود کی برسات ہوگی۔ میں اب یہاں ان کے قدم نہیں جمنے دوں گا۔''

''ڈان! کیا تم میرے بغیر یہ منصوبہ بنا رہے ہو؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔ ڈان کے اس منصوبے کے بارے میں سن کر میں پریشان ہوگیا کیونکہ مجھے ان کے اجتماع کے سامنے پیش ہونا تھا۔ میں موتی محل کے اندر موجود ہوتا اور وہاں ڈان کے آدمیوں کا حملہ شروع ہوجاتا تو میں ناقابلِ تصور مشکلات سے دوچار ہوسکتا تھا۔ وہ صورتِ حال بہت سنگین تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''ہاں!'' ڈان کا جواب سن کر میری کھوپڑی بھنّا سے اڑ گئی۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میرے لیے تم بہت اہم اور قیمتی ہو۔ میں تمہیں اس اندھی لڑائی کا ایندھن نہیں بنا سکتا۔ وہ جہاں بھی ہوں گے' میرے آدمی چاروں طرف سے بھرپور حملہ کریں گے اور فرار ہو جائیں گے' ان میں سے کئی مارے جا سکتے ہیں' میرے آدمی زخمی بھی ہوں گے۔ چھوٹا راجن مشکل میں گھرا ہوا ہے۔ اس کے بہت سے آدمی بھاگ چکے ہیں۔ آج اس کے دو نائٹ کلب کھولنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہاں وزنی تالے جھول رہے ہیں پھر بھی وہ ان لوگوں کی حفاظت سے غافل نہیں رہے گا۔ دونوں طرف سے اندھا دھند اسلحہ استعمال ہوگا۔ یہ تمہارا میدان نہیں ہے۔ تمہارا کام اس کے بعد شروع ہوگا۔''

ڈان کے منصوبے کی وہ تفصیل کسی حد تک تسلی بخش تھی۔ اس کے آدمیوں کو مارنا اور بھاگ نکلنا تھا۔ ان کی اچانک کارروائی سے سارا خطرہ موتی محل کے محافظوں اور ملازموں کو ہوتا جو بھانک اور احاطے کی دیواروں کے آس پاس موجود ہوتے۔ راجن کا طلب کیا ہوا اجلاس موتی محل کے کسی اندرونی اور محفوظ کمرے میں ہوتا جہاں افراتفری پھیل سکتی تھی' براہِ راست کسی جانی یا مالی نقصان کا خطرہ نہیں تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے بارے میں ایسی ہمدردانہ سوچ رکھتے ہو۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا ''کیا یہ ذمے داری چاؤفان کو سونپی جائے گی۔''

''مجھے وہ بھی عزیز ہے۔ یہ کام میں ان چاروں حرام خور جواریوں کو سونپوں گا جو دن رات یہاں پڑے ایندتے رہتے ہیں۔'' ڈان بھی ڈسپلن کا آدمی تھا۔ اس کے ذہن میں اپنے منصوبے کا خاکہ تیار تھا۔ وہ کہہ رہا تھا ''یہ ان کے امتحان کا وقت ہے۔ انہیں ثابت کرنا ہوگا کہ وہ ابھی ناکارہ نہیں ہوئے۔''

''اگر حاجی مستان کو موتی محل میں لے جایا گیا ہے تو میرا اندازہ ہے کہ ان لوگوں کا اجتماع وہیں ہوگا۔'' ڈان سے اس کے منصوبے کی پوری تفصیل سن لینے کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ قیاس آرائی کے سہارے اس کی توجہ موتی محل کی طرف مبذول کرادوں۔ بعد میں جب وہ سب لوگ وہیں جمع ہوتے تو ڈان میرے اندازوں کی قابلِ رشک درستی کا قائل ہو جاتا۔

جب تک میرا اور اس کا ساتھ چل رہا تھا' میرے لیے اس کی خوشنودی بہت اہم تھی۔ میں نے ابتدا سے اس کے ساتھ سعادت مندانہ مگر باوقار رویہ اختیار کر کے یہ کوشش کی تھی کہ میرے اور اس کے درمیان باہمی احترام کا تعلق قائم ہو جائے۔ یہ اللہ کا کرم تھا کہ اسے اپنا آلۂ کار بنانے کے باوجود میں اس وقت تک اپنی کوششوں میں کامیاب تھا۔

''یہ برا ہوگا۔'' ڈان نے میری زبان سے موتی محل کا نام سنتے ہی اپنی رائے دے دی ''وہ بہت وسیع و عریض محل ہے۔ اس کے اندر تک گھس کر چھوٹا راجن اور اس کے حلیفوں کو نقصان پہنچانا ناممکن ہوگا۔ وہ کسی ہوٹل میں جمع ہو تو ان میں سے ایک آدھ مارا جا سکتا ہے۔''

''یہ میرا اندازہ ہے۔'' میں نے جلدی سے کہا ''ہو سکتا ہے کہ یہ غلط ثابت ہو۔''

''تم نے بہت کام کیا ہے' اب تھوڑا سا آرام کر لو تاکہ فیصلہ کن ٹکراؤ میں اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لے سکو۔'' اس نے وہ نادر مشورہ دے کر فون بند کر دیا۔

مجھے نئے آنے والوں کے بارے میں کوئی تشویش نہیں تھی' اصل فکر ڈان کے منصوبے کی طرف سے لاحق ہوئی تھی جو ہٹ اینڈ رن کا پلان سننے کے بعد کافی حد تک کم ہو چکی تھی لیکن غزالہ کے چہرے پر تشویش کے آثار گہرے ہو گئے تھے۔

وہ میری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ دوسری طرف سے کہی جانے والی باتیں نہ سننے کے باوجود اس نے بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ اس سے کچھ چھپانا بے سود تھا۔ میں نے بلا کم و کاست اسے نئی صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے یہ بتا دیا کہ ڈان کے یکا یک جوش میں آ جانے سے میرے لیے کوئی نیا خطرہ پیدا نہیں ہوا تھا۔

غزالہ لاکھ دلیر اور معاملہ فہم سہی لیکن پھر بھی ایک عورت تھی۔ اس کے ذہن میں نئے خطرات سر ابھارنے لگے۔ میں بہ مشکل اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہو سکا کہ مجھے خود بھی موت کے منہ میں چھلانگ لگانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس مہم میں زیادہ خطرات نظر آئے تو میں موتی محل کے پھاٹک سے واپس لوٹ آؤں گا۔

☆☆☆

اگلی صبح میں موتی محل کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ چاؤفان کا فون آ گیا۔

''ماسٹر! مبارک ہو' تمہارا اندازہ درست ثابت ہوا۔'' وہ فون پر چہک رہا تھا۔ ''وہ پانچوں ایک ایک کر کے موتی محل میں پہنچ چکے ہیں۔''

مجھے اس سے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ اسے وہ

Downloaded from https://paksociety.com

خبر کہاں سے ملی۔ ڈان برنارڈ سے برا بھلا سننے کے باوجود وہ اس کا منظورِ نظر تھا۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے اس کا باخبر رہنا میرے لیے تعجب خیز نہیں تھا۔

''یہ پانچواں کہاں سے آ گیا؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''مٹھار ہے..... وہ رات دو بجے کی پرواز سے بنکاک پہنچا ہے۔'' اس نے بتایا ''اس وقت وہ پانچوں موتی محل میں ہیں تم کو معلوم ہی ہے کہ وہاں کیا ہونے والا ہے۔''

''رات کو ڈان کا فون آیا تھا۔'' میں نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر کہا ''اس وقت تک مٹھار کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ کیا تماشا دیکھنے کے لیے ادھر جانے کا ارادہ ہے؟''

''ماسٹر! بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرنا ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔ چاروں موٹوں نے رات بھر زبردست تیاری کی ہے۔ بات فائرنگ تک محدود نہیں رہے گی۔ وہاں بم چلیں گے۔ ڈان نے اپنے تمام آدمیوں کو موتی محل کے آس پاس سے ہٹا دیا ہے۔ اس طرف وہی لوگ جائیں گے جو اس مہم میں حصہ لے رہے ہیں۔''

''کیا تم نے مجھے یہ سب بتانے کے لیے فون کیا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ ضمنی باتیں ہیں۔ اصل بات کی مبارکباد میں تمہیں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ ڈان کو حیرت ہے کہ تم اتنے صحیح اندازے کیسے لگا لیتے ہو؟''

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی تو اس وقت صرف ساڑھے آٹھ بجے تھے' مجھے ڈیڑھ گھنٹے بعد موتی محل میں پہنچنا تھا۔ دوسری طرف چاؤ فان موتی محل پر حملے کی تیاریوں کی خبر سنا رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے وہاں پہنچنے سے پہلے ڈان کے آدمی اپنا کام کر گزریں گے اور موتی محل میں اتنی ابتری پھیل چکی ہوگی کہ مجھے ان لوگوں سے ملنے کا موقع نہیں مل سکے گا۔

چاؤ فان کا فون آ ہی گیا تھا تو میں نے اس سے معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ''تیاریاں مکمل ہیں تو بس دس پندرہ منٹ بعد وہاں تباہی پھیل جائے گی۔''

وہ اس وقت موج میں آیا ہوا تھا۔ دھیرے سے ہنس کر بولا ''ماسٹر! تم ہر ایک کو اپنے جیسا پھرتیلا سمجھتے ہو۔ کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ پانچوں اتنے سویرے چھوٹا راجن سے مل بیٹھیں گے۔ ابھی ان کے جمع ہونے کی خبریں ملی ہیں۔ تیاریاں ضرور مکمل ہیں لیکن آدمیوں کو اکٹھا کرنے میں کچھ نہ کچھ وقت ضرور لگے گا۔ یہ سمجھ لو کہ دوپہر سے پہلے کام ہو جائے گا۔''

''یہ خیال رکھنا کہ وہ تمہارے آدمیوں کا نشانہ بننے کے انتظار میں دن بھر موتی محل میں نہیں بیٹھے رہیں گے۔'' میں نے کہا۔

وہ میرے جواب سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا ''ڈان زیرک آدمی ہے۔ یہ بات جانتا ہے۔ وہ ان لوگوں کو تیزی سے ہانک دے گا۔ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے مگر مجھے ساری باتیں معلوم ہو رہی ہیں۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تمہاری وجہ سے ڈان کی نظروں میں اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر رہا ہوں۔''

''یہ کھویا ہوا نہیں' نیا مقام ہے جو تمہیں مل رہا ہے۔''

''تم میرے ماسٹر ہو' جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ میں برا نہیں مناؤں گا۔'' وہ ایسی باتوں کو نہایت ڈھٹائی سے' ہنس کر جھیل جاتا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ تم اس وقت جاگے ہوئے ہو۔ شراب نوشی کرنے والوں کا سورج ذرا دیر سے طلوع ہوتا ہے۔'' میں نے اس پر طنز کیا۔

''تم دیکھ چکے ہو کہ کام سامنے ہو تو میں شراب اور شباب کو بھول بھال کر ساری رات بیدار رہ سکتا ہوں۔ آج کا کام ہو جائے تو میں شام کو جشن منانے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ موڈ ہو تو تم بھی آ جانا۔ میں نے مادام کو دعوت دی ہوئی ہے۔ وہ مان گئی تو مزہ آ جائے گا۔''

''آج کل تم ہر بات میں کسی نہ کسی طرح اس کا ذکر ضرور نکال لیتے ہو!'' میں نے کن انکھیوں سے غزالہ کا جائزہ لیتے ہوئے لی کا نام لیے بغیر کہا۔

''کیا کروں' میں مجبور ہوں۔ عورت جب تک فتح نہ کر لی جائے اسی طرح دل و دماغ پر چھائی رہتی ہے۔'' اس نے ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا ''تمہارے چاہنے سے پہلے عورتیں تمہاری طرف لپکتی ہوں گی۔ تم اس کرب کو نہیں سمجھ سکتے۔''

عورتوں کے بارے میں اس کا نظریہ توہین آمیز بلکہ شرمناک تھا۔ میرے جی میں آئی کہ اسے عورت کے مقام اور مرتبے کے بارے میں بتاؤں' اسے سمجھاؤں کہ عورت کسی کی جاگیر یا ملکیت نہیں ہوتی جسے فتح کیا جائے۔ وہ انسانی فطرت کے لطیف جذبوں میں گندھی ہوئی ایک جیتی جاگتی ہستی ہوتی ہے جسے پیار و محبت سے اپنایا جا سکتا ہے مگر غزالہ

Downloaded from https://paksociety.com

کی موجودگی کے سبب میں چاؤفان کی گرفت نہ کرسکا۔ غزالہ کو ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ اس وقت میرے اور چاؤفان کے درمیان لی کی ذات زیر بحث تھی تو وہ آزردہ ہوجاتی۔

''تمہارا جشن تم کو مبارک ہو۔ میں اپنا وقت ایسی خرافات میں برباد کرنے کا عادی نہیں ہوں۔'' میں نے اسے کورا سا جواب دے کر بات وہیں ختم کردی۔

چاؤفان سے ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں میری ایک پریشانی دور ہوگئی تھی۔ اس کی زبانی مجھے یہ علم ہوگیا کہ موتی محل کے قرب وجوار سے ڈان نے اپنے آدمی ہٹا لیے تھے۔ میرے لیے یہ خدشہ باقی نہیں رہا تھا کہ ان میں سے کوئی مجھے موتی محل میں جاتا ہوا دیکھ کر ڈان کو خبر کردے گا۔

اس اطمینان کے ساتھ مجھے ایک نئی تشویش لاحق ہوگئی۔ ڈان کے کیمپ میں موتی محل پر حملے کی تیاریاں زور وشور سے جاری تھیں۔ وہ کارروائی کسی بھی وقت ہوسکتی تھی۔ اس کے صحیح وقت کا تعین کرنا میرے لیے دشوار تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے یا بعد میں وہ حملہ ہوتا تو مجھے کوئی گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں تھا۔ وہ لوگ میرے داخلے کے وقت موتی محل پر اچانک دھاوا بول دیتے تو ان کے ہاتھوں میری ہلاکت کا امکان بہت قوی نظر آرہا تھا۔

فکر وتشویش کے باوجود میں نے اپنی تیاری جاری رکھی۔ میں نے بالوں کے اسٹائل وغیرہ میں یہ احتیاط رکھی کہ سب کچھ میرے معمولات سے اتنا مختلف ہو کہ مجھے ایک نظر میں نہ پہچانا جاسکے۔

میں نے تیار ہوکر روانگی کا ارادہ کیا تو غزالہ نے مجھے یاد دلایا کہ دس بجے کی ملاقات کے لیے میں نو بجے سے پہلے روانہ ہورہا تھا۔ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ مجھے ڈان کے آدمیوں کے حملے کی زد میں آنے کا خطرہ تھا' میں ان کی کسی کارروائی سے پہلے موتی محل میں داخل ہوکر محفوظ ہوجانا چاہتا تھا۔

ٹیکسی کی تلاشی میں مجھے ہوٹل سے باہر نہیں جانا پڑا۔ پورچ میں خالی ہونے والی ایک ٹیکسی کی عقبی نشست میں' میں اس طرح دھنس کر بیٹھ گیا کہ باہر سے مجھے پوری طرح نہ دیکھا جاسکے۔

موتی محل شہر کا ایک معروف نام تھا۔ میں ٹیکسی ڈرائیور کے سامنے وہ نام لیتا تو مجھے اس کے دروازے پر اتار دیتا مگر میں احتیاط کے پیش نظر اس نام سے گریز کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ معمولی سی بات تھی لیکن اس وقت اہمیت اختیار کرگئی۔ مجھے اس علاقے کا کوئی متبادل حوالہ معلوم نہیں تھا۔ میں نے اضطراری طور پر پیٹ پونگ کا نام لیا اور ٹیکسی حرکت میں آگئی۔

اس وقت موتی محل کا نام لینے سے گریز کرنے کا مدعا صرف اتنا تھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کو یہ علم نہ ہوسکے کہ اس نے ہلٹن ہوٹل سے کسی کو موتی محل پہنچایا تھا۔ ایک اجنبی شہر میں اپنے خون آشام دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لیے وہ احتیاط ناگزیر تھی۔

پیٹ پونگ صرف عیاشی کا گڑھ نہیں ہے۔ دن کے اوقات میں وہاں تجارتی اور کاروباری سرگرمیاں پورے زور وشور سے جاری رہتی ہیں۔ وہاں پہنچ کر میں دوسری ٹیکسی میں سوار ہوا۔ اس بار میں نے بے دھڑک ہوکر ڈرائیور کو موتی محل کا نام بتادیا۔

نو بج کر بیس منٹ پر میں موتی محل کے پھاٹک سے اندر داخل ہوچکا تھا۔ اس وقت وہاں مطلع صاف تھا لیکن اندر عجیب سی ویرانی اور بے رونقی کا راج تھا۔ چند لمحوں میں اس کا سبب بھی سمجھ میں آگیا۔ پہلے کے مقابلے میں وہاں ملازموں اور محافظوں کی بہت کم تعداد نظر آرہی تھی۔ راجن کے آدمیوں کے چلے جانے کے بارے میں ڈان کی معلومات بے بنیاد نہیں تھیں۔

اکبر کے نام سے میرا تعارف ہوتے ہی موتی محل کے محافظ مؤدب نظر آنے لگے۔ انہیں میری آمد کے بارے میں پیشگی ہدایات ملی ہوئی تھیں۔ سرسری جامہ تلاشی کے بعد ایک محافظ مجھے اپنے ساتھ لے کر اندر چل دیا۔ اس نے راستے میں مجھے بتایا کہ میری آمد کے لیے دس بجے کا وقت طے تھا اس لیے مجھے اندر بیٹھ کر کچھ دیر انتظار کرنا ہوگا۔

راجن کا آراستہ اور پرشکوہ ڈرائنگ روم میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں اسد کے ساتھ وہاں راجن سے ایک ملاقات کرچکا تھا۔ مجھے وہاں بٹھا کر محافظ باہر چلا گیا۔

وہاں بیٹھتے ہی میں نے اپنے کان اندر سے آنے والی آوازوں پر جمادیے۔ میرے لیے یہ خیال بہت سنسنی خیز تھا کہ اسی عمارت میں کہیں چھ نامی گرامی بھارتی شہری میرے خلاف سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔

اندر سے کچھ ہی جلی آوازیں آرہی تھیں۔ میرے لیے وہ بس آوازیں ہی تھیں' ان کا کوئی مفہوم میرے پلے نہیں پڑسکا۔ اسی دوران میں ڈرائنگ روم کا اندرونی دروازہ کھلا اور ایک جواں سال بھارتی ملازمہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی میری طرف چلی آئی۔

ٹرالی میں واڈکا اور جن کی شفاف بوتلوں کے ساتھ ٹی

Downloaded from https://paksociety.com

کوزی سے ڈھکی ہوئی کیتلی بھی موجود تھی۔ ملازمہ نے میرے لیے کوئی مشروب تیار کرنے کی پیشکش کی' میں نے چائے کی فرمائش کی اور وہ میرے لیے چائے کی پیالی بنا کر اندر لوٹ گئی۔ جاتے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ کھلنے کے بعد اندر سے آنے والی آوازیں قدرے واضح ہوئیں جو دوبارہ معدوم ہو گئیں۔

میرے لیے وہ صبر آزما اور اعصاب شکن صورتِ حال تھی۔ میں اپنے بدترین دشمن کی چھت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اندر میرے خلاف جوڑ توڑ ہو رہے تھے۔ باہر سے کسی بھی لمحے خوفناک حملہ ہونے والا تھا اور گھڑی کی سوئیاں رینگ رینگ کر آگے بڑھ رہی تھیں۔

میرے معدے نے آدھی پیالی سے زیادہ چائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چائے چھوڑ کر میں نے سگریٹ سلگائی اور اضطراری انداز میں ایک بڑی دیوار گیر پینٹنگ کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ میری نگاہیں اس تصویر پر مرکوز تھیں لیکن ذہن کہیں اور تھا۔

اس دوران میں' میں ایک بار ٹہلتا ہوا نکاس کے دروازے کی طرف گیا تو مجھے وہاں تک لانے والا محافظ برآمدے میں مستعد کھڑا ہوا تھا۔ جیسے جیسے انتظار کے لمحات طویل ہوتے جا رہے تھے' میرے اعصابی دباؤ میں بہ تدریج اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

میں اپنے ہوٹل کے کمرے میں تھا تو میری یہ خواہش تھی کہ میں جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤں تاکہ ڈان کے آدمیوں کے ناگہانی حملے کی زد میں آنے سے بچ سکوں۔ راجن کے ڈرائنگ روم میں انتظار کے کٹھن لمحات سے گزرتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ میں نے وقت سے پہلے وہاں آ کر سخت غلطی کی' اس سے بہتر تھا کہ میں کسی بھی خطرے کی پروا کیے بغیر مقررہ وقت پر آتا اور ہر قسم کے اعصابی تناؤ سے آزاد رہ کر راجن اور اس کے مہمانوں کا سامنا کرتا۔

پونے دس بجے اندرونی دروازہ کھلا اور وہاں سے کرتے پاجامے میں ملبوس راجن برآمد ہوا تو میں نے اٹھ کر اسے تعظیم دی۔ یہ دیکھ کر مجھے مسرت ہوئی کہ کرتے کی آستین میں اس کا بایاں بازو بہت پھولا ہوا تھا اور بے جان انداز میں پہلو میں جھول رہا تھا۔

''تم وقت سے بہت پہلے آ گئے!'' راجن نے دبنگ آواز میں شکایت کی۔

''میں ڈر رہا تھا کہ مجھے دیر نہ ہو جائے۔ اس چکر میں وقت سے پہلے آ گیا۔'' میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں وضاحت کی پھر پوچھا۔ ''استاد! تمہارا بایاں ہاتھ لٹکا ہوا ہے..... خیریت تو ہے نا؟''

''گر گیا تھا۔ معمولی چوٹ آئی ہے!''

''استاد' آنبہ ہلدی' چوٹ سجی اور چونے کا لیپ لگاؤ' چند گھنٹوں میں سارا درد دور ہو جائے گا۔'' میں نے اس کی بات ختم ہوتے ہی اپنا نادر مشورہ پیش کر دیا۔ اسے اپنے روبہ رو پا کر میرا سارا ذہنی اور اعصابی انتشار یک بہ یک کافور ہو گیا۔

''شٹ اَپ!'' اس نے کسی اشتعال کے بغیر منہ بنا کر کہا ''مجھے ان گھٹیا مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ساتھ آؤ' اندر کوئی فالتو بات نہ کرنا۔ جو پوچھا جائے صرف وہی بتاؤ گے۔''

وہ واپسی کے لیے مڑ گیا۔ اس کا لٹکا ہوا ہاتھ دیکھ کر میں یہ سمجھ چکا تھا کہ میری چلائی ہوئی ناقص گولی نے اس کے بازو کی ہڈی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ بازو کا زخم اتنا گہرا ضرور تھا کہ وہ موٹی پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور راجن وہ ہاتھ ہلانے سے معذور تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر اس امتحان سے گزر رہا تھا کہ وہ میری نیت سے بالکل بے خبر تھا' میں چاہتا تو پیچھے سے لپک کر آہستگی سے اس کی گردن دبوچتا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ اس کا قصہ پاک ہو جاتا مگر میری خیر نہ ہوتی' نکاس کے دروازے کے باہر راجن کا مسلح محافظ براجمان تھا' اندر کہیں پانچ خطرناک افراد سر جوڑے ہوئے بیٹھے تھے۔ میرے لیے کسی طرف سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ میری جان اتنی ارزاں نہیں تھی کہ اسے ایک راجن کے نام پر داؤ پر لگا دیا جاتا۔

دروازے سے گزر کر وہ ایک مختصر اور آراستہ لابی سے ہوتا ہوا ایک بغلی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ دروازہ کھلتے ہی جلے ہوئے تمباکو اور الکحل کی ملی جلی تیز بُو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اسی کے ساتھ ایک بلند آہنگ قہقہہ سنائی دیا۔

اندر زور و شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کمرا یقینی طور پر ساؤنڈ پروف تھا۔ ایسا نہ ہوتا تو اس کمرے کا دروازہ کھلنے سے پہلے بھی کچھ نہ کچھ ضرور سنائی دیتا۔

اس وقت وہ کمرا میرے لیے مقتل سے کم نہیں تھا۔ میں چھٹے ہوئے گھاگ بدمعاشوں کے سامنے جانے والا تھا جن کی عقابی نظروں سے کچھ چھپانا آسان نہیں تھا۔ دروازہ

Downloaded from https://paksociety.com

کھلتے ہی قہقہے کے ساتھ دوسری آوازیں یکا یک معدوم ہوگئیں۔

دروازے سے گزرتے ہی میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ اس کمرے میں نرم، دبیز اور بڑے بڑے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک صرف ایک فرد کے لیے تھا۔ ان میں سے پانچ پرخوفناک اور رعب دار چہروں والے افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں تھا۔ جرائم کی خبروں کے حوالے سے گاہے گاہے ان کی تصاویر اخباروں میں چھپتی رہتی تھیں۔ چہرے شناسا تھے مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ کس کا نام کیا ہے۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نظر نہیں آرہا تھا۔

راجن اپنے بائیں ہاتھ کو سنبھالتا ہوا احتیاط سے ایک صوفے میں دھنس گیا۔

وہ کمرا بہت وسیع اور آراستہ تھا۔ ہر طرف منقش اور دبکی ہوئی تپائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وسط میں پڑی ہوئی میز پر سفید شرابوں کے ساتھ ٹانک واٹر اور سوڈے وغیرہ کی کئی خالی بوتلیں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ ان پانچوں کے سامنے رکھی ہوئی تپائیوں پر گلاسوں کے ساتھ پنیر اور ڈرائی فروٹ کی نقرئی پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ دن دیہاڑے مے نوشی میں مصروف تھے۔

وہاں مزید کئی صوفے خالی تھے لیکن کسی نے مجھے بیٹھنے کی پیشکش نہیں کی۔ اپنے ابتدائی جائزے کے بعد میں کسی مجرم کی طرح سر جھکا کر کھڑا ہوگیا۔ ان سب کی تیز نگاہیں مجھے اپنے جسم سے آرپار ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

''تو یہ تمہارا ٹاؤٹ ہے!'' روح میں اتر جانے والے گہرے سکوت میں بڑی بڑی مونچھوں والے ایک خوں خوار شخص کی درشت آواز ابھری۔

''ہاں منٹھار!'' راجن نے جواب دیا ''اس نے مجھے بروقت ہوشیار کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن میں نے اسے منہ نہیں لگایا۔ اس کی بات سن لی ہوتی تو شاید اس وقت ہم وائٹ ہاک کے کسی کیبن میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔''

''مجھے یہ صورت سے مکار اور چھٹا ہوا بدمعاش معلوم ہو رہا ہے۔'' منٹھار کے الفاظ اور لہجے میں میرے لیے تحقیر کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ''ایسے آدمی کی کسی بات پر بھروسا نہیں کیا جاسکتا..... کیوں حاجی، تو کیا کہتا ہے۔''

راجن کے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص نے ایک کا جو منہ میں ڈالا اور اسے دانتوں سے کچلتے ہوئے بولا ''دنیا آگے جارہی ہے۔ آج کل کوئی مکار نہ ہو تو اسے بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔'' پوچھے گئے سوال کا جواب دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوگیا۔ ''کیوں بے! تو نے کیا سنا اور دیکھا تھا۔''

''میں استاد کو بتا چکا ہوں!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''پھر بتا!'' وہ گرج کر بولا ''ہم سب تیرے استاد ہیں۔''

میں نے چھری کے نیچے آئے ہوئے بکرے کی طرح بے بسی سے راجن کی طرف دیکھا' اس نے اپنے سر کو جنبش دے کر مجھے بولنے کا اشارہ کیا۔

اس ماحول میں ان لوگوں کو دیکھ کر میں خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔ راجن کے علاوہ وہ سب پولیس کو مطلوب تھے مگر آزادی کے ساتھ دنیا بھر میں گھوم پھر رہے تھے۔ وہ ممبئی میں ہوتے ہوئے بھی بھارتی پولیس اور ایجنسیوں کے لیے آسیب بنے رہتے تھے جو اپنے معمول کو ہلکان کرتا ہے لیکن اس کا سراغ لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ میں نے محسوس کیا کہ راجن ان پانچوں سے کم تر تھا۔ اس کی فریاد پر وہ بزرگانہ انداز میں اس کی سرپرستی کی رسم نبھانے کے لیے بنکاک آئے ہوں گے۔

میں نے دانستہ رک رک کر پیٹ پونگ میں ایک سردار جی کے ہوٹل میں سنی ہوئی وہ مفروضہ کہانی سنانی شروع کردی جو میں راجن کو سنا چکا تھا۔

''اس میں ڈینی کا نام تو نے کہاں سے سن لیا؟'' میرے خاموش ہونے پر خشخشی داڑھی والے گورے شخص نے مخمور آواز میں سوال کیا۔

''مم..... مجھے ہر بات لفظ بہ لفظ یاد نہیں ہے۔ انہوں نے کئی بار ڈینی کا نام لیا تھا۔''

''ڈرو نہیں!'' راجن نے مجھے دلاسا دیا ''بے خوف ہو کر بات کرو۔ یہ سب میرے مربّی اور دوست ہیں۔ ان کو ناؤ والی بات بتاؤ۔''

میں ان لوگوں کے سامنے اداکاری اور صداکاری کر رہا تھا مگر میرا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے گنتی کے سوالوں سے میں نے بھانپ لیا تھا کہ وہ پانچوں بنکاک میں ڈینی کی موجودگی تسلیم نہیں کر رہے تھے۔ راجن نے اپنی اس دہشت کی تائید کے لیے مجھے ایک گواہ کے طور پر ان کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

اس وقت میں ڈینی کی بنکاک میں موجودگی کے حوالے سے کوئی حاشیہ آرائی کر گزرتا تو راجن مجھے ہرگز نہ ٹوکتا۔ میرے بلائے جانے کا مقصد ایک ہی تھا کہ میں شہر میں ڈینی

Downloaded from https://paksociety.com

کی موجودگی کی تصدیق کردوں۔

''وہ کہہ رہے تھے کہ سب کام جاری منصوبے کے مطابق ہوتے چلے گئے تو راجن کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا' ڈینی اس کی ناؤ ڈبودے گا۔''

میں نے اس بیان میں ڈینی کے لفظ کا اضافہ کیا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے راجن کے سیاہی مائل چہرے کا رنگ متغیر ہوا مگر وہ اسی لمحے سنبھل گیا۔

حاجی مستان شاید راجن کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے راجن کے چہرے کی اضطراری تبدیلی پڑھ لی۔ ایک لمبا گھونٹ لے کر اپنا گلاس زور سے تپائی پر پٹخا اور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''خنخشب! سالے کے دو تین کرارے ہاتھ لگا۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔''

خشخشی داڑھی والے نے فوری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی۔ اس سے پہلے کہ وہ جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری طرف لپکتا' راجن نے بے چین ہوکر غیر ارادی طور پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس کو روکنے کی کوشش کی۔ اس کا بایاں ہاتھ اپنی جگہ پر ہل کر رہ گیا۔ راجن کے چہرے پر کرب و اذیت کی ایک لہر سی تیر گئی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ بایاں ہاتھ ہلانے کی کوشش نے اس کی جان نکال دی تھی۔

وہ اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے بولا ''خنخشب' تو بیٹھ جا۔'' یہ کہہ کر وہ مستان کی طرف متوجہ ہوگیا ''مستان بھائی! تم میرے بڑے ہو۔ مجھے دس ہاتھ مارلو' میں اُف بھی نہیں کروں گا۔ اکبر ڈرپوک آدمی ہے۔ اسے میں نے مشکل سے یہاں آنے پر آمادہ کیا ہے۔ اسے مار پڑی تو یہ بھاگ جائے گا۔ مجھے بتاؤ کہ تمہیں اس پر کیا شبہ ہے!''

''راجن! مستان بھائی کے بیچ میں مت بول۔'' چوتھے آدمی نے رو کھے لہجے میں پہلی بار اپنی زبان کھولی۔ ''ہم سب تیرے بھائی بند ہیں' تیری مدد کرنے کے لیے یہاں آئے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ تو یہاں راج کر کے ہم سب کا نام اونچا کر رہا ہے۔ ڈینی سالا یہاں ہے تو ہم اس کا تیا پانچا کر دیں گے۔ اکبر پر مجھے بھی بھروسا نہیں ہو رہا۔ سالے کی آنکھیں دیکھ' کیسی چڑھی چڑھی اور بے وفا لگ رہی ہیں۔''

اس کے آخری فقروں پر کمرے میں ان سب کے بے ساختہ قہقہے گونج اٹھے۔ راجن کا چہرہ ستا ہوا نظر آنے لگا۔

پانچواں اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے درشت آواز میں بولا ''راجن! تو دو گھنٹوں کے لیے مجھے اکبر کے ساتھ ایک کمرے میں چھوڑ دے۔ اس کی ایک ہڈی سچ نہ بولنے لگی تو میں تجھ سے اپنے منہ پر تھکوالوں گا۔''

راجن کے سوا ان سب کے تیور یکا یک بگڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ اس تالاب میں پہلا پتھر مستان نے پھینکا تھا۔ وہ عمر' تجربے اور مرتبے میں ان سب سے بڑا نظر آرہا تھا۔ ان میں آپس کی کیسی بھی پیشہ ورانہ رقابتیں رہی ہوں' اس وقت وہ سب اس کے ہم خیال ہوگئے تھے۔

''یہ سچ بول رہا ہے' میں نے چھان بین کرلی ہے.....!'' راجن نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا تھا کہ مستان نے برہمی سے اس کی بات کاٹ دی۔

''سب کچھ تجھے کرنا تھا تو ہمیں کیوں بلایا ہے!'' وہ غراتے ہوئے بولا۔ ''اپنا معاملہ ہمیں سونپ کر تما شا دیکھ یا پھر ہم چلتے ہیں' تو ڈینی سے خود نمٹتا رہ۔ ابھی تیرے ایک ہاتھ میں گولی لگی ہے۔ کل دل میں اتر جائے گی۔''

مستان کی تائید طلب نظریں اپنے ساتھیوں کی طرف اٹھ گئیں اور کمرا ان کی تیز و تند آوازوں سے گونج اٹھا۔ وہ سب اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے۔

''تم اتنی سی بات کو بلاوجہ بڑھا رہے ہو!'' راجن نے بے جان آواز میں کہا ''میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ اس سے اچھی طرح پوچھ گچھ کرلو مگر اس سے مار پیٹ نہ کرو۔''

''راجن! تو پاگل ہوگیا ہے!'' منٹھار اپنی مونچھ کے ایک سرے کو تاؤ دیتا ہوا بولا ''اس کی صورت ذرا غور سے دیکھ۔ سالا پکا پاپی لگتا ہے۔ تو نے سنا ہے نا کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ یہ اسی ذات کا ہے' جب تک اسے چار چوٹ کی مار نہیں پڑے گی یہ کچھ نہیں اگلے گا۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ یہ تجھے ڈبل کراس کر رہا ہے۔ میں جب تک اس کا پورا شجرہ نہیں کھودلوں گا۔ مجھے اس پر اعتبار نہیں آئے گا۔ یہ کون ہے' کہاں سے آیا ہے' اس کے بال بچے یا ماں باپ کہاں ہیں' وہ کیا کرتے ہیں' آئی بی والے سے اس کی دوستی کیسے ہوئی۔ ہزار سوال ہیں' جب تک ان کے جواب نہیں ملتے' میں اس کی کوئی بات نہیں مان سکتا۔''

بات بہت تیزی سے بگڑتی چلی گئی تھی۔ راجن نے اپنا وعدہ نبھانے کے لیے میری حمایت کرنے کی جو کوشش کی تھی وہ میرے اور اس کے خلاف چلی گئی تھی۔ راجن کے چہرے پر نمودار ہونے والے بے بسی کے آثار دیکھ کر مجھے اپنی عاقبت خراب ہوتی نظر آرہی تھی۔

موتی محل میں میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا وہ میری توقعات کے بالکل برعکس تھا۔ مجھے سارا خطرہ راجن کی

Downloaded from https://paksociety.com

بدنیتی سے تھا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ راجن میرا حامی بنا ہوا تھا اور اس کے پانچوں مہمان میرے خلاف صف آرا ہو چکے تھے۔ وہ راجن پر اس بری طرح حاوی نظر آرہے تھے کہ وہ زیادہ دیر تک ان سے اختلاف رائے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

میرے لیے وہ لمحات فیصلہ کن تھے۔ یہ بات تسلی بخش تھی کہ وہ سب غیر مسلح تھے۔ میں ان پر ٹوٹ پڑتا تو پہلے ہی وار میں ایک دو کو آسانی سے جہنم واصل کرسکتا تھا۔ بقیہ حریف شاید دہشت زدہ ہوکر خود مجھے راہ دے دیتے۔ میں اس کمرے سے نکل سکتا تھا۔ اس سے آگے کا مرحلہ بہت سخت اور دشوار تھا۔ راجن کے پاس نفری کی شدید قلت ہوچکی تھی مگر میں نے اندر آتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا کہ باہر کئی مسلح محافظ موجود تھے۔

اصل عمارت سے نکل کر پھاٹک یا احاطے کی دیوار تک پہنچنا میرے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ اس دوڑ میں موت کے غالب آنے کے امکانات زیادہ تھے۔

''اگر تم سب کی یہی رائے ہے تو پھر میں کیا کرسکتا ہوں۔ راجن نے بے بسی سے کہا'' میں اتنا بتادوں کہ میں اپنی سکی محسوس کررہا ہوں' ایسا لگ رہا ہے جیسے اکبر کے بارے میں میری کہی ہوئی باتوں پر تم سب کو یقین نہ ہو۔''

منٹھار اور مستان کی نگاہیں چار ہوئیں پھر مستان نے کہا ''تیری سکی تو اس وقت ہوتی جب تو نے ہم سب کو فون کیا۔ یہ سب کہنے سننے کی باتیں ہیں' اپنوں میں کسی کی سکی نہیں ہوتی۔ اب بات تیری نہیں رہی۔ یہ اکبر کا معاملہ ہے۔ تو اسے اپنی ذات سے کیوں ملا رہا ہے۔ سکی وکی کے چکر میں پڑنے کے بجائے یہ سمجھ کہ اکبر تجھے بھی دھوکا دے رہا ہے۔ ہماری وجہ سے تیری آستین میں پلنے والا سانپ مرجائے تو سوچ کہ کس کا فائدہ ہے..... ہمارا یا تیرا؟''

مستان کی عقابی آنکھیں راجن کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔ اس نے بات ایسے سوال پر ختم کی تھی جس کا جواب دینا لازم تھا۔ راجن نے اپنی جگہ کسمسا کر کہا ''تم میرے فائدے کی بات سوچو گے۔ اب اکبر تمہارے حوالے ہے۔ اسے اچھی طرح کھنگال لو۔ میں ایک لفظ.....''

راجن کا جواب ادھورا رہ گیا۔ ایک پرزور دھماکے کی گھٹی گھٹی آواز کے ساتھ اس کمرے کے در و دیوار ہل کر رہ گئے اور وہ سب بھڑک کر اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے مرجھائے ہوئے وجود میں فرحت و تازگی کی ایک لہر سرایت کرگئی ہو۔ ان خبیثوں کے جارحانہ چنگل میں پھنس کر میری عقل اس بری طرح ماؤف ہوگئی تھی کہ میں موتی محل پر ڈان کے آدمیوں کے متوقع حملے کو یکسر فراموش کر بیٹھا تھا۔

راجن کا وہ کمرا ساؤنڈ پروف تھا۔ ڈرائنگ روم میں انتظار کے دوران کمرے کی وہ خصوصیت میرے تجربے میں آچکی تھی۔ وہاں سے اندر کی آوازیں باہر جاسکتی تھیں نہ باہر کی معمول کی آوازیں اندر سنائی دے سکتی تھیں۔ بم کے دھماکے کی بات دیگر تھی۔ اس نے کمرے کے ساتھ وہاں موجود لوگوں کو بھی بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

مجھے خوشی تھی کہ وہ حملہ بہت بروقت شروع ہوا تھا۔ ڈان کے آدمیوں کا جم کر مقابلہ کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا۔ انہیں بم اور گولیاں برسا کر بھاگ جانا تھا۔ خوف و ہراس کی اس طوفانی لہر سے فائدہ اٹھا کر مجھے بھی سرعت سے فرار کی راہ تلاش کرنا تھی۔ وہاں جو کچھ ہو چکا تھا وہ کافی تھا۔ میرے لیے وہاں رکنا ایک عذاب کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔

دھما کا ہوتے ہی وہ بس لمحہ بھر کے لیے اپنی جگہوں پر بھونچکا سے کھڑے رہے' خشب دروازے کے قریب تھا۔ اس نے لپک کر دروازہ کھولا اور یکا یک فائرنگ کا ہولناک شور سنائی دیا۔ وہ سب بدحواس ہوکر ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہوئے دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگے۔ بم کے پہلے دھماکے کی گونج معدوم ہوتے ہی دوسرا اور پھر تیسرا دھماکا ہوا۔ اس دوران میں دھواں دھار فائرنگ کا شور مسلسل گونجتا رہا۔

ان میں کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہاں کیا ہورہا تھا۔ ساؤنڈ پروف کمرے سے نکل کر وہ سب اندر کی طرف بھاگے' میں ان کے پیچھے دوڑتا ہوا باہر نکلا اور چشم زدن میں ڈرائنگ روم سے ہوتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

بموں کے تین پے در پے دھماکوں اور فائرنگ کے شور سے یوں محسوس ہورہا تھا جیسے مسلح دشمنوں کا کوئی غول موتی محل میں گھس آیا ہو۔ اندر والے اندر ہی پناہ گاہیں ڈھونڈنے میں لگ گئے تھے میں پہلا اور تنہا شخص تھا جو اندر سے باہر نکلا۔

پھاٹک سے مجھے ڈرائنگ روم تک لانے والا گارڈ سینے کے بل برآمدے کے فرش پر اپنی رائفل تانے پڑا ہوا تھا۔ احاطے میں دھول ہی دھول اڑ رہی تھی مجھے ایک نظر میں اندازہ ہوگیا کہ کم از کم دو بم سامنے کے حصے میں گرے تھے۔

''لیٹ جاؤ' گولیاں چل رہی ہیں..... مارے جاؤ

Downloaded from https://paksociety.com

گے!'' مجھے دیکھتے ہی گارڈ پھنسی پھنسی آواز میں چیخا۔
''یہاں بم باری بھی ہو رہی ہے۔''
موتی محل کے مکین بے خبری میں اس صورتِ حال سے دوچار ہوئے تھے اس لیے دہشت زدہ ہو کر پناہ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ مجھے علم تھا کہ میرے اور ڈان کے آدمیوں کے درمیان احاطے کی فصیل نما دیوار حائل تھی۔ ان کا اندر گھسنے کا کوئی پلان نہیں تھا اس لیے ان کی فائرنگ سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔
موتی محل کے مسلح محافظوں کی فائرنگ کا رخ باہر کی طرف تھا۔ میں ان کی گولیوں سے بھی محفوظ تھا میں نے گارڈ کی ہدایت سنی اَن سنی کر کے پوری قوت سے پھاٹک کی طرف دوڑ لگادی۔
میں فضا میں اڑتے ہوئے گرد و غبار کے بادل میں گزر رہا تھا کہ اچانک فائرنگ کا زور ٹوٹ گیا۔ میں نے اندازہ لگالیا کہ ڈان کے آدمی اپنا مشن پورا کر کے بھاگ نکلے ہیں۔ رہی سہی گولیاں موتی محل کے اعصاب زدہ محافظ چلا رہے تھے۔
میں پھاٹک تک پہنچا تو مجھے کہیں کوئی متنفس نظر نہیں آیا۔ راجن کے تمام آدمی کسی نہ کسی آڑ میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی کمین گاہوں سے ہوا میں فائرنگ کر رہے تھے۔
اس قیامت خیز ماحول میں کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا' سب کے اوسان خطا ہو چکے تھے۔ میں پھاٹک تک پہنچا تو وہ بند تھا۔
لمحہ بھر کے لیے مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ اس وقت مجھے پھاٹک کے برابر میں دراڑ نما چھوٹا سا رستہ نظر آ گیا۔ جو شاید ملازمین کی پیدل آمد و رفت کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ امید کی وہ کرن نظر آتے ہی میری رفتار خود بہ خود تیز ہو گئی۔
''رک جاؤ!'' پھاٹک کی چیک پوسٹ سے کوئی چیخا۔ ''باہر مسلح دشمنوں کا راج ہے۔''
وہ جو کوئی بھی تھا مجھے اپنوں میں سے سمجھ کر ہمدردی دکھا رہا تھا مگر میرے لیے وہ موت کی پکار تھی۔ میں نے اسے نظر انداز کیا اور چشم زدن میں کھلے ہوئے راستے سے باہر نکل گیا۔
موتی محل پر مسلح افراد کی لشکر کشی کا واقعہ بنکاک کے شہریوں کے لیے معمولی نہیں تھا۔ وہ بارونق اور پُرہجوم علاقہ اس وقت تک ویران ہو چکا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گولیوں کی پہلی باڑ کے ساتھ تمام دفاتر اور دکانوں کے دروازے بند کر دیے گئے ہوں۔ جہاں چلنے کے لیے مشکل سے راہ ملتی تھی وہاں دور دور تک کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔
موتی محل سے باہر آ کر میں نے سڑک عبور کرنے کے بجائے احاطے کی دیوار کے ساتھ دوڑ لگادی سڑک پار کرنے کی صورت میں' میں موتی محل کی طرف سے آنے والی کسی گولی کا نشانہ بن سکتا تھا۔
موتی محل کے احاطے کی دیوار ختم ہونے کے بعد بھی میں نے اپنی رفتار کم نہیں کی۔
آگے خوف زدہ لوگوں کا ایک ہجوم جمع تھا جس میں متاثرہ علاقے سے بھاگنے والے بھی شامل تھے۔ لوگوں نے مجھے دیکھا لیکن کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں موتی محل کے زنداں سے بھاگا ہوا کوئی قیدی ہوں۔ بھیڑ میں شامل ہو کر میں نے اپنی رفتار چہل قدمی کی حد تک دھیمی کر لی۔
وہاں ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ سب تجسس کے ساتھ ایک دوسرے سے بول رہے تھے لیکن ہر چہرے پر سوال ہی سوال مجسم تھے۔ اس بڑے ہجوم کے پیچھے ٹریفک رکا ہوا تھا۔ متعدد گاڑیاں متبادل راستے اختیار کر رہی تھیں۔
پہلی خالی ٹیکسی نظر آتے ہی میں پھرتی سے اس میں سوار ہو گیا۔ ڈرائیور نے میری ہدایت پر اپنی گاڑی ہلٹن ہوٹل کی طرف جانے والی راہ پر ڈال دی۔
میں معجزانہ طور پر کسی خراش کے بغیر موتی محل سے نکل آیا لیکن اپنی زندگی کے اس بھیانک تجربے نے میرا دل و دماغ سن کر کے رکھ دیا۔
میں چند لمحوں کے فرق سے ایک اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہوتے ہوتے بچا تھا۔ اگر میں ان لوگوں کی باتوں سے مایوس ہو کر ان سے الجھ گیا ہوتا تو میری آزادی کی ساری راہیں مسدود ہو جاتیں۔ یہ درست تھا کہ راجن اور اس کے حامیوں کے نرغے میں پھنس کر میں موتی محل پر ہونے والے حملے کو بالکل فراموش کر بیٹھا تھا مگر میں نے تحمل سے کام لے کر زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کی۔ میری وہی کوشش آخر کار بار آور ہوئی اور ڈان کے آدمیوں نے موتی محل میں بھگدڑ مچادی۔
ڈان بہت گھاگ آدمی تھا۔ اس نے ابتدا سے بیشتر کام میری صوابدید پر چھوڑے ہوئے تھے اور ان کے بہتر نتائج پر دل کھول کر میری حوصلہ افزائی کرتا رہا تھا لیکن اس نتیجہ خیز موڑ پر اس نے خود ایک دلیرانہ فیصلہ کر کے راجن کو جیتے جی مار ڈالا تھا۔
جب ڈان نے مجھ سے اپنے منصوبے کا ذکر کیا تو مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

اس کی منصوبہ بندی اوچھی اور بچگانہ محسوس ہوئی۔ وہ ڈان کی تجویز نہیں تھی کہ میں اس پر کوئی رائے دیتا۔ ڈان نے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ یقینی طور پر وہ اپنے فیصلے کے نتائج سے خوب واقف تھا جو میری نگاہ میں نہیں آسکے۔

ڈان نے باہر بیٹھ کر منصوبہ بنایا' میں نے اندر ان لوگوں کے درمیان رہ کر مشاہدہ کیا کہ ان کے درمیان ظاہری رفاقت کے باوجود خلوص اور باہمی اعتماد کا فقدان تھا۔ ان کی ٹکڑی میں راجن سب سے کمزور حلیف تھا۔ بھارتی انڈر ورلڈ کے چھ بڑوں کی موجودگی میں موتی محل پر بموں اور گولیوں کی برسات انہیں یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی کہ راجن بنکاک میں اپنا اثر و رسوخ اس حد تک کھو چکا ہے کہ اپنے گھر کی حفاظت بھی نہیں کرسکتا۔

راجن نے بھی انہیں اس زعم میں بلایا ہوگا کہ وہ ان کی دیکھ بھال اور حفاظت میں کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔ ان یقین دہانیوں کے پس منظر میں وہ حملہ بہت سنگین ثابت ہونا چاہیے تھا۔ راجن کے پانچوں مہمان منہ پھٹ اور اس پر حاوی تھے۔ ان کی برہمی کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ راجن ان کی حفاظت کے بندوبست میں بری طرح ناکام رہا۔ اس نے انہیں بنکاک بلا کر بے موت مروانے کا پورا بندوبست کردیا تھا۔ حملہ آور موتی محل میں گھسنے میں کامیاب ہوجاتے یا ان کا پھینکا ہوا کوئی بم صحیح نشانے پر گرا ہوتا تو وہ سب چشم زدن میں جہنم واصل ہوجاتے۔

زخمی راجن کے لیے اس بگاڑ کو سنبھالنا ناممکن تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس واقعے کے نتیجے میں وہ پانچوں ہمیشہ کے لیے راجن سے متنفر ہوجائیں گے۔

سب کچھ ہو رہا تھا' راجن کو مات پر مات ہو رہی تھی لیکن وہ پھر بھی زندہ تھا۔

ٹیکسی متاثرہ علاقے سے دور' شہر کی بارونق سڑکوں سے گزر رہی تھی اور میرا ذہن دھیرے دھیرے گزرے ہوئے واقعات کا احاطہ کرنے کے قابل ہوتا جا رہا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے خیال آیا کہ میں راجن کو موت کے گھاٹ اتارنے کا سنہرا موقع ضائع کرکے اپنے ہوٹل کی طرف لوٹ رہا ہوں۔

بم دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوتے ہی راجن کے پرتعیش کمرے میں جو افراتفری پھیلی میں اس سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ کمرے سے نکل کر وہ سب موتی محل کے اندرونی حصوں کی طرف بھاگے۔ راجن زخمی ہونے کی وجہ سے سب سے پیچھے تھا۔ اس کے بعد میں نے وہ کمرا چھوڑا۔

اس وقت راجن میرے آگے بھاگ رہا تھا۔ اگر میں اس وقت لپک کر زہریلے ٹیکنے کی سوئی اس کے بدن کے کسی حصے میں اتار دیتا تو وہ وہیں گر کر ہلاک ہوجاتا۔ وہاں سب کو اپنی اپنی پڑی ہوئی تھی۔ کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ راجن ہمیشہ کے لیے اس کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ اسے ڈھیر کرنے کے بعد میرے فرار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ میں اسی طرح اپنی راہ بناتا ہوا باہر نکل آتا۔

بعد میں اس کی لاش دریافت ہوتی اور اس کی موت کا سبب سامنے آتا تو ان پر یہ سنسنی خیز حقیقت منکشف ہوتی کہ اکبر کے روپ میں ڈینی ان کے درمیان موجود تھا۔ جو ہڑبونگ کا فائدہ اٹھا کر اپنا کام دکھانے میں کامیاب ہوگیا۔

اس واردات کے نتیجے میں اکبر اور ڈینی کے نام سامنے آتے۔ ڈان کے لیے میرے وہ دونوں روپ اجنبی ہوتے وہ مجھے صرف علی احمد کے روپ میں جانتا تھا۔ اسے میرے اوپر کوئی شک نہ ہوتا۔ اسے یہ خلش ضرور ہوتی کہ ایک لمبی لڑائی لڑنے کے باوجود وہ اپنے آدمیوں سے راجن کو مروانے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ وہ کام ڈینی نے کر ڈالا۔

راجن کا وقت پورا نہیں ہوا تھا' قدرت اس کی رسی دراز کر رہی تھی اس لیے وقت پر وہ نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا۔

وقت گزرنے کے بعد اس بارے میں سوچنا بے سود تھا۔ موتی محل میں جو کچھ ہونا تھا وہ کیے بعد دیگرے اپنی رفتار سے ہوتا چلا گیا۔ اس پر دماغ کھپانا خود کو مایوس اور ہلکان کرنے کے مترادف تھا۔

وہ خیال ہی کیا جو انسان کے ارادے کا پابند ہو۔ میں نے لاکھ کوشش کی کہ اپنی کوتاہی کا احساس ذہن سے کھرچ کر مٹا دوں لیکن میں اپنی سی پوری کوشش کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکا۔ میں ذہن کو کسی اور سمت میں مرکوز کرتا اور چند لمحوں میں وہی خلش دوبارہ پریشان کرنے لگی۔

میں ان ہی خیالات کی رو میں اپنے ہوٹل پہنچ گیا۔ ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے میں ہوٹل میں داخل ہوا اور لابی سے گزر کر لفٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

''ماسٹر!'' پیچھے سے ہلکی سی سرگوشیانہ آواز ابھری۔ میں تیزی سے پلٹا تو چاؤ فان میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔

''تم کس روپ میں کھوئے ہوئے ہو؟'' میرے ٹھٹکنے سے وہ پل بھر میں میرے قریب پہنچ گیا اور حیرت سے بولا ''میں لابی کے سرے سے تمہارے پیچھے چلا آرہا ہوں لیکن تم کو مڑ کر دیکھنے کا خیال تک نہیں آیا۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''تم یہاں کیا کررہے ہو؟'' میں نے کوئی وضاحت کرنے کے بجائے اسے گھور کر سوال کیا۔

''تمہارا انتظار کررہا تھا۔'' اس نے میرے غصے کو نظر انداز کرکے معصومیت سے کہا۔

''میں نے تمہیں ہوٹل میں آنے سے منع کیا ہوا ہے۔'' میں نے آنے جانے والوں کے لیے گزرگاہ چھوڑ کر دیوار کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

''ضرور کیا ہوا ہے۔'' اس نے پلکیں جھپکا کے اپنے سر کو تھوڑا سا خم دیتے ہوئے اعتراف کیا ''اگر تم میرے ساتھ باہر تک زحمت کرو تو میں تمہارا دل خوش کردوں گا۔''

''آؤ!'' میں نے غرا کر کہا اور واپس اسی راستے پر چل دیا جدھر سے آرہا تھا۔

''ماسٹر! تم بہت جلدی تاؤ میں آجاتے ہو۔'' ہوٹل کے پورچ سے گزرنے کے بعد اس نے اپنی زبان کھولی۔ ''آج کا دن شاندار رہا۔ موتی محل میں تین بم پھینکے گئے' دھواں دھار گولیاں چلیں اور ہمارے سارے آدمی خیریت کے ساتھ واپس آگئے۔ کسی کو خراش تک نہیں آئی۔''

وہ تفصیل بتاتے ہوئے چاؤ فان کا سینہ فخر سے یوں پھولا ہوا تھا جیسے وہ خود سب کارنامے انجام دے کر آیا ہو۔ اسے مطلق اندازہ نہیں تھا کہ میں اس کامیاب حملے کا عینی شاہد تھا۔ اس نے جو خبر سنائی' اس پر میری طرف سے مسرت کا اظہار بہت ضروری تھا۔

''کمال کی بات ہے!'' میں نے پُرجوش لہجے میں کہا ''یہ ڈان کی منصوبہ بندی تھی۔ سارا کریڈٹ اسی کو جاتا ہے۔ موتی محل میں تو کافی تباہی پھیلی ہوگی۔''

وہ اپنی گاڑی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے ریموٹ کنٹرول سے گاڑی کے تالے کھولے اور بولا۔ ''پہلے دھماکے کے بعد اندر سے کئی دل دوز چیخیں سنائی دی تھیں۔ میں وہاں کا سماں دیکھنے کے لیے بے چین ہوں۔ آؤ' ادھر کا ایک چکر لگا کر آتے ہیں۔''

''ہوٹل میں بھٹکنے کے بجائے تم سیدھے اس طرف کیوں نہیں نکل گئے؟'' میں نے اس کی گاڑی کے قریب رک کر پوچھا۔

''مزہ نہیں آتا۔'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''تمہارا موبائل فون بند ہے' انٹرکام پر تمہاری عو.....ع.....میرا مطلب ہے بیوی نے بتایا کہ تم نیچے اترے ہوئے ہو' میں نے سوچا کہ انتظار کرلوں۔ دشمن کی بربادی دیکھ کر تمہارا دل بھی خوش ہوجائے گا۔''

اپنی روانی میں غزالہ کے لیے عورت کا لفظ اس نے بروقت اپنی زبان پر روک لیا تھا۔ غنیمت تھا کہ اسے میری ہدایت یاد تھی۔ میں نے اس کی لغزش کو درگزر کردیا۔

اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔ گاڑی تیزی سے آگے روانہ ہوگئی۔

''آج ڈان نے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی ہے۔'' وہ موج میں آکر کہہ رہا تھا۔ ''مجھے جو خبریں ملی ہیں ان سے اندازہ ہورہا ہے کہ آج موتی محل میں کئی آدمی مارے گئے ہوں گے۔''

میں نے وہاں سے فرار کی راہ اختیار کی تو میرے ذہن پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ میں کسی طرح جلد از جلد موتی محل سے باہر نکل جاؤں۔ اس کے سوا مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے کسی کو مرتے یا زخمی ہوتے ہوئے نہیں دیکھا تھا لیکن وہاں پھیلے ہوئے بربادی کے آثار بتا رہے تھے کہ بموں کے دھماکے یقیناً مہلک رہے ہوں گے۔

دھماکوں کے سلسلے کا آغاز ہوا تو میں ساؤنڈ پروف کمرے میں راجن کے مہمانوں کے سامنے اپنی پیشی بھگت رہا تھا۔ دھماکے کے اثرات محسوس کرنے کے بعد کمرے کا دروازہ کھولا گیا تھا۔ اس سے پہلے ابھرنے والی چیخیں میرے کانوں تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''کاش! راجن کا کوئی اہم مہمان بھی مارا گیا ہو۔'' میں نے لقمہ دیا۔

''کووں کے کوسنے سے ڈھور نہیں مرتے۔'' چاؤ فان نے حسرت سے کہا ''بڑے لوگ محفوظ اور بند کمروں میں بیٹھتے ہیں۔ ان کا بال بھی بیکا نہیں ہوا ہوگا۔ زخم کھانے اور مرنے والے چھوٹا راجن کے ملازم ہی ہوں گے۔''

''اب ان موٹے جواریوں کی دمیں بھی اونچی ہوجائیں گی!''

چاؤ فان کچھ سوچ کر ہنس دیا اور بولا ''وہ دموں کے بغیر بھی برفانی ریچھ معلوم ہوتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ وہ اپنے وقت کے مانے ہوئے شہ زور اور لڑاکا تھے۔ مفت کی روٹیاں توڑ توڑ کے بے ڈول ہوگئے ہیں۔''

کچھ دیر کی مسافت طے کرنے کے بعد چاؤ فان کو رک جانا پڑا۔ تھوڑے فاصلے پر موتی محل کے آثار نظر آرہے تھے لیکن پولیس والوں نے ادھر جانے کا راستہ رکاوٹیں کھڑی کرکے بند کردیا تھا۔ رکاوٹوں سے آگے ہر طرف پولیس کی

Downloaded from https://paksociety.com

وردیاں اور گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے موتی محل پر حملے کی خبر سن کر پورے شہر کی پولیس فورس وہاں امڈ آئی ہو۔

رکاوٹوں کے پاس سے اپنی گاڑی کو واپس موڑتے ہوئے چاؤفان ایک سپاہی کے پاس رک گیا اور اپنی طرف کی کھڑکی کا خودکار شیشہ اتار کر اس سے اپنی مادری زبان میں کچھ کہنے لگا۔

سپاہی نے تیزی سے کچھ کہنا شروع کیا جو میری سمجھ میں نہیں آ سکا لیکن اس کے دونوں ہاتھوں کے پرزور اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی بات یا کام سے انکار کر رہا تھا۔

چاؤفان نے چڑانے والے انداز میں اس کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیاں لہرائیں اور ہنستے ہوئے اپنا شیشہ چڑھا لیا۔

''تم اس کو کیا بتانے کی کوشش کر رہے تھے؟'' میں نے تجسس انداز میں پوچھا۔

''آگے جانے کے لیے سوبھات دے رہا تھا' وہ نہیں مانا۔'' اس نے بتایا۔

''کیا یہاں اس طرح کھلی رشوت چلتی ہے؟'' میں نے حیرت سے کہا۔

''بالکل!'' اس نے پرزور انداز میں جواب دیا ''سوبھات پر اس کی بھی رال ٹپک پڑی۔ میرے اوپر ناراض ہو رہا تھا کہ آس پاس اس کے افسر منڈلا رہے ہیں اور میں اونچی آواز میں بول رہا ہوں۔''

''یہ تمہارا ہی کام ہے۔ رشوت لینے سے زیادہ دینے کے لیے ہمت چاہیے۔ میں مر کر بھی کسی وردی والے کو یوں رشوت کی کھلی پیش کش نہیں کر سکتا۔''

''اسی لیے تم علی ہو۔ تم میں یہ خامی نہ ہوتی تو تم بھی ڈان ہوتے۔'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا ''رشوت کا لین دین قانون شکنی کا سب سے پہلا سبق ہوتا ہے' جسے یہ نہیں آتا وہ کبھی بڑا نام پیدا نہیں کر سکتا۔''

''تم نے کون سے بڑے تیر مارے ہیں!'' میں نے تلخی سے کہا۔

''ماسٹر! میں اتنا نکما نہیں ہوں جتنا تم سمجھتے ہو۔'' میرا جلا کٹا تبصرہ اس نے اپنے دل پر لے لیا اور سنجیدہ ہو کر بولا ''ڈان بلاوجہ میری عزت نہیں کرتا۔ اسے معلوم ہے کہ میں کیا کچھ کر سکتا ہوں۔''

''تم ہر وقت ڈان کی سختی اور بدکلامی کا رونا روتے رہتے ہو۔ مجھے حیرت ہے کہ اب تم اس سلوک کو اپنی عزت افزائی قرار دے رہے ہو۔''

''ان باتوں کو چھوڑو۔ میں اس کی زبان پر نہیں جاتا' مجھے معلوم ہے کہ اس کے دل میں کیا ہوتا ہے۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے' اسے میرے اوپر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ یہاں کا حال دیکھ کر تم کیا محسوس کر رہے ہو!''

اس نے موضوع بدل دیا۔ میں نے بھی ڈان کا ذکر وہیں ختم کر دیا۔

چاؤفان دور کا ایک تماشائی تھا۔ اسے موتی محل کے اطراف میں خوف و ہراس کے سائے دیکھ کر بے انداز خوشی ہو رہی تھی۔ میں نے اس کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں موتی محل میں جن حالات سے گزر چکا تھا اس کا عشر عشیر بھی چاؤفان کے مشاہدے میں نہیں آیا تھا۔

اس نے مجھے ڈان کی طرف لے جانا چاہا لیکن میں نے سختی سے انکار کر دیا۔ ڈان کی ہدایت تھی کہ میں اشد ضرورت کے بغیر بھی سیلز زبار کا رخ نہ کروں۔ اپنے مرضی سے وہ جب چاہتا' مجھے وہاں طلب کر سکتا تھا۔

چاؤفان کی گاڑی دیر تک شہر کی سڑکوں پر بھٹکتی رہی اور ہلٹن ہوٹل کے آثار نظر نہیں آئے تو میں نے اسے ٹوکا۔ اس کے جواب سے اندازہ ہوا کہ وہ موج میں آ کر آوارہ گردی کر رہا تھا۔ اس کا مسئلہ یہ تھا کہ راجن کے معاملے میں وہ میرے یا ڈان کے سوا کسی سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ ڈان سے اس کے مراسم نیازمندانہ تھے' میرے ساتھ وہ کافی بے تکلف ہو چکا تھا۔ شہر کی کوچہ نوردی کے دوران وہ مجھ سے راجن اور موتی محل کے بارے میں دنیا جہان کی باتیں کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکال رہا تھا۔

وہ مجھے ہوٹل سے کھینچ کر بنکاک کی سڑکوں پر لایا تھا۔ میں اس کے ساتھ آنے سے انکار کرتا تو اس کے دل میں یہ خیال آ سکتا تھا کہ میں اتنے اہم واقعے میں دلچسپی کیوں نہیں لے رہا۔ میرے اس غیر فطری ردعمل کی خبر ڈان کے کانوں تک پہنچتی تو وہ بھی میرے بارے میں کوئی منفی بات سوچ سکتا تھا۔ اپنے دہرے کردار کی وجہ سے میں ضرورت سے زیادہ محتاط تھا۔

اس کے ساتھ آتے ہوئے بھی میرا دھیان غزالہ کی طرف تھا۔ اس نے بہت تشویش کے عالم میں اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ بہت بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی ہوگی۔ میں کسی نہ کسی طرح یہ بات چاؤفان کے دماغ میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا کہ اس وقت درپیش نازک حالات میں ہمارا شہر کی

Downloaded from http://paksociety.com

سڑکوں پر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ مجھے ہوٹل پہنچا کر اسے بھی اپنے گھر لوٹ جانا چاہیے۔

وہ اپنے گھر اور گھر والی سے زیادہ خوش نہیں تھا۔ اس نے اچانک لی کی طرف جا کر وقت گزارنے کا فیصلہ کیا اور مجھے ہوٹل کے قریب اتارنے پر آمادہ ہوگیا۔

لی بہت بڑی فن کارہ تھی۔ وہ چاؤفان جیسے رنگین مزاج مردوں کو رجھانے اور تڑپانے کے ہنر میں طاق تھی۔ چاؤفان خود تسلیم کر چکا تھا کہ وہ اپنی مادم کو فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ لی اس کے دل و دماغ سے اس بری طرح چمٹی ہوئی تھی کہ وہ اپنی مردانگی کو بالائے طاق رکھ کر لی کی خوشامد اور حاشیہ برداری میں پورا دن بھی گزار سکتا تھا۔

اسے اپنی دل بستگی کی ایک راہ سوجھ گئی تھی۔ اس نے چند منٹ میں مجھے ہوٹل پہنچا دیا۔

میں نے اوپر پہنچ کر اپنے کمرے کے بند دروازے پر مخصوص انداز میں دستک دی تو ذرا سے توقف کے بعد دروازہ کھل گیا۔ اس کے پیچھے غزالہ کا چہرہ اندرونی مسرت سے تمتماتا ہوا نظر آیا۔ اس نے اپنے دوپٹے کو اسکارف کی صورت میں سر اور چہرے کے گرد کچھ اس طرح لپیٹا ہوا تھا کہ اس کے بشرے کی سادگی معصومیت کی حد تک نکھر آئی تھی۔

میں اندر داخل ہوا تو وہ والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ خیریت سے لوٹ آئے۔ میں مسلسل آپ کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔''

اس کے پیچھے مجھے قالین پر بچھا ہوا تولیا نظر آرہا تھا جسے وہ شاید چاء نماز کے طور پر استعمال کر رہی تھی۔ زندگی سبک روی سے گزرتی رہے، خوف اور حادثوں کے اندیشے نہ ہوں تو بیشتر انسان اپنی ذات میں مگن رہتے ہیں۔ کڑا وقت سر پر آجائے تو ایسے میں ہر شخص کو اللہ یاد آتا ہے۔ غزالہ مذہب اور عبادات سے بیگانہ نہیں تھی لیکن اس وقت اس کی کیفیت دیکھ کر میرے دل پر بھی عجیب سی رقت طاری ہونے لگی۔ یہ میری ہوشیاری اور چالاکی نہیں تھی جس کے سہارے میں موتی محل کے بھیانک زنداں سے زندہ و سلامت نکل آیا تھا۔ یقینی طور پر غزالہ کی دل سے نکلی ہوئی دعاؤں کو مقبولیت کا درجہ ملا تھا۔

غزالہ نے میری واپسی کے لیے نفل مانے ہوئے تھے۔ اس نے تولیے کی چاء نماز سے اٹھ کر میرے لیے دروازہ کھولا تھا۔ مجھے خوش آمدید کہہ کر وہ دوبارہ اسی مصلے پر چلی گئی۔

شکرانے کے نفل پڑھ کر وہ فارغ ہوئی تو تولیا سمیٹ کر میرے پاس آ بیٹھی۔ اس کی دانست میں، میں موت کے منہ میں جا کر واپس لوٹا تھا۔ شاید اس کا وہ اندازہ اتنا غلط بھی نہیں تھا۔ وہ مجھ سے جلد از جلد سب کچھ سن لینا چاہتی تھی۔ میں نے اپنی روداد سنانی شروع کردی۔

غزالہ کے چہرے کے تاثرات پل پل بدلتے رہے۔ سب کچھ کہہ دینے کے بعد جب میں نے اس بات پر قلق ظاہر کیا کہ میں بھلکڑ میں راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کرسکا تو وہ بے ساختہ بولی۔ ''یہ اچھا ہوا کہ آپ کو یہ بات یاد نہیں آئی۔ آپ اسے مار دیتے تو بڑی مشکلات پیدا ہوجاتیں۔ یہاں سے کراچی تک، سب کچھ بکھر جاتا۔''

''تم کن مشکلات کا ذکر کر رہی ہو؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''وہ آپ کے ہاتھوں مارا جاتا تو جلد یا بدیر یہ ثابت ہوجاتا کہ آپ بنکاک میں موجود ہیں اور دشمنوں کے خلاف اپنے ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔'' اس نے پرجوش لہجے میں وضاحت کی۔ ''جلال کا بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ اس کی محنت سے آپ کے دشمنوں کی ساری توجہ ان دونوں قیدیوں پر مرکوز ہے جو ڈینی ہونے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ وہ لوگ انہیں چھوڑ کر بنکاک کا رخ کرلیتے۔''

میں چند ثانیوں کے لیے اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔ غزالہ نے برجستگی سے ایک سنگین حقیقت کی نشان دہی کی تھی۔ راجن کی دشمنی اور موتی محل میں پیش آنے والے حالات و واقعات نے شاید میری عقل بری طرح ماؤف کر کے رکھ دی تھی!

میں ایک وقت میں ایک ہی جگہ ہوسکتا تھا۔ ایک وقت میں بنکاک اور کراچی میں میری موجودگی ناممکن تھی۔ اس وقت تک میں صرف راجن سے برسرِ پیکار تھا۔ اس کی موت کے ذریعے امریکیوں کو بنکاک میں میری موجودگی کا ناقابلِ تردید ثبوت مل جاتا تو وہ کراچی کو بھول کر اپنے سارے وسائل کے ساتھ بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے جہاں کا مضبوط فوجی اڈا ایک مدت سے فعال تھا۔

جو کچھ ہوا وہ بہتر ہی ہوا تھا۔ اس میں میرے ارادوں سے زیادہ حالات کے دھارے کا دخل تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں سبدروزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم کے شکنجے میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کے بیرونوں کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر خفیہ جنگی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دوست راست ثابت ہوا۔ نئی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شدید بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی خفیہ اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ہر اگلا وار جو ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خالد نے بہت دفعہ ہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے آئیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا کھچی ابدالدّ شمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو ائی ایک چینی بدمعاش کے ہاتھوں یرغمال ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئرش بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر تمیس ڈیوڈ اسٹارز نامی سیبوتی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بیعیت چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئسک نیل ان خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نشان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی ساعت شمنوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کھوج شمنوں سے اس کی برباریوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیمپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مقتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ ہمارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں مارگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کوبرا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوجھ راج تھا۔ ہم اس پر تعاقب کی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے خون خرابہ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ کام کیمل کے ذریعے سوجھ راج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ ممالی تھائی پر اتر آیا تھا۔ سوجھ راج نے ہمیں بہت دوڑایا۔ کئی مرتبہ وہ میرے دام میں آیا اور پھر چکنی مچھلی کی طرح پھسل کر نکلنے میں کامیاب ہوا۔ تاہم مقدر اس کا ساتھ دیتا اسے نوشتہ دیوار صاف نظر آ رہا تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر پاکستان سے فرار اختیار کیا اور بنکاک پہنچ گیا۔ میں اور غزالہ وہاں پہلے سے موجود تھے جبکہ سلطان شاہ اور ویرا امریکا میں تھے۔ ہم چند مجبوریوں کی بنا پر ملک سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ امریکی ہماری جان کے دشمن تھے اور مقامی مافیا ان کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی خود میں سکت نہیں پا رہے تھے۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوجھ راج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے دشمن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیر زمین دنیا کا ذہن برناڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کر سکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا، ذان برناڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ذان سے ملاقات ولیپ رتن اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بھکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے چھوٹا راجن کے کلیجر میں بم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوجھ راج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ چھوٹا راجن کا ایک محافظ میری افتاد کے زہر کا نشانہ بن گیا جس کے باعث سوجھ راج نے بنکاک میں میری موجودگی کا شک ظاہر کیا۔ مگر میں اسے چکر دینے میں کامیاب رہا۔ اول خان کی رائے تھی کہ سوجھ راج کی بنکاک میں موجودگی کی اطلاع امریکیوں کو دے دی جائے۔ وہ اپنے نعدار سے خوش نہ ٹیں گے۔ میری مرضی شامل ہوتے ہی اس نے اس پہ عملدرآمد کر لیا۔ امریکی فوجیوں نے چھوٹا راجن کے گھر چھاپا مارا مگر سوجھ راج ٹھرہ بھاگ چکے تھے وہاں سے نکل گیا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کو ایک مفلوک الحال بھکاری میں اپنی دلچسپی کا سامان نظر آ رہا تھا مگر ویرا اس کی مخالفت پہ تلی ہوئی تھی۔ گاڑیوں کے ٹریفک سسٹم کے باعث مجھے سوجھ راج کے نئے ٹھکانے کا علم ہو گیا اور میں چاؤ فان کے ہمراہ بنکاک کے مضافات میں واقع ایک قحبہ خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے اس کی دعوت وہاں گھیر کر لے گئی تھی۔ رات کے اندھیرے میں اس کی قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی اور وہ لوپ بوری کے کتوں میں واصل جہنم ہو گیا۔ اسی کے ساتھ تھائی لینڈ میں ہی میرا مشن پورا ہو گیا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر ذان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھاوا کر لیا مگر ذان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آ رہا تھا جب چھوٹا راجن کے گرگے نے مجھے پہچان لیا اور اسے بتایا کہ وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا۔ ان کے انداز مفاہمانہ تھے اس لیے اس نے زیادہ تکرار نہیں کی تاہم انہیں آگاہ کر دیا کہ گذشتہ شب ہم دونوں پر اس کے ہرکاروں نے حملہ کیا تھا۔ انہوں نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ اس واقعے پر معذرت طلب کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اسد پاکستان روانہ ہو گیا دوسری طرف پاکستان میں ایف بی آئی کا ایک ایجنٹ جہانگیر کے فلیٹ تک پہنچا اسے میری تلاش تھی مگر سلمٰی نے وزنی بیلن سے اس کی کھوپڑی پچکا دی اور وہ واصل جہنم ہو گیا جس کے بعد جہانگیر سلمٰی کو لے کر اسٹیشن فورس میں قیام پذیر ہو گیا۔ بنکاک میں چاؤ فان اپنی ہم پلہ کا ہوا تھا۔ بہت جلد اس نے مجھے بتایا کہ لی نامی ایک عورت راجن کی بوٹ کے تلے میں ہم لگانے پر آمادہ ہو گئی ہے۔ میں اس عورت سے ملا وہ بھی راجن کی ڈسی ہوئی تھی۔ تمام کام بخیر و خوبی انجام پایا اور وائٹ ہاک سمندر کے پانیوں میں غرق ہو گئی۔ میں نے اکبر کے فرضی نام سے راجن سے رابطہ کیا وہ مجھ سے ملنے کے لیے بے چین تھا مگر میں اسے ٹالتا رہا۔ مادام لی زبردست عورت تھی اس نے مجھے چائے پر بلایا میں بادل نخواستہ اس کے گھر پہنچا۔ میں اندر داخل ہی ہوا تھا کہ باہر ایک فائر کی آواز گونجی اور میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ بعد میں مادام لی نے بتایا کہ یہ اس کے دیرینہ عاشق نامراد کی حرکت تھی۔ خوش قسمتی سے چاؤ فان باہر موجود تھا اس نے اس دن لی کے اس عاشق کی درگت بنا ڈالی۔ لی مائل بہ التفات تھی مگر میں اس سے گریز ہی کرتا رہا تاہم اس کے آگے میری نہ چل سکی اور وہ چاہنے میں ایل ایس ڈی کی آمیزش کرا کے مجھے اپنی مرضی پر چلانے میں کامیاب رہی۔ میں آسودہ ہو کر اس سے رخصت ہوا۔ دوسری طرف امریکا میں سلطان شاہ کا شکار آئی اے ایجنٹوں سے نہیں بچ سکا اور سلطان شاہ کی موجودگی میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ سلطان شاہ کو خطرہ تھا کہ سے بھی دیکھ لیا گیا ہے وہ فوری طور پر ویرا کے ہمراہ امریکا سے نکل گیا اب ان کا رخ بنکاک کی طرف تھا۔ اسد کی جگہ نئے افسر نے ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں اس نے

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے آگاہ کیا کہ راجن ساحلی علاقے کی طرف جاتا ہوا دیکھا گیا تھا میرے لیے یہ اچھا موقع تھا میں نے چاؤفان کو ساتھ لیا اور اس کی گھات میں بیٹھ گیا مگر اس کی قسمت اچھی تھی اس کی طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا چلا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ علاقے کے چیدہ سو بدمعاش مجھ پر حرج کرنے کے لیے تیار تھے۔ یہ نازک لمحات تھے تاہم چاؤفان کی فائرنگ اور بمباری کے باعث میں وہاں سے نکلنے میں کامیاب رہا۔

اب آپ قسط نمبر 254 کے واقعات ملاحظہ کیجیے

غزالہ نے اپنی رائے کا اظہار کر کے میرے ذہن کی دھند یکسر صاف کردی۔ موتی محل سے واپسی پر راستے بھر مجھے یہ سوچ کر قلق ہوتا رہا تھا کہ میں نے وہاں بموں کے دھماکوں اور دھواں دھار فائرنگ کے نتیجے میں ہونے والی بھگدڑ سے فائدہ اٹھا کر راجن کو اپنی زہریلی انگوٹھی کے سہارے موت کے گھاٹ کیوں نہیں اتارا۔

اس وقت میرا ذہن صرف اسی سمت میں کام کررہا تھا اور مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ میں راجن کو جہنم واصل کر کے بحفاظت موتی محل سے باہر آسکتا تھا مگر بات اتنی سیدھی نہیں تھی۔

زہر کے ذریعے دشمنوں کی جان لینے کا انداز میری ذات سے مخصوص ہوکر رہ گیا تھا۔ گولڈن ڈریگن میں' میں نے جب ایک محافظ کو اس انگوٹھی سے شکار کر کے اپنی جان بچائی تو سوبھراج نے فوری طور پر یہ سمجھ لیا تھا کہ میں بنکاک میں موجود تھا۔ یہ میری چرب زبانی کا نتیجہ تھا کہ میں اسے یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگیا کہ میں نے اپنے ایک آدمی کو وہ مہلک ہتھیار دے کر کراچی سے بنکاک بھیجا تھا اور گولڈن ڈریگن کیسینو میں مارا جانے والا گارڈ اسی کا نشانہ بنا تھا۔

وہ بنکاک میں میری جانب سے اس انگوٹھی کا پہلا استعمال تھا۔ پچھلی رات میں نے بنکاک کے ساحلی علاقے میں راجن کے دو آدمیوں کو اسی انگوٹھی کے سہارے موت کی نیند سلایا۔ یہ میری قسمت کی یاوری تھی کہ میں اپنے منصوبے کے مطابق ان دونوں لاشوں کو راجن کی گاڑی سمیت نذر آتش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یوں ان دونوں کی سوختہ لاشوں سے موت کے اسباب جاننے کا ہر امکان معدوم ہوگیا۔

اگر میں راجن کو بھی اس انگوٹھی کا نشانہ بنالیتا تو وہ ضرور ہلاک ہوجاتا مگر میرے لیے ناقابل تصور دشواریاں پیدا ہوجاتیں۔ میرے دشمنوں کو سو فیصد یقین ہوجاتا کہ میں بنکاک میں موجود ہوں۔ راجن کی حمایت اور مدد کے لیے آئے ہوئے پانچوں بھارتی سرغنوں کو علم ہوجاتا کہ اکبر کے بارے میں ان کے شکوک وشبہات درست تھے' ڈینی نے اکبر کا روپ دھار کر راجن کو اپنے نرغے میں لیا ہوا تھا اور اس کے گھر کا بھیدی بن کر اسے موت کے چنگل میں پھانسنے کی تیاری کررہا تھا۔

میرے اس قدم سے جلال کی کوششوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا۔ اس نے پورے خلوص کے ساتھ امریکی خفیہ محکموں کے افسران کی توجہ پاکستانی ایجنسیوں کے پکڑے ہوئے دو بدنصیب مجرموں پر مرکوز کرائی ہوئی تھی۔ اس کی جانب سے امریکیوں کو یہ باور کرایا جارہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ڈینی تھا۔ میرا نام امریکیوں کے اعصاب پر اس بری طرح سوار تھا کہ وہ جلال کے اس جھانسے میں آگئے۔ وہ براہ راست ان دونوں سے ہونے والی تفتیش کی نگرانی کررہے تھے۔ انہیں یہ خبر ملتی کہ میں نے بنکاک میں راجن کو اپنے خفیہ ہتھیار سے موت کی نیند سلا دیا ہے تو وہ جلال سے بدظن ہوجاتے۔ ان کے لیے یہ احساس بہت شرمناک اور توہین آمیز ہوتا کہ ایک پاکستانی افسر نے ان کی ساری تربیت اور تجربے کو مات دے کر انہیں ایک بے ثمر مشق میں الجھایا ہوا تھا۔ وہ کراچی میں اپنی تمام سرگرمیاں موقوف کر کے بنکاک میں ڈیرے ڈال دیتے۔ اسی کے ساتھ انہیں اپنے اس الزام کی تائید کا اکلوتا اور نہایت مضبوط ثبوت مل جاتا کہ پاکستانی ایجنسیاں ڈینی کی پشت پناہی کررہی ہیں' ڈینی بنکاک میں اپنے حریفوں سے کشت وخون میں مصروف ہے اور پاکستانی ایجنسیاں اسے کراچی میں زیر حراست ظاہر کررہی ہیں۔ وہ ایک چھوٹا سا واقعہ جلال کی ساکھ کی تباہی کا سبب بن جاتا۔

راجن کو موتی محل میں زندہ سلامت چھوڑ کر نکل آنا میری حماقت نہیں' درحقیقت کوئی غیبی رہنمائی تھی۔ صحیح وقت پر وہ خیال میرے ذہن میں آجاتا تو شاید میں ایک لمحے کے لیے بھی ان منفی امکانات پر غور نہ کرتا۔ فرار کی کھلی راہ سامنے پاکر میں چشم زدن میں راجن کا کام تمام کرتا ہوا بھاگ نکلتا۔

غزالہ نے میری بات سنتے ہی چند فقروں میں وہ سارے خدشات بیان کردیے۔ میں موتی محل میں حالات

Downloaded from https://paksociety.com

کے بدترین بھنور میں پھنسا ہوا تھا۔ جو شخص برے حالات سے دوچار ہوتا ہے وہ اکثر اوقات سامنے کی اور سیدھی باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ جو لوگ جذباتی یا عملی طور پر ان حالات سے نہ گزر رہے ہوں' وہ پوری روداد سنتے ہی پل بھر میں بالکل صحیح نتائج اخذ کر کے ان کوتاہیوں کی نشاندہی کر دیتے ہیں جن کے سرزد نہ ہونے سے سب کچھ بدلنا ممکن ہو جاتا۔ غنیمت یہ تھا کہ میں ایک سنگین غلطی کے ارتکاب سے بال بال بچ گیا تھا۔

''تم خانہ نشین ہو چکی ہو لیکن تمہارے دماغ میں جنگ جو عورت چھپی ہوئی ہے۔'' میں نے ہنس کر اس کی تعریف کی ''تم ذرا سے اشارے سے پوری بات سمجھ لیتی ہو۔''

''میرا زندگی بھر ایسے معاملات سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ آپ کی دیرا میرے پیچھے نہ لگی ہوتی تو میں آج بھی ان پیچیدگیوں سے نابلد ہوتی!'' وہ شوخی سے بولی۔

''میری دیرا کیوں.....؟'' میں نے چونک کر ہلکا سا احتجاج کیا ''وہ مجھ سے زیادہ تمہاری گہری دوست ہے۔''

''شاید آج کے لیے آپ کی بات درست ہو' ایک زمانے میں وہ میری جان کی دشمن تھی۔ میری اور اس کی دشمنی کا سبب آپ تھے'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ ''اس کے آدمی مجھے زبردستی انگلینڈ نہ لے گئے ہوتے تو میں آج بھی سیدھی سادی ہوتی۔''

اس کی بات درست تھی۔ جو لوگ مصائب سے دوررہ کر زندگی گزارتے ہیں' ان کی سوچ اور ردعمل میں ٹھہراؤ پایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اپنی زندگی کے ایک ایک سانس کے لیے حالات کا دیوانہ وار مقابلہ کرتے ہیں' ان کی جبلتیں جلا پا کر اتنی توانا ہوتی چلی جاتی ہیں کہ وہ پلک جھپکنے میں حالات کا صحیح تجزیہ کر کے بہترین فیصلے کرنے کے قابل ہوتے چلے جاتے ہیں۔

دوپہر کو ٹیلی وژن سے نشر ہونے والی انگریزی خبروں میں موتی محل پر ہونے والے حملے کا ذکر موجود تھا۔ نامعلوم افراد کے ایک جتھے نے دستی بموں اور آتشیں ہتھیاروں سے موتی محل پر حملہ کیا تھا۔ احاطے کی اونچی دیواروں کی وجہ سے فائرنگ نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا لیکن اندر پھینکے جانے والے تین بموں سے پانچ افراد ہلاک اور چار زخمی ہوئے تھے۔

ٹیلی وژن دیکھتے ہوئے میں نے یہ بات شدت سے محسوس کی کہ اس خبر کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی گئی۔ وہ بنکاک کی شہری زندگی کا ایک اہم اور خونیں واقعہ تھا۔ راجن کا شمار شہر کے معززین میں ہوتا تھا مگر وہ خبر آخر میں اور سرسری انداز میں ٹیلی کاسٹ کی گئی تھی۔ خبر میں جائے واردات کی کوئی تصویری تفصیل شامل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

خبر کے آخر میں اس کا سبب بھی سامنے آ گیا۔ واردات پر کسی قسم کی رائے زنی کے لیے راجن سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ پے در پے مار کھانے کے بعد وہ کہیں روپوش ہو چکا تھا۔ وہاں پہنچنے والوں کے لیے موتی محل کا پھاٹک بند تھا۔ فون کی گھنٹیاں مسلسل بج رہی تھیں۔ ان کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا۔ موتی محل کے جو مکین موت اور ہلاکت سے بچ گئے تھے' انہیں سانپ سونگھ گیا تھا' وہ کسی کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

''راجن بدترین خسارے سے دوچار ہوا ہے۔ ان خبروں سے ڈان کو بہت خوشی ہوگی'' خبریں ختم ہونے پر میں نے ٹیلی وژن بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ اصل میں اس کی لڑائی ہے۔ راجن کے بعد کوئی ڈان کی راہ نہیں روک سکے گا'' غزالہ نے پرخیال انداز میں تبصرہ کیا۔

''تم بھول رہی ہو کہ جلال بھی راجن کی موت کا خواہاں ہے'' میں نے اسے یاد دلایا ''میں اسی کی خواہش پر راجن کی راہ پر لگا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ڈان میری طرف سے اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ میں اس کے لیے دل و جان سے کام کر رہا ہوں۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولی ''راجن کی موت کا فوری فائدہ ڈان کو حاصل ہوگا۔ اسے خوش کرنا ہے تو آپ کو اسے فون کر لینا چاہیے۔''

''میرا اندازہ ہے کہ وہ خود خوشی سے بے قابو ہو کر مجھے فون کرے گا۔''

''وہ آپ کی ہر کامیابی پر فون کر کے آپ کو مبارک باد دیتا رہا ہے'' غزالہ ناصحانہ انداز میں بولی۔ ''آج کے حملے کا منصوبہ اس کا تھا۔ آپ پہل کریں گے تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا' وہ خوش ہو جائے گا۔''

غزالہ کا مشورہ صائب تھا۔ میں نے اسی لمحے ڈان کے موبائل فون کا نمبر ملا لیا۔

''ڈان! مبارک ہو' آج تمہارے آدمیوں نے موتی محل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی'' سلسلہ ملتے ہی میں نے پرجوش لہجے میں کہا ''تمہارا بنایا ہوا منصوبہ زبردست کامیابی سے ہمکنار ہوا ہے۔ اب آنے والے دن تمہارے ہیں۔''

''یہ میرے ساتھ تمہاری بھی کامیابی ہے'' ڈان کی تحکم

Downloaded from https://paksociety.com

میز آواز میں بردباری سمٹ آئی ''تمہارے آجانے سے ہمارے سب آدمیوں کو حوصلہ ملا ہے۔ اس وار نے چھوٹا راجن کی ہوا اکھاڑ دی ہے۔ اس کے حمایتی یہاں اپنے جھنڈے گاڑنے کے لیے آئے تھے مگر اب بدحواس ہو چکے ہیں۔ ابوسالم ایک پرواز سے ممبئی یا دبئی کی طرف نکل چکا ہے۔ بقیہ چاروں بھی جلد از جلد یہاں سے بھاگ نکلیں گے۔ ہمارا دشمن بے یارومددگار رہ جائے گا۔''

مجھے یہ سن کر حیرت ہوئی کہ موتی محل پر حملے کے صرف دو تین گھنٹوں بعد ابوسالم بنکاک سے نکل جانے میں کامیاب ہوگیا۔

''کیا وہ اپنی واپسی کی سیٹ کنفرم کروا کے آیا تھا؟'' میں نے تحیر زدہ لہجے میں بے ساختہ سوال کیا ''اتنی جلدی وہ کیسے جا سکتا ہے!''

''اس کا نام اتنا بڑا نہیں ہے لیکن وہ ان سب سے زیادہ چالاک ہے'' ڈان کی آواز میں ہلکی سی تلخی اتر آئی۔ ''اس نے بھانپ لیا ہوگا کہ وہ یہاں رکا رہا تو بنکاک میں اس کی قبر بن سکتی ہے۔ یہ لوگ کسی کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے یہ یقین کر لیتے ہیں کہ ان کی واپسی کے دس راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اس کے لیے سیٹ لینا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔''

''تمہاری سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تم کام کرنے کے ساتھ ساتھ گردوپیش کے حالات سے باخبر بھی رہتے ہو'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''میں نے سنا ہے کہ آج ہونے والی خوں ریزی نے چھوٹا راجن کے ساتھیوں کے دل دہلا دیے ہیں۔'' میری تعریف کے جواب میں ڈان کے لیے اپنی باخبری کا مزید اظہار لازم ہوگیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''خبریں ہیں کہ سب لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ موتی محل میں اپنے بھارتی غلاموں کے ساتھ چھپا ہوا ہے۔''

''وہ کب تک چھپا رہے گا..... سامنے آیا اور مارا جائے گا۔''

''یہ تمہارا کام ہے۔ اس میں چاؤفان پوری طرح تمہاری مدد کرے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟'' بات کرتے کرتے ڈان نے مجھ سے اچانک ایک بے تکا سوال کر دیا۔

''حملے کے بعد وہ میرے پاس آیا تھا۔ ہم دونوں نے موتی محل کی طرف جانے کی کوشش کی لیکن پولیس والوں نے راستے بند کیے ہوئے تھے۔ وہ مجھے ہوٹل پر اتار کر واپس چلا گیا'' میں نے جلدی جلدی بتایا۔ یہ بات سرے سے گول کر دی کہ مجھ سے رخصت ہو کر وہ کہاں جانے کا ارادہ ظاہر کر رہا تھا۔

''وہ خوش ہو یا مغموم، دونوں حالتوں میں یکساں حرکتیں کرتا ہے۔ شراب پی کر عورتوں میں گھسنا اس کا سب سے بڑا شوق ہے۔ وہ اس وقت لمبی گھوڑی کی طرف گیا ہوگا۔ آج کل وہ وہاں کے چکر لگا رہا ہے۔'' ڈان نے تلخی سے کہا۔

''وہ کہیں بھی ہو، مجھے اس کی ضرورت پیش آتی ہے تو اپنی ساری سرگرمیاں ترک کر کے میرے پاس چلا آتا ہے'' میں نے ایمان داری سے حقیقت بیان کر دی۔

''اسے قابو میں رکھو، میں اس کی طرف سے فکرمند ہوں۔ چھوٹا راجن کا قصہ ختم ہونے کے بعد اسے آزادی ملے گی تو وہ بے لگام ہو جائے گا۔''

راجن زندہ تھا لیکن ڈان کو آنے والے وقت کی فکر لاحق ہونے لگی تھی۔ زیرزمین دنیا کا اقتدار اس کے پاس آ جاتا تو اسے لازمی طور پر ان ہی لوگوں پر انحصار کرنا پڑتا جو گوشہ نشینی کے دنوں میں اس پر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے رہے تھے۔ ایسے لوگوں میں چاؤفان کا نام سرفہرست تھا۔

''تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ میرا خیال ہے کہ ذمے داری کا بوجھ پڑے گا تو وہ خود ہی سدھرنے کی کوشش کرے گا۔''

''علی! مجھے تم سے بہت امیدیں ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے گوشہ نشینی کے بہت دن گزار لیے۔ اب اچھے دنوں کا جلد آغاز ہونا چاہیے۔'' دوسری طرف سے مختصر سے سکوت کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''وہ اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا ہے تو تم کسی طرح اسے باہر نکالو۔ اس کا قصہ اب ختم ہونا چاہیے۔''

''تم نے مجھے حوصلہ افزا خبریں سنائی ہیں۔ اس کے حمایتی ایک ایک کر کے یہاں سے رخصت ہو جائیں تو میں کوئی راہ نکالتا ہوں'' میں نے سعادت مندانہ انداز میں جواب دیا۔

''میں تمہارے اندازوں کا قائل ہو گیا ہوں۔ کل تم نے کہا تھا کہ شاید وہ سب موتی محل میں جمع ہوں اور آج وہ وہیں تھے۔ وہ کہیں اور اکٹھا ہوتے تو شاید چھوٹا راجن کا منہ اتنا کالا نہ ہوتا'' ڈان کو اچانک میری قیاس آرائی یاد آ گئی اور اس کی زبان چل پڑی ''یہ بہت بڑی بات ہے کہ اس کے اہم مہمان اس کے گھر آئے ہوئے تھے اور وہ میرے آدمیوں کا حملہ نہیں روک سکا۔ جو آدمی اپنے گھر کی حفاظت نہیں کر سکتا، وہ

Downloaded from https://paksociety.com

مہمانوں کی کیا حفاظت کرے گا؟''

ڈان نے بالکل وہی بات کہہ ڈالی جو ابتدا سے میرے ذہن میں چکرا رہی تھی۔ ڈان نے صرف اندازہ لگایا تھا' میں موتی محل میں اپنی آنکھوں سے راجن کے مددگاروں کے تیور دیکھ چکا تھا۔ ان میں سے کسی نے راجن کو اپنے برابر کی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص اس سے مربیانہ انداز میں پیش آ رہا تھا۔ تباہ کن حملے کے بعد ان کے تیور بگڑنے لازمی تھے۔

میں نے غزالہ کے ایما پر مخصوص مقصد کے لیے ڈان کو فون کیا تھا۔ میں نے گفتگو کو طول دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ چند رسمی فقروں کے تبادلے کے بعد وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

موتی محل میں میری حاضری کا اہم ترین کام صبح سویرے نمٹ گیا تھا۔ اس وقت مشکل سے دوپہر ہوئی تھی۔ آگے پہاڑ جیسا آدھا دن پڑا تھا۔ میں نے شہر کی کوچہ نوردی کے لیے ہوٹل سے نکلنے کا ارادہ کیا تو غزالہ بھی میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوگئی۔

بنکاک میں اپنے قیام کے دوران میں' میں غزالہ کے ساتھ باہر نکلنے کے معاملے میں ہمیشہ محتاط رہا۔ ہم دونوں کی شناخت بدلی ہوئی تھی پھر بھی میں کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ہم دونوں الگ الگ باہر جاتے۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے ہم عینکوں وغیرہ کے استعمال سے اپنے حلیوں میں اتنی تبدیلی ضرور کر لیتے کہ کوئی ہمیں پہلی نظر میں نہ پہچان سکے۔

ویسے بھی غزالہ ہوٹل سے بہت کم باہر نکلتی تھی۔ میرے ساتھ کسی مہم میں اس کی شرکت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ عام طور پر چاؤفان میرے ساتھ ہوتا۔ میں اس کی فطری خباثتوں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ اس کے دل میں عورتوں کے لیے عزت نام کا کوئی جذبہ موجود نہیں تھا۔ وہ ہر خوب رو عورت اور لڑکی کو ایک تفریحی کھلونا سمجھنے کا عادی تھا۔ اگر وہ اپنی بسیار گوئی کی روانی میں کسی وقت غزالہ کے ساتھ کوئی بدتمیزی کر گزرتا تو میرے لیے برداشت کرنا ناممکن ہوتا۔ ایسی کسی تلخی سے بچنے کے لیے میں نے کبھی اس کو غزالہ کے سامنے لانے کی کوشش نہیں کی۔

میری مجبوری یہ تھی کہ وہ بنکاک میں میرا واحد عملی مددگار تھا۔ میں اس کے ساتھ اپنے مراسم بگاڑنے کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔

ڈان اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ اس نے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا ہوا تھا جبکہ میں نہایت انکسار اور عاجزی سے کام لے کر اسے اس حد تک استعمال کر رہا تھا کہ چاؤفان میرے اشاروں کا غلام بنا ہوا تھا۔ مجھے ڈان کے ذریعے چاؤفان کا سہارا نہ ملا ہوتا تو سوبھراج پر قابو پانا ناممکن ہوگیا ہوتا۔

ان لوگوں کی مدد سے میں نے نہایت رازداری کے ساتھ سوبھراج کو جہنم واصل کیا۔ وہ کام ایسی خوش اسلوبی سے پایۂ تکمیل تک پہنچا کہ نہ سوبھراج کا نام سامنے آ سکا نہ ڈان کو میرے اصل مقصد کی ہوا لگ سکی۔ وہ بدستور میرے گن گا رہا تھا۔

ہوٹل کے بند کمرے میں رہتے رہتے غزالہ کا اکتا جانا فطری تھا۔ اس وقت میرے سامنے کوئی مشن نہیں تھا' میں نے اسے اپنے ساتھ لے جانے پر آمادگی ظاہر کی تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور اس نے ویرا سے ملنے کی فرمائش کر ڈالی۔

میں چند ثانیوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ہم چاروں ایک شہر میں موجود تھے لیکن غزالہ کو ان دونوں سے ملاقات کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا۔ یہ اس کے ساتھ زیادتی تھی کہ اسے ویرا اور سلطان شاہ سے ملنے کا موقع نہ دیا جائے۔

اس ملاقات کے لیے ہمارا ہوٹل محفوظ تھا نہ ویرا کا۔ اس بات کی تصدیق ہو چکی تھی کہ سیام انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل میں مقیم مخنشب بنکاک چھوڑ چکا تھا لیکن بقیہ لوگوں کی رہائش کے بارے میں وثوق سے کچھ کہنا ممکن نہیں تھا۔ بہتر یہی تھا کہ ادھر کا رخ نہ کیا جائے۔

معاً مجھے یاد آیا کہ ویرا کے ہوٹل کی پشت پر سیام اسکوائر کا وسیع و عریض پارک موجود ہے۔ جہاں ہر وقت سیاحوں کی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ آنے جانے والوں کو ایک دوسرے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس علاقے میں سیاحوں کی توجہ کے کئی اور مراکز بھی موجود تھے۔ ہم چاروں کی محفوظ ملاقات کے لیے سیام اسکوائر بہترین مقام تھا۔

میں نے اسی وقت فون ملایا۔ کال سلطان شاہ نے وصول کی۔ شاید مجھے اس کے کمرے کا نمبر یاد رہا تھا۔ میں نے اسے ویرا کے ساتھ سیام اسکوائر کے پارک میں پہنچنے کی ہدایت کی اور مزید کوئی بات کیے بغیر فون بند کر دیا۔

غزالہ کو ویرا کے ہوٹل اور سیام اسکوائر کے محل وقوع کا علم نہیں تھا لیکن وہ کوئی سوال کیے بغیر میری ہدایت کا مدعا سمجھ گئی۔ کمرا چھوڑنے سے پہلے اسے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ میں نے کسی پس و پیش کے بغیر اس کی فرمائش پوری کرنے کا بندوبست کر دیا تھا۔

ہم دونوں ہلٹن ہوٹل کے احاطے سے نکل کر بائیں طرف مڑ گئے جہاں ٹکڑ کی عمارت میں برطانوی سفارت خانہ

Downloaded from https://paksociety.com

قائم تھا۔ غزالہ بہت خوش تھی کہ اسے میرے ساتھ بنکاک کی سڑکوں پر مٹرگشت کرنے کا ایک اور موقع مل گیا تھا۔ سفارت خانے سے ہم راما ون روڈ پر داہنی طرف گھوم کر قدیم وضع کی عمارات اور یادگاروں کے قریب سے ہوتے ہوئے سیام اسکوائر کے پارک میں داخل ہوئے تو غزالہ حیران رہ گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں نے اپنے لیے اتنے قریبی ہوٹل کا انتخاب کیا ہوگا۔

وہ دوپہر کا وقت تھا۔ پارک میں بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ نہیں تھی پھر بھی وہاں خاصی چہل پہل نظر آرہی تھی۔ سلطان شاہ نے میری ہدایت پر بہت تیزی سے عمل کیا۔ وہ ویرا کے ہمراہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے دور سے ہمیں دیکھ کر فضا میں ہاتھ لہرایا اور ہم دونوں تیزی سے اس کی طرف ہولیے۔

ہم چاروں کی ملاقات خاصی پرجوش رہی۔ ویرا یوں غزالہ سے ملی جیسے برسوں بچھڑے رہنے کے بعد ان کی ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی ہو۔ میں ان سے پہلے ہی مل چکا تھا اس لیے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور سے وہ تماشا دیکھتا رہا۔ ان دونوں نے عورتوں کے روایتی انداز میں کچھ گلے شکوے کیے' سلطان شاہ اپنی باری آنے کے انتظار میں کھڑا رہا۔ ویرا کی مزاج پرسی سے فارغ ہوکر غزالہ نے اس سے ہاتھ ملایا تو اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی جگمگا اٹھی۔ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ امریکا میں رہ کر ایسی بے لوث اپنائیت کو ترس گیا تھا۔

اس وقت ہم پارک کی ایک پختہ روش پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ عام گزرگاہ تھی۔ میں انہیں نرمی سے اشارہ کرکے گھاس کے ایک قطعے پر اتر گیا۔

چند منٹ بعد ہم تھکے ہارے سیاحوں کی طرح ستانے والے انداز میں گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔

''آج تم دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر میرے دل کو اطمینان ہوا ہے'' سلطان شاہ' غزالہ سے مخاطب ہوکر بولا ''ایک دوسرے کے بغیر تم ادھورے لگتے ہو۔''

''اور میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟'' ویرا نے اس سے پوچھا۔

''تمہاری ذات سے مجھے کوئی سکھ ملنے کی امید ہوتی تو میں نے اپنے رہنے کے لیے الگ کمرا کرائے پر نہ لیا ہوتا'' اس نے برجستگی سے جواب دیا۔

''ان دونوں کو دیکھ کر اب اپنی اصلیت بتا رہے ہو..... یہ کیوں نہیں کہتے کہ برسوں ایک چھت کے نیچے میرے ساتھ رہنے کے بعد اچانک تم کو خیال آیا ہے کہ نامحرم مرد اور عورت کو تنہائی میں یک جا نہیں رہنا چاہیے'' ویرا بولی۔

''ابھی بھی چھت ایک ہی ہے' بس بیچ میں دیواریں آگئی ہیں'' سلطان شاہ نے کہا ''ویسے بھی تم جن برسوں کا حوالہ دے رہی ہو' ان میں' میں کبھی تمہارے کمرے میں نہیں رہا' ایک گھر کے الگ الگ کمروں میں رہنے کو تم ساتھ رہنا نہیں کہہ سکتیں!''

''تمہاری بات سو فیصد درست ہے'' میں نے سلطان شاہ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا ''لیکن یہ بات تمہیں کب اور کیسے یاد آگئی؟''

''میں نیویارک میں جہاز کی لینڈنگ سے پہلے الگ کمرے میں رہنے کا فیصلہ کرچکا تھا'' اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

میں سمجھ گیا کہ اسے دوران پرواز ویرا کا اپنے شانے سے سر ٹکا کر سونا ناگوار گزرا تھا۔ ویرا کی اس بے تکلفی نے اسے ایک ہیجان میں مبتلا کردیا تھا۔ ایک کمرے میں شب و روز ساتھ گزارے جاتے تو اس کی عافیت خطرے میں پڑ سکتی تھی۔ ویرا مجھے فون پر اس واقعے کے بارے میں بتا چکی تھی۔ ویرا کے بے پروائی سے سو جانے پر وہ اتنا برہم ہوا تھا کہ اس کے مزاج کو اعتدال پر لانے کے لیے ویرا کو اپنے پیر میں موچ آنے کا ڈراما کرنا پڑا تھا۔

غزالہ اس قصے کو کریدنے کی فکر میں تھی مگر میں نے بات آگے نہیں بڑھنے دی اور جلدی سے بولا ''تم دونوں ایک کمرے میں رہو یا الگ الگ' مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ تمہارے مراسم خوشگوار ہیں۔''

''یہ میری برداشت کا کمال ہے کہ تمہیں ہمارے تعلقات خوشگوار نظر آرہے ہیں ورنہ اس خاتون نے معاملات بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی!''

''یہ سفید جھوٹ ہے'' ویرا نے احتجاج کیا ''میرا قصور صرف یہ ہے کہ میں اکبر کی بات ماننے سے انکار کرتی چلی آرہی ہوں۔''

ویرا کا الزام سن کر غزالہ چونک گئی۔ میرے بھی کان کھڑے ہوگئے مگر مجھے اس بات سے خوشی ہوئی کہ گفتگو میں قدرے تیزی آجانے کے باوجود ویرا نے سلطان شاہ کا فرضی نام لیا تھا۔

''اکبر کیا کہتا ہے تم سے؟'' غزالہ نے مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''میں پیدائشی کرسچین ہوں۔ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنا

Downloaded from https://paksociety.com

مذہب تبدیل کرلوں۔ جب موقع ملتا ہے اس بارے میں مجھ پر دباؤ ڈالنا شروع کردیتا ہے‘‘ ویرا کا جواب سن کر غزالہ کے چہرے کے تنے ہوئے عضلات یکا یک ڈھیلے پڑ گئے۔

’’تم منہ در منہ جھوٹ بول رہی ہو‘‘ اس بار سلطان شاہ تلملا کر بولا ’’میں نے ایک بار بھی تم سے مذہب کی تبدیلی کا مطالبہ نہیں کیا‘ تم کو مسلمان ہوجانے کے فائدے گنواتا رہا ہوں۔‘‘

’’میرے نزدیک ان دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے‘‘ ویرا بے پروائی سے بولی ’’ایک کیتھولک کرسچین کو اپنے وعظ سنا کر تم کیا نتیجہ حاصل کرنا چاہتے ہو؟‘‘

’’اوہ خدا!‘‘ غزالہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر کراہنے والے انداز میں بولی ’’ہم چاروں ایک مدت کے بعد یک جا ہوئے ہیں اور تم دونوں نے پھر اپنی پرانی.....‘‘

’’انہیں بولنے دو‘‘ میں نے ہاتھ اٹھا کر غزالہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا ’’یہ ان کے دلوں میں دبا ہوا غبار ہے جو نکل رہا ہے۔‘‘

میں نے لمحہ بھر کے لیے توقف کیا۔ جب کوئی نہیں بولا تو میں نے سلطان شاہ سے پوچھا ’’ریٹا نے تم سے ایک سوال کیا تھا۔ تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟‘‘

’’تت..... تبلیغ میں ایسا ہی کرتے ہیں‘‘ اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا ’’غیر مسلم اسی طرح ہمارے مذہب کی طرف راغب ہوتے ہیں۔‘‘

’’یہی بات میں کہہ رہی ہوں تو تم مجھے جھوٹا قرار دے رہے ہو‘‘ ویرا نے اسے گھورتے ہوئے ترشی سے کہا ’’یہ تمہاری نہیں‘ میری برداشت ہے کہ آج بھی گاڑی چل رہی ہے۔ تم مسلسل مجھے میرے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوششیں کرتے رہے اور میں چپ رہی۔ میں جانتی تھی کہ میں تمہیں قائل نہیں کرسکوں گی۔ ہمارے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا جو تمہیں کوئی معقول بات سمجھاتا۔ اب علی خود فیصلہ کردے گا کہ کون غلطی پر ہے۔‘‘

’’تم ریٹا کو مسلمان کرنا چاہتے ہو؟‘‘ میں نے اپنی نظریں سلطان شاہ کے چہرے پر مرکوز کرکے سنجیدہ لہجے میں سوال کیا۔

’’کوشش کررہا تھا‘‘ اس نے مجھ سے نظریں چرا کر کمزور لہجے میں جواب دیا ’’وہاں ہمارے پاس کوئی کام نہیں تھا‘ میں نے سوچا کہ بیکار رہنے کے بجائے ایک نیک کوشش کرتا رہوں۔ شاید میری باتیں ریٹا کے دل میں اتر جائیں۔‘‘

’’میں کرسچین ہوں لیکن کبھی چرچ نہیں جاتی۔ مسلمان ہوگئی تو تمہاری مسجدوں میں نہیں جاؤں گی‘‘ ویرا جارحانہ انداز میں بولی ’’یہ بتاؤ کہ میں مسلمان ہوگئی تو میرا مستقبل کیا ہوگا؟ مجھے کون قبول کرے گا..... تمہارے معاشرے میں ایک بے وطن اور نومسلم عورت کا کیا بنے گا؟‘‘

یکا یک سلطان شاہ کے چہرے سے یتیمی برسنے لگی اور اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھنا شروع کردیا۔

وہ بہت نازک موڑ تھا۔ ہنسی مذاق میں بات بہت دور نکل گئی تھی۔ غزالہ نے اس موقع کی نزاکت سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان شاہ سے کہا ’’تم نے ایک نیک کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو اپنے اندر تھوڑی سی ہمت بھی پیدا کرو۔ ریٹا کا سوال بہت جائز ہے۔ اسے اپنے مذہب کے دائرے میں لانا چاہتے ہو تو اسے حوصلہ دو کہ تم اسے قبول کرلو گے۔‘‘

سلطان شاہ کے دیدے حیرت سے پھیل گئے‘ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر کچھ کہے بغیر دونوں ہونٹ مضبوطی سے ایک دوسرے پر جمالیے۔ اسے غزالہ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ یکا یک اسے ایسے امتحان میں ڈال دے گی۔

’’صدف کی بات درست ہے‘‘ میں نے لقمہ دیا ’’خود میں اتنی ہمت پاتے ہو تو اس کا مشورہ قبول کرلو ورنہ انکار کردو۔ یہ زبردستی کا معاملہ نہیں ہے۔‘‘

میں گن انکھیوں سے جائزہ لے رہا تھا کہ اس مرحلے پر ویرا نے متانت آمیز خاموشی اختیار کرلی تھی اور اس کی عقابی نگاہیں سلطان شاہ کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

اس مشکل ترین صورت حال میں پھنس جانے کے سبب سلطان شاہ کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے اپنی نظریں جھکا کر دھیمی اور ڈھیلی ڈھالی آواز میں کہا ’’میں فوری طور پر اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتا۔‘‘

’’یہ حال ہے تمہارا؟‘‘ ویرا نے زہریلی آواز میں اس پر الفاظ کا کوڑا لگایا ’’مجھے اپنے آبائی مذہب کو ترک کرنے کا مشورہ دے رہے ہو اور اپنے آپ میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ دوٹوک الفاظ میں میری ذمے داری قبول کرنے کا اقرار یا انکار کرسکو!‘‘

’’ریٹا! برہم ہونے کی ضرورت نہیں‘‘ غزالہ نے نرمی سے ویرا کو سمجھایا ’’یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کو بہت آسانی سے بڑے بڑے مشورے دے ڈالتا ہے‘ اس کی اپنی باری آتی ہے تو وہ خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگتا ہے۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اکبر کو بھی سوچنے سمجھنے کا حق حاصل ہے۔ اس بارے میں ہم کسی بھلے وقت میں دوبارہ

Downloaded from https://paksociety.com

بات کریں گے۔''

''ابھی تک تم دونوں نے اکبر سے بات کی ہے'' ویرا نے تیکھے تیوروں کے ساتھ کہا ''مجھ سے میری رائے نہیں پوچھی۔ اب اکبر کا فیصلہ آ جانے دو' میں اپنی رائے آخر میں دوں گی۔''

ویرا کے آخری فقرے پر سلطان شاہ کی گردن کو جھٹکا سا لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ ویرا کے چہرے پر ایک نگاہ ڈالنا چاہ رہا تھا لیکن اس کا جھکا ہوا سر اوپر نہ اٹھ سکا۔ ویرا نے ایک بے وطن اور نو مسلم عورت کے مستقبل کا سوال کر کے اس کے سر پر بہت بڑا بوجھ ڈال دیا تھا۔

''کیا ہم لوگ یہ الجھن پیدا کرنے کے لیے یہاں آئے تھے؟'' چند ثانیوں کے گمبھیر سکوت کے بعد میں نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

اچانک ویرا نے ایک مختصر اور جان دار قہقہہ لگایا اور میں بھونچکا رہ گیا۔ اس کا رویہ ہمیشہ غیر یقینی ہوا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کبھی کوئی درست پیش گوئی نہیں کی جا سکتی تھی' وہ کسی بھی وقت اپنے قول و فعل کا کوئی انوکھا کرتب دکھانے پر قادر تھی۔

میری طرح غزالہ اور سلطان شاہ بھی حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہے تھے اور وہ بے نیازی کے ساتھ کہہ رہی تھی ''دیکھو' اب کیسا بجر بٹو بنا ہوا بیٹھا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ میں آسان شکار نہیں ہوں۔ ہمیشہ فیصلہ کن کھیل کھیلتی ہوں۔ جیت جاتی ہوں یا پھر ہار مان لیتی ہوں۔ اس کی طرح مہلت کی طلب گار نہیں ہوتی۔''

''کیا ہم کوئی دوسری بات نہیں کر سکتے؟'' میں نے ناخوشگوار لہجے میں سوال کیا۔

''دوسری بلکہ اہم ترین بات ابھی باقی ہے۔'' ویرا بولی ''پتا نہیں' یہ مذہبی قصہ کیسے شروع ہو گیا۔''

''وہ بھی کہہ ڈالو۔ غیر ضروری تجسس سے مجھے الجھن ہوتی ہے'' میں نے کہا۔

''جلال سے میری بات ہوئی ہے'' ویرا اپنی بات دانستہ ادھوری چھوڑ کر اپنے لیے سگریٹ سلگانے میں مصروف ہو گئی۔ میرے بے اعتراض کے جواب میں اس نے فوری طور پر غیر ضروری تجسس پیدا کرنے کی شعوری کوشش شروع کر دی تھی۔

''تم نے اسے کب فون کیا؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''وہ کئی دنوں سے مجھ سے رابطہ کرنے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا۔ آج کامیاب ہوا تو اس سے خاصی تفصیل سے بات ہوئی۔ وہ میری یہاں آمد سے خوش نہیں ہے۔''

''اس کی ناخوشی میرے لیے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے'' میں نے کہا۔

''تم نے بھی مجھے یہاں آنے سے روکنے کی کوشش کی تھی لیکن اس وقت تاخیر ہو چکی تھی۔ ہمیں ہر حال میں جلد از جلد کینیڈا سے نکلنا تھا اس لیے اسی طرف چل پڑے۔ اس کی التجا بلکہ ہدایت ہے کہ اب کسی بھی قیمت پر یہ راز فاش نہیں ہونا چاہیے کہ ہم چاروں میں سے کوئی بنکاک میں موجود ہے۔'' اس نے اطمینان سے بتایا۔

اچانک میری اور غزالہ کی نظریں چار ہوئیں اور مجھے یاد آیا کہ میں نے موتی محل میں ہونے والی بھگدڑ میں صبح کے وقت راجن کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کر لیا ہوتا تو جلال کی ہدایت دھری کی دھری رہ جاتی۔ راجن کی لاش دستیاب ہوتے ہی بنکاک میں یہ خبر گردش میں آ جاتی کہ اسے ڈینی نے اپنے مخصوص زہریلے ہتھیار کا نشانہ بنایا ہے۔

''جلال نے اس ہدایت کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''پاکستان میں یہ یک وقت دو قیدی ڈینی ہونے کا اقرار کر رہے ہیں۔ جلال نے امریکی کیمپ کی ساری توجہ ان دونوں پر مرکوز کروا دی ہے۔ اب یہاں سے کوئی خبر لیک ہوتی ہے تو تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ جلال کی پوزیشن کیا ہوگی؟'' ویرا نے بتایا ''اس وقت اولین اہمیت رازداری کی ہے۔ اسے برقرار رکھنے کے لیے سب کچھ نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔''

''یہ معاملہ اتنا اہم ہے تو اسے براہ راست مجھ سے رجوع کرنا چاہیے تھا'' میں نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ ''یہ پیغام تمہارے ذریعے کیوں پہنچایا گیا ہے؟''

''اپنے کی ضرورت نہیں' وہ تم سے ہی بات کرے گا۔ وہ تمہاری مصروفیات سے بڑی حد تک باخبر ہے۔ کہہ رہا تھا کہ تم بری طرح الجھے ہوئے ہو'' ویرا نے کہنا شروع کیا ''میرے فون کے چکروں کی وجہ سے اسے مجھ سے رابطہ کرنے میں ناکامی ہو رہی تھی۔ اسے خوف تھا کہ ہم دونوں اکبر کی البرٹو میں دلچسپی کی وجہ سے کسی چکر میں نہ پھنس گئے ہوں۔ وہ مخلص اور ہمدرد آدمی ہے۔ مسلسل اپنی کوششوں میں لگا رہا اور آج اس سے میری بات ہو گئی۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے بریف کیا ہے تاکہ اس کی رائے تمہارے کانوں میں پڑ جائے۔ تفصیل وہ خود بتائے گا۔ مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ پاکستان میں واقعات ہمارے خلاف جا رہے ہیں۔''

''یہ احساس مجھے بھی ہو چکا ہے'' میں نے پرتشویش لہجے

Downloaded from https://paksociety.com

میں کہا ''اسی لیے میں تمہیں بنکاک آنے سے منع کر رہا تھا۔ نفری بڑھ جانے سے نئے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ تم یہاں آ ہی گئی ہو تو تم نے خود اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہاں کے حالات کیا ہیں.....؟''

''تھوڑی دیر پہلے خبروں میں راجن اور موتی محل کا ذکر آیا تھا'' اس نے یکا یک میری بات کاٹ کر تجسس لہجے میں کہا ''کئی آدمی ہلاک اور زخمی ہوئے ہیں۔ کیا یہ تمہاری شرارت تھی؟''

''یہ شرارت نہیں' خوفناک لڑائی ہے'' میں نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں جواب دیا ''میں تنہا اتنا بڑا کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس منظم کارروائی میں دوسرے لوگ شریک تھے مگر حالات کی بنا پر میں بھی اس واقعے میں ملوث ہو گیا۔''

گفتگو کا رخ تیزی سے بدل رہا تھا۔ رابطے کے نقدان کی وجہ سے ویرا کے ذہن میں بہت سے سوالات کلبلا رہے تھے اور وہ جلد از جلد ان کے جواب سننے کی خواہاں تھی۔

میں نے اسے موتی محل میں پیش آنے والے تازہ ترین واقعے کے بارے میں بتایا تو وہ فکرمندانہ انداز میں بولی ''معاملات اس حد تک الجھ رہے ہیں تو تم یہاں کیوں ٹکے ہوئے ہو.....؟ ڈان تم دونوں کے پاسپورٹ لوٹانے پر آمادہ ہے' وہ واپس لو اور ہمارے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ۔''

''میں اسی طرف آ رہا تھا۔'' میں نے کہا ''جلال راجن کی موت کا خواہش مند ہے۔ اب یہ میری انا کا سوال بھی بن چکا ہے۔ جب تک میں اپنے ہاتھوں سے اسے مار نہیں لوں گا' مجھے چین نہیں آئے گا۔ اس کام میں مجھے تم لوگوں کی کسی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم دونوں خاموشی کے ساتھ یہاں سے لوٹ جاؤ بلکہ صدف کو بھی اپنے ساتھ لیتے جاؤ۔ تم تینوں کے نکل جانے کے بعد میں زیادہ بے فکری سے اپنا کام کر سکوں گا۔ یہاں سے نمٹتے ہی میں تم تینوں سے آملوں گا۔ اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔''

''تم نے بتایا تھا کہ تم ڈان کی خواہش پر راجن کے پیچھے لگے تھے۔ اب تم اس بارے میں اتنے جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟'' ویرا کی روایتی جرح شروع ہو گئی۔

''وہ پرانی بات تھی۔ اب میری اور راجن کی لڑائی ہے۔ اس کے نتیجے میں ڈان کا مدعا پورا ہوتا ہے تو وہ ایک ضمنی بات ہے۔ مجھے اس سے زیادہ سروکار نہیں رہا۔ جب تک یہاں میری اصلیت راز میں ہے' مجھے کوئی خطرہ نہیں۔ سچ پوچھو تو میں یہاں مل جانے والے دوستوں کی وجہ سے خود کو بہت مطمئن اور آسودہ محسوس کرنے لگا ہوں۔''

''آپ ڈان اور چاؤفان کی بات کر رہے ہیں؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''یہاں وہی لوگ میرے خیرخواہ ہیں۔ تمہیں ان کی ذہنی سطح کا اندازہ ہے۔ میں جب تک چاہوں' انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکتا ہوں۔''

''اگر تم یہاں مطمئن اور آسودہ ہو تو ہم میں سے کسی کو یہاں سے کہیں جانے کی ضرورت نہیں'' ویرا نے سگریٹ کا دھواں اگلتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا دیا ''حالات اور قسمت نے ہمیں یہاں یکجا کر دیا ہے تو اب ہمارا مرنا اور جینا ایک ساتھ ہوگا..... تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟'' آخری سوال اس نے سلطان شاہ سے کیا تھا۔

وہ ندامت اور شرمندگی کے عالم میں اپنا سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ ویرا نے اسے براہ راست مخاطب کر کے زبان کھولنے کا حوصلہ دیا تو وہ نرم آواز میں بولا ''میں تمہاری رائے سے متفق ہوں۔ ہم یہاں ایک ساتھ ہونے کے باوجود الگ الگ ہیں۔ محتاط رہیں تو ہمیں ایک دوسرے کی وجہ سے کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔''

''ڈان ان کا گرویدہ ہو چکا ہے'' غزالہ نے خوش مزاجی کے ساتھ ویرا کو بتایا ''اپنے اقتدار کی بحالی کے ساتھ وہ انہیں اپنا دست راست بنانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔''

''اوہ!'' ویرا ہلکے سے استہزائی انداز میں بولی ''یہ کہو کہ اب تم بنکاک کے بدمعاشوں کا سرغنہ بننے کی تیاری کر رہے ہو۔''

''فضول باتیں مت کرو'' میں نے ناگواری سے کہا ''شی سے بغاوت کرنے کے بعد میں قانون شکنی سے تائب ہو چکا ہوں۔''

''تم میرے لیے نئی خبر ہے'' ویرا نے میرا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی ''تم اس وقت سے اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو وہ دنیا کے کون سے قانون کی رو سے جائز ہے؟''

''میں نے جو کچھ کیا' وہ قانون کی بالادستی اور اپنے ملک کے مفادات کو بچانے کے لیے کیا'' میں نے سنجیدہ ہو کر کہا ''میری دانست میں قانون شکنی وہ ہوتی ہے جو ناجائز ذاتی مفادات کے حصول کے لیے کی جاتی ہے۔''

''خوب! اب پتا چلا کہ تم نے مفہوم اور معانی کے لیے اپنی لغت بنائی ہوئی ہے'' ویرا نے اسی موڈ میں کہا ''دنیا کا ہر مجرم اپنی حرکتوں کے جواز میں ایسی ہی لنگڑی لولی تاویلیں پیش کرتا ہے۔''

''مجھے پروا نہیں کہ تم کیا سمجھتی ہو' میں نے برہمی سے کہا

Downloaded from https://paksociety.com

''میں جو کچھ کرتا رہا ہوں' اس کے بارے میں میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میرے بارے میں ڈان جو کچھ بھی سوچ رہا ہو' مجھے بنکاک کی زیر زمین دنیا کی سرگرمیوں سے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ اپنا کام ختم کر کے میں پاکستان لوٹ جاؤں گا۔''

''وہاں تمہارے لیے جال تیار ہو رہے ہیں۔ جاؤ گے اور دھر لیے جاؤ گے۔'' ویرا اپنی عادت کے مطابق بحث پر تلی ہوئی تھی ''تم پل پل میں بات بدل رہے ہو۔ ابھی ذرا دیر پہلے یہاں بن جانے والے دوستوں کی وجہ سے اطمینان ظاہر کر رہے تھے' اب یہاں سے واپس جانے کی بات کر رہے ہو۔ کچھ پتا نہیں چل رہا کہ تمہارے دماغ میں کیا ہے۔''

''میری پہلی ترجیح یہ ہے کہ میں جلد از جلد اپنے وطن لوٹ جاؤں۔ اگر نا گزیر وجوہ کی بنا پر جلاوطن رہنا پڑا تو پھر میں بنکاک میں رہنے کو ترجیح دوں گا۔ کسی نئے ملک یا شہر میں جا کر قدم جمانے سے بہتر ہے کہ میں یہیں رکا رہوں۔''

''یہی مسئلہ میرا بھی ہے' تم اپنے دوستوں کی وجہ سے یہاں رہنا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری ذات سے سہارا ملتا رہے گا۔ قصہ ختم اور پیسا ہضم!'' وہ بات پوری کر کے ہنس دی۔

میں نے کھل کر ان لوگوں کے سامنے اپنے دل کی بات بیان کر دی۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ پاکستان میں حالات کا رخ ہمارے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے جلاوطنی کے امکان کا ذکر کر دیا لیکن ان تینوں میں سے کسی نے میری بات پر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اندیشے ان کے ذہنوں میں بھی چکرا رہے تھے لیکن کسی کو معاملے کی نزاکت کا پورا ادراک نہیں تھا۔

ہم چاروں بے فکری سے اس پارک میں بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے۔ مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ غزالہ نے موقع سے فائدہ اٹھا کر ویرا اور سلطان شاہ کے یکجا ہونے کی بابت کھل کر اپنی خواہش ظاہر کر دی تھی۔ اس پر ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے کوئی منفی ردعمل سامنے نہیں آیا' دونوں طرف تذبذب نمایاں نظر آیا۔ ان دونوں کے درمیان ایک مدت سے مراسم کی جو غیر سنجیدہ نوعیت چلی آ رہی تھی' اس کے پیش نظر ایک سنجیدہ ترین رشتے کی تجویز پر ان دونوں کی ہچکچاہٹ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

مجھے یقین تھا کہ وہ دونوں اس بارے میں الگ الگ ہم سے مشورہ ضرور کریں گے اور آخر کار کسی مثبت نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

کچھ دیر بعد ویرا اور غزالہ سرک کر ہم دونوں سے دور ہو گئیں اور ان کے درمیان سرگوشیوں میں باتیں کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ عورتوں کی کچھ فطرت ہوتی ہے کہ وہ جہاں ملتی ہیں' کانا پھوسی کے بغیر ان کی ملاقات مکمل نہیں ہوتی۔ میں نے انہیں دیکھا اور نظر انداز کر دیا۔

غزالہ کو ویرا کی غیر موجودگی میں اس سے بہت سی شکایات رہتیں۔ اس بارے میں وہ مجھ سے بارہا بات کر چکی تھی لیکن اس وقت وہ ویرا سے یوں جڑی ہوئی بیٹھی تھی' جیسے روئے زمین پر وہی اس کی عزیز ترین ہستی ہو۔

''غزالہ نے اچانک کیا بات چھیڑ دی؟'' سلطان شاہ نے اس کھلے تخلیے سے فائدہ اٹھا کر نیچی آواز میں سوال کیا تو میں چونک گیا۔

''اس نے صحیح بات کہی ہے۔ غور کرو گے تو تم اس کے خلوص کے قائل ہو جاؤ گے'' میں نے اسی لمحے اپنا فیصلہ کن کردار ادا کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔

''مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو' وہ بے بسی سے بولا ''اس کی زبان گز بھر لمبی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے مجھے بجز بٹو کہہ رہی تھی۔''

سلطان شاہ کی اس معصومانہ شکایت پر میں نے اپنے بے ساختہ قہقہے کو بہت مشکل سے ضبط کیا اور کہا ''دوست اور بیوی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ مردوں کو یہ عام شکایت ہے کہ وہ اپنی محبوبہ سے شادی کر لیتے ہیں تو وہ بدل جاتی ہے۔ تم یک سو ہو کر فیصلہ کر لو۔ تمہارے بندھن میں آتے ہی وہ خود کو تمہاری مرضی کے مطابق ڈھال لے گی۔''

''مجھے فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اسی کی بھلائی سوچ رہا تھا۔ مسلمان ہو جائے گی تو اس کے ماضی کے سارے پاپ دھل جائیں گے۔ اگر وہ اسی حال میں مرنا چاہتی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ غزالہ بلاوجہ مجھے الجھا رہی تھی۔''

''کسی غیر مسلم کو مسلمان کرنا بہت بڑی سعادت ہے۔ اس کے مستقبل کا سہارا بن کر تم یہ سعادت حاصل کر سکتے ہو۔''

''کیا میں ہی رہ گیا ہوں۔ ہزاروں مرد اس کا سہارا بننے پر تیار ہو جائیں گے۔ وہ بلاوجہ جذباتی باتیں کر کے بہانہ بازی کر رہی تھی۔''

''اسے دوسرے مردوں سے کچھ نہیں لینا۔ تم نے اسے مسلمان ہونے کی دعوت دی ہے اس لیے اس نے تم سے سوال کیا ہے۔ رہا اس کا ماضی تو اب وہ بھولا ہوا خواب بن چکا ہے۔ یہ سمجھ لو کہ شہر کی ہنگامہ پرور زندگی میں ایک لمبی مدت گزارنے کے بعد اب تمہارا اپنے گاؤں کی کسی لڑکی کے

Downloaded from https://paksociety.com

ساتھ نباہ نہیں ہو سکے گا۔ کوئی شخص زندگی بھر تن تنہا نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر تم کو بہت شدت سے ایک ساتھی کی ضرورت محسوس ہوگی۔ ایک ساتھ رہ کر تم دونوں ایک دوسرے کے مزاج کو بہت اچھی طرح سمجھنے لگے ہو۔ شادی کے بعد تم دونوں کا لاابالی پن ختم ہو جائے گا۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے بجائے تم دونوں باہمی احترام اور رواداری کے قائل ہو جاؤ گے۔ ویرا بہت بڑے دل کی مالک ہے۔ وہ تمہیں اپنے سر کا تاج بنالے گی۔''

''تم مجھ سے زیادہ اس کی حمایت کر رہے ہو۔ تم نے سنا نہیں کہ اس نے آخر میں کیا کہا تھا۔ میرے بعد وہ اپنی رائے دے گی۔ میرے اقرار کے بعد وہ لامحالہ انکار کر دے گی اور میں زندگی بھر اپنی اس شکست کی آگ میں جھلستا رہوں گا۔''

وہ آمادگی کا ابتدائی اور بالواسطہ اظہار تھا۔ ویرا الفاظ کی بہترین کھلاڑی تھی۔ اس نے سلطان شاہ کو متذبذب پاکر اندر کے ایک خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ میں نے بدستور نیچی آواز میں کہا ''ضروری نہیں کہ تم اسی وقت کوئی فیصلہ کر ڈالو۔ اسے دیکھو، پرکھو، اس سے بات کرو۔ مجھے امید ہے کہ تم نے کھلے ذہن کے ساتھ اپنی مشق جاری رکھی تو تم میرے مشورے سے متفق ہو جاؤ گے۔''

''یہ بے کار باتیں ہیں'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ میں ایک غیر مسلم عورت کو اپنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''اصل نکتہ یہی ہے'' میں نے زور دے کر کہا ''میں اس کی باتیں سن کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم اسے باعزت مستقبل کی ضمانت دو تو وہ مسلمان ہو جائے گی۔''

''غزالہ نے میرے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں، اب تم مجھے چکو لے دے رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔''

''فی الحال کچھ نہ کرو'' میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا ''دھیرے دھیرے میری باتیں تمہارے ذہن میں خود جگہ بنالیں گی۔ ابھی تک میں نے تمہیں دنیاوی فائدے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ یہ تصور کرو کہ تم نے اسے مسلمان کر لیا تو تمہارا کیا درجہ ہوگا۔''

''اگر تم دونوں کے راز و نیاز ختم ہو گئے ہوں تو ادھر ہی آ جاؤ'' اچانک ویرا نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی۔

''خود راز و نیاز کے لیے ہم سے دور سر کی ہو اور اب باتیں بنا رہی ہو'' میں نے کہا۔ مجھے ویرا کی آنکھوں میں عجیب سی شوخ چمک نظر آ رہی تھی۔

ہمیں پارک میں بیٹھے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ ویرا نے اپنی جگہ چھوڑی تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے فون جیب سے نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر نمایاں تھا۔

میں نے بٹن دبا کر فون کان سے لگایا تو مجھے راجن کی پژمردہ سی آواز سنائی دی۔

قرب و جوار میں لوگوں کی آمد و رفت اور اونچی نیچی آوازوں کے سبب اس وقت راجن سے یک سو ہو کر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اپنے تمام تر تجسس کے باوجود میں نے اسے ٹالنے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا ''استاد! میں اس وقت بازار میں ہوں۔ آدھے گھنٹے بعد فون کر لینا۔''

لائن پر سکوت چھا گیا۔ راجن کے کانوں تک پہنچنے والی ملی جلی آوازیں میرے عذر کی کھلی تائید کر رہی تھیں۔ راجن نے بے چون و چرا فون بند کر دیا۔

''تمہارا کون سا استاد پیدا ہو گیا؟'' ویرا نے میرے قریب ہو کر حیرت سے پوچھا ''میں تو تمہیں اب تک استادوں کا استاد سمجھتی رہی ہوں۔''

''راجن تھا'' میں نے اسے بتایا ''اکبر کے روپ میں، میں اسے استاد کہتا ہوں تو میرے ذہن میں ناچنے والیوں کے کوٹھے پر طبلہ بجانے والے استادوں کا تصور ہوتا ہے مگر وہ اس خطاب سے خوش ہوتا ہے۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''کہنے سننے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اس کی آواز پر ہچکیاں برس رہی تھی۔ تم نے میرا جواب سن لیا ہوگا۔ آدھے گھنٹے بعد دیکھوں گا کہ وہ کیا کہتا ہے۔''

''یہ تمہارے لیے بہترین موقع ہے۔ وہ مار کھایا ہوا اور ہمدردی کو ترسا ہوا ہے۔ بہانے سے اسے کہیں بلاؤ اور اس کا کام تمام کر دو'' ویرا نے پرجوش لہجے میں مشورہ دیا۔

''بھڑ کا ہوا دشمن اتنی آسانی سے بہکاوے میں نہیں آتا'' میں نے بے پروائی سے کہا ''رفتہ رفتہ بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اب وہ مجھ سے بات کرنا چاہ رہا ہے۔ دیکھتا ہوں کہ صبح کی نفت کے بعد وہ کن تیوروں کے ساتھ بات کرتا ہے۔''

میں نے راجن کو وقت دے دیا تھا۔ ان دونوں نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ پارک سے ہم چاروں ایک

Downloaded from https://paksociety.com

ساتھ باہر نکلے پھر ہماری سمتیں مختلف ہوگئیں۔

''تم ویرا کے ساتھ کیا باتیں کررہی تھیں؟'' کچھ دور تک خاموشی سے پیش قدمی کرنے کے بعد میں نے غزالہ سے سرسری لہجے میں سوال کیا۔

''کک..... کچھ بھی نہیں'' اس نے بوکھلا کر عجلت میں کہا ''اِدھر اُدھر کی باتیں ہورہی تھیں۔''

''فضول باتوں کے لیے ہم دونوں سے دور کھسکنے کی ضرورت پیش نہیں آتی'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''سچ سچ بتاؤ کہ کیا ہورہا تھا؟''

''میں اسے سمجھانے کی کوشش کررہی تھی کہ سلطان شاہ کا جوڑا اس کے لیے بہت مناسب رہے گا۔'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔

اس کے لہجے سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ کوئی بات مجھ سے چھپارہی تھی مگر میں نے غیر ضروری بحث میں پڑنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی۔ مجھے یقین تھا کہ ان دونوں کی خفیہ باتیں کسی کے خلاف نہیں ہوسکتی تھیں۔ شاید غزالہ نے اسے سلطان شاہ کی طرف مائل کرنے کی کوشش بھی کی ہو لیکن اصل بات کچھ اور ہی تھی۔ وہ دو عورتوں کے نجی معاملات تھے۔ مجھے ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

راستے میں ہمارے درمیان دوبارہ باتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو موضوعِ سخن ویرا اور سلطان شاہ کا معاملہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں بدگمانیوں میں مبتلا تھے۔ ویرا کا کہنا تھا کہ سلطان شاہ اس قدر زبان دراز اور اکھڑ تھا کہ شوہر کی حیثیت سے اسے قبول کرنے کا تصور ہی اس کے لیے تکلیف دہ تھا۔ اسے یہ خوف بھی لاحق تھا کہ میری وجہ سے اس کا ماضی سلطان شاہ کے لیے کھلی کتاب کی طرح تھا۔ وہ اسے صرف مسلمان کرنے پر تلا ہوا تھا' اس سے آگے ویرا کی کوئی ذمے داری اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

اس بارے میں ویرا اتنی پُریقین تھی کہ اس نے غزالہ کو اپنے اعتماد میں لے کر یہاں تک کہہ دیا کہ اگر سلطان شاہ اسے اپنا جیون ساتھی بنانے پر تیار ہوجائے تو وہ اسی لمحے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائے گی۔

وہ جذبات کی رو میں کہی ہوئی ایک بات تھی جس پر آنکھیں بند کرکے یقین نہیں کیا جاسکتا تھا۔ وہ مشروط وعدہ کرتے ہوئے ویرا کو کامل یقین تھا کہ سلطان شاہ اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوگا نہ اسے اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہونا پڑے گا۔

غزالہ کی طرف سے وہ تجویز ایکا ایکی ان دونوں کے سامنے آئی تھی۔ وہ اس سوال کا براہِ راست سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اس لیے جذبات کی رو میں بہتے چلے گئے۔ سلطان شاہ نے مجھ سے اپنے جن تحفظات کا اظہار کیا اور ویرا نے غزالہ سے جو کچھ کہا، ان سب کو یک جا کرنے کے بعد مجھے یہ نظر آرہا تھا کہ وہ دونوں بلاوجہ ایک دوسرے سے خائف تھے۔ دونوں فریق ٹھنڈے دل سے اپنا اپنا جائزہ لیتے تو وہ بیل منڈھے چڑھ سکتی تھی۔

ہم دونوں کے لیے وہ موضوع اتنا اہم اور سنسنی خیز تھا کہ ہوٹل کے کمرے میں پہنچنے کے بعد بھی ہمارے درمیان اسی پر گفتگو ہوتی رہی۔

مجھے اس تجویز کے بارآور ہونے کے نتیجے میں نئے امکانات ابھرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ ان دونوں کے درمیان سمجھوتا ہوجانے کی صورت میں ہمیں ویرا کی فکر سے نجات مل جاتی، ذمے داریاں واضح طور پر تقسیم ہوجاتیں۔ دونوں جوڑے اپنی آزادانہ مرضی سے اپنی اگلی زندگی کا لائحہ عمل طے کرسکتے تھے۔ بے یقینی کی حالت میں ایک مدت سے چلا آنے والا ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ دو الگ الگ راستوں میں تبدیل ہوجاتا۔

اسی دوران میں راجن کا دوسرا فون آگیا۔ اس کی دونوں کالز کے درمیان پورے تیس منٹ کا وقفہ تھا جس کی تائید فون کلاک کررہا تھا۔

''استاد! میں آنے سے انکار کررہا تھا مگر تم نہیں مانے۔ آج تم نے مجھے مروادیا تھا۔'' میں نے اس بار راجن کی آواز سنتے ہی روہانسی آواز میں اپنی شکایت کا دفتر کھول دیا۔

''تم اناڑی اور بدھو ہو۔ مجھے فکر تھی کہ کہیں تم گھبراہٹ میں موتی محل کے کسی کونے کھانچے میں نہ مارے گئے ہو۔ تم کہاں ہو، موتی محل سے کیسے نکل گئے؟'' اس نے ایک سانس میں بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔

''اندر تمہارے مہمان میری ہڈیاں توڑنے پر تلے ہوئے تھے، باہر آگ برس رہی تھی۔ میرے لیے دونوں طرف صرف موت تھی۔ میں گولیوں سے بچ سکتا تھا، تمہارے خوں خوار مہمانوں کی مار سے بچنا میرے لیے ناممکن تھا۔ بس میں نے اللہ کا نام لے کر باہر کی طرف دوڑ لگادی اور تمہارے آدمیوں کے روکنے کے باوجود باہر بھاگتا چلا گیا۔''

''میں خوش ہوں کہ تم زندہ ہو۔ موتی محل پر میرے دشمنوں کی لشکر کشی تمہارے لیے انعام ثابت ہوئی اور تم

Downloaded from https://paksociety.com

مار کھانے سے بچ گئے۔ میرے مہمان نمک حرام نکلے۔ وہ سب جا چکے ہیں۔ کیا تم میرے پاس آ سکتے ہو؟'' اس کی آواز میں تحکم برقرار تھا۔ رسی جل رہی تھی لیکن اس کے بل باقی تھے۔

''استاد! میں کان پکڑتا ہوں، اب خواب میں بھی ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔'' میں نے خوف زدہ ہونے کی بے ساختہ صداکاری کرتے ہوئے کہا ''تم سے دونوں ملاقاتیں مجھے بہت مہنگی پڑی ہیں۔ اب میں تیسری غلطی نہیں کروں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری ''تم نے دیکھ لیا کہ میں نے ان کی ناراضی کی پروا کیے بغیر آخر تک تم کو بچانے کی کوشش کی تھی!''

''میں مانتا ہوں لیکن تم ان پانچوں کے سامنے کمزور یا چھوٹے تھے۔ انہوں نے تمہاری سفارش ماننے سے جس طرح انکار کیا وہ بھی میرے سامنے کی بات ہے۔'' میں نے جان بوجھ کر اس کی دکھتی رگ دباتے ہوئے کہا۔

''انہیں اور ان کی باتوں کو بھول جاؤ۔'' اس کی آواز یکا یک غضب ناک ہوگئی ''میں نے انہیں شیر سمجھ کر بلایا تھا لیکن وہ پانچوں چوہوں سے بھی بدتر ثابت ہوئے۔ وہ ڈر کر بھاگ چکے ہیں۔ لوٹ کر یہاں نہیں آئیں گے۔ تمہاری ملاقات صرف مجھ سے ہوگی۔ تم کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ میں تمہارا قدر دان ہوں۔ میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آج کے حملے میں ڈینی اور اس کے ساتھیوں نے میرے پانچ آدمی مارے ہیں۔ وہ حرامی ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس خوں ریزی سے دہشت زدہ ہو کر میرے سارے مقامی نوکر بھاگ گئے ہیں۔ کچھ بھارتی بھی ان کے ساتھ ہتھیاروں سمیت نکل گئے۔ اس وقت یہاں میرے سوا صرف چار جان نثار باقی رہ گئے ہیں۔ ان سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔''

وہ غصے کی زیادتی میں بولتا چلا گیا۔ میں نے دخل انداز ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ مجھے بلانا چاہ رہا تھا اور میں اس کے پاس جانے سے جھجک رہا تھا مگر اس کی زبان سے صرف چار آدمی رہ جانے کا ذکر سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔

یہ خبر مجھے ڈان سے بھی مل چکی تھی کہ بیشتر آدمیوں نے راجن کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے زیادہ تفصیل سے اس خبر کی وضاحت کر دی کہ اپنی جانوں کے خوف سے صرف مقامی نہیں بلکہ اس کے کافی بھارتی ملازم بھی موتی محل چھوڑ گئے تھے۔

اگر راجن کی اس وسیع و عریض رہائش گاہ میں اس سمیت صرف پانچ نفوس رہ گئے تھے تو وہ میرے لیے سنہرا موقع تھا۔ میں بیم گن اور زہریلی انگوٹھی کی مدد سے ان پانچوں کو جہنم واصل کرنے کی کوشش کر سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ کچھ ہی دیر پہلے مجھے ویرا کی معرفت جلال کا یہ پیغام مل چکا تھا کہ میں بنکاک میں اپنی یعنی ڈینی کی موجودگی کا راز فاش نہ ہونے دوں۔ بیم گن اور مہلک انگوٹھی استعمال کرنے کی صورت میں ایسا ہونا ناممکن تھا۔ مجھے اپنے روایتی ہتھیاروں کو بھول کر ان پانچوں کے مقابلے میں اپنے زور بازو پر انحصار کرنا تھا۔

عددی اعتبار سے انہیں مجھ پر خوف ناک برتری حاصل تھی، ان کے پاس اسلحے اور ہتھیاروں کے انبار موجود تھے، وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان حوصلہ شکن حقائق کا توڑ کرنے کے لیے میرے پاس صرف ایک ہتھیار تھا کہ مجھے راجن کا اعتماد حاصل تھا۔ موتی محل میں گھستے ہی میرا اور ان کا دوبدو مقابلہ ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ مجھے ہوشیاری اور مکاری سے کام لے کر اپنے پانچوں حریفوں کو مغلوب کرنا تھا۔

میں نے دل ہی دل میں وہ خطرہ مول لینے کا فیصلہ کر کے فون پر کہا ''سب باتیں ہو چکی ہیں۔ اب تم مجھے کیوں بلا رہے ہو؟''

''میں نے دوسروں پر انحصار کر کے خود کو بہت کمزور کر لیا ہے۔'' اس کی بپھری ہوئی آواز آئی ''اب میں ڈینی اور اس کے آدمیوں کی تلاش میں خود باہر نکلنا چاہتا ہوں۔ تم انہیں پہچانو گے، میں انہیں اٹھا لاؤں گا۔''

''مم..... مگر استاد، تمہارا ایک بازو زخمی ہے'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں اسے اس کا ایک اور زخم یاد دلایا۔

''بحث مت کرو!'' وہ غرایا ''مجھے دو ٹوک جواب دو۔ آ رہے ہو یا میں کوئی دوسرا بندوبست کروں؟''

وہ کھلی دھمکی تھی۔ دوسرے بندوبست سے اس کی مراد یہی تھی کہ وہ مجھے بھی زبردستی اٹھوانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس کے لیے وہ کام آسان ثابت نہ ہوتا اگرچہ وہ اور اس کے آدمی مجھے پہچانتے تھے مگر ان میں سے کسی کو میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ میں دانستہ اسے سسکا سسکا کر مشتعل کر رہا تھا۔ میرا بات بڑھانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ وہ ڈینی سے حد درجہ خوف زدہ تھا اور اکبر کو کمزور سمجھ کر ڈرانے دھمکانے کی کوششیں کر رہا تھا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ اپنے بدترین دشمن کو اپنی کمین گاہ میں آنے کی

Downloaded from https://paksociety.com

دعوت دے رہا تھا۔

''تم مجبور کر رہے ہو تو میں آ جاتا ہوں'' میں نے مردہ سی آواز میں کہا ''خوف سے میرا دل دھڑک رہا ہے۔ دیکھو، میرے ساتھ کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''

''رونے کی ضرورت نہیں'' اس نے درشت آواز میں کہا ''میں گھر پر ہی ہوں۔ جلد از جلد موتی محل پہنچ جاؤ'' اس نے اپنی بات پوری کرتے ہی فون بند کر دیا۔

''اب آپ پھر موتی محل جائیں گے؟'' غزالہ نے خوف سے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ میری یک طرفہ باتیں سن کر اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

''اس کے سارے مقامی محافظ بھاگ چکے ہیں۔ بھارتیوں میں سے بھی صرف چار باقی رہ گئے'' میں نے اسے دلاسا دیتے ہوئے بتایا ''ان سے فوری طور پر مجھے کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میں موقع محل دیکھ کر کوئی قدم اٹھاؤں گا۔''

''آپ بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ ان کے استعمال سے بات کھل جائے گی۔''

''مجھے جلال کی ہدایت یاد ہے۔ میں بھی انہیں استعمال نہیں کرنا چاہوں گا پھر بھی انہیں ساتھ لے جانا ضروری ہے۔ میں دشمن کے ٹھکانے پر جا رہا ہوں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہاں کیا صورتِ احوال رونما ہوتی ہے۔ جان پر بن گئی تو میں راز داری کو بھول بھال کر کچھ بھی کر گزروں گا۔''

''انگوٹھی بیچ سکتی ہے، جامہ تلاشی میں بیم گن پکڑ لی جائے گی۔''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اسے زیرِ جامے میں لے جاؤں گا'' میں نے ہنس کر کہا ''اس وقت وہاں ویرانی اور سوگ کا سماں ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ تلاشی کی نوبت ہی نہ آئے۔''

راجن سے وعدہ کرنے کے بعد میں موتی محل پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگانا چاہتا تھا مگر ادھر کا رخ کرنے سے پہلے کچھ اہم کام نمٹانے ضروری تھے۔

میں نے ایک کرسی سنبھال کر طارق کو فون کیا۔ اس سے میں موتی محل کے گرد و نواح کے حالات کے بارے میں رپورٹ لینا چاہ رہا تھا۔ اس روز اس سے سرے سے کوئی بات نہیں ہو سکی تھی۔

اس نے بتایا کہ وہ موتی محل پر ہونے والے حملے کی خبر سن کر وہاں پہنچا تو بنکاک کا پولیس کمشنر موتی محل کے احاطے میں ذرائع ابلاغ کے نمایندوں کو اس دیدہ دلیرانہ واردات کے بارے میں بریفنگ دے رہا تھا۔ راجن ان لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ وہ لوگ بموں سے ہونے والی تباہی کی تصاویر بنا کر لوٹ گئے۔ پولیس والوں نے بھی ضابطے کی کارروائیاں تیزی سے نمٹائیں اور لاشوں کا جلوس لے کر وہاں سے چلے گئے۔

سہ پہر تک موتی محل کے گرد و نواح میں حالات معمول پر آ چکے تھے۔ ٹریفک بحال ہو گیا۔ لوگوں کی آمد و رفت بھی جاری رہی لیکن موتی محل کا پھاٹک بند رہا۔

اس علاقے میں پولیس کی گاڑیوں نے گشت لگانا شروع کر دیا تھا لیکن طارق کے مشاہدے میں ایسی کوئی بات نہیں آ سکی جس سے یہ شبہ ہو کہ سرکاری یا غیر سرکاری طور پر اس عمارت کی نگرانی کی جا رہی تھی۔

اس کی گفتگو سے اندازہ ہوا کہ وہ مجھے اس حملے کا ذمے دار سمجھ رہا تھا۔ مجھے اس سے مل بیٹھنے اور دوستی استوار کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ میں نے حملے کے بارے میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

اس سے بات کرتے ہوئے میرے دل میں آئی کہ اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کر دوں۔ میں نے سوچا کہ وہ باہر رہ کر میرے لیے کچھ بھی نہیں کر سکے گا۔ زیادہ دیر تک ان اطراف میں منڈلانے کی وجہ سے وہ بنکاک کی گشتی پولیس کی نظروں میں آ جاتا تو اس کے لیے مسائل پیدا ہو سکتے تھے۔

اسد نے میرے قریب رہ کر مجھے پہچان لیا تھا۔ اس کی دل جوئی کے لیے میں نے بھی اس کے سامنے اپنی اصلیت کا اعتراف کر لیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے سینے میں راز لے کر پیوندِ خاک ہو جاتے ہیں لیکن اپنی زبان نہیں کھولتے۔ طارق کے لیے میں صرف علی احمد تھا، ایک عام سا پاکستانی جو بنکاک میں اس کے بڑوں کے لیے کوئی خاص کام سرانجام دے رہا تھا۔

اسے بنکاک میں اسد کی جگہ سنبھالتے ہی وائٹ ہاک کی غرقابی کی خبر ملی اور وہیں سے اسے اندازہ ہو گیا کہ میری سرگرمیاں مقامی قوانین کی حدود سے متجاوز تھیں۔ وہ بنکاک میں اپنے محکمے کی سرکاری نمایندگی کر رہا تھا۔ اس نے بھی مجھ سے راہ و رسم بڑھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

جب میں نے اپنے سوالات ختم کر لیے تو اس نے نرمی سے کہا ''میں نے آج صبح کے واقعے کے بارے میں اپنی ابتدائی رپورٹ اسلام آباد فیکس کر دی ہے۔ کیا اس میں تمہارا کوئی حوالہ دینے کی ضرورت ہے؟''

اس نے مہذب پیرائے میں یہ پوچھ ہی لیا کہ اس واقعے میں میرا کیا کردار تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''قطعی نہیں..... وہ کسی اور پارٹی کا کام تھا۔ اس سے مجھے تقویت ضرور ملی ہے۔ اب میں کچھ دیر بعد موتی محل میں جانے والا ہوں'' میں نے دوٹوک الفاظ میں اس پر سب کچھ واضح کردیا۔

اس نے خود وہ بات نہ چھیڑی ہوتی تو میں اسے اپنے پروگرام سے ہرگز آگاہ نہ کرتا۔ موقع ملا تو میں نے یہ سوچ کر اپنے جانے کا ذکر کردیا کہ شہر میں کم از کم کسی ایک فعال آدمی کو یہ علم ہونا چاہیے کہ میں کہاں تھا۔ اگر کسی وجہ سے میری بازی الٹ جاتی اور راجن مجھے زیر کرنے میں کامیاب ہوجاتا تو طارق موتی محل سے میری تلاش کا آغاز کرسکتا تھا۔

اس مہم میں میرا کردار اکبر کا تھا جس سے ڈان اور اس کے آدمی قطعی بے خبر تھے۔ اس بارے میں، میں بھول کر بھی ان پر بھروسا نہیں کرسکتا تھا۔ ان سب کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ اس روپ میں ان پر بے دھڑک ہوکر اعتماد کیا جاسکتا تھا۔

''اگر تم کسی مہم جوئی کے ارادے سے وہاں جارہے ہو تو یہ یاد رکھنا کہ وہاں جانے کے کئی راستے ہوسکتے ہیں۔ باہر آنے کا راستہ صرف راجن کی مرضی سے کھلے گا'' طارق کی آواز سرد اور گمبھیر ہوگئی۔ ''میں نے چند دنوں میں اس کے بارے میں جو معلومات جمع کی ہیں ان کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ یہاں کا سب سے زیادہ بارسوخ اور معزز بدمعاش ہے۔ اس کے اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے اثاثوں کو نقصان پہنچانا اور بات ہے اس کا سامنا کرنے سے پہلے تم کو ہر امکانی پہلو پر دس بار غور کرلینا چاہیے۔ تم بہت بڑا قدم اٹھانے جارہے ہو۔''

''میں اس مشورے کے لیے تمہارا ممنون ہوں'' میں نے برا منائے بغیر کہا ''میں نے بھرپور ہوم ورک کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آج کی رات ڈھلنے سے پہلے تم کوئی بڑی خبر اپنے بڑوں کو فیکس کرسکو۔ بس میری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہنا۔''

''میں دعا گو رہوں گا'' اس نے بے ساختہ جواب دیا ''ایک طرح سے تم بھی میری برادری کے رکن ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ پرائے دیس میں ایسے کام کرنے والوں کی کیا پوزیشن ہوتی ہے۔ وہاں سے تمہاری کامیابی کی خبر نہ آئی تو میں تمہاری مغفرت کے لیے دعا کروں گا۔ ملک اور قوم کے لیے ایسے کاموں میں اپنی جان قربان کرنے والے شہید کہلاتے ہیں..... گڈ لک دوست!''

وہ سرد، سپاٹ اور روکھے لہجے میں بات کرتے کرتے یکا یک اتنا جذباتی ہوگیا کہ مجھے بے اختیار پھریری آگئی۔

وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کرکے غلطی کی تھی۔ موتی محل میں جاکر میرا ہر حال میں کامیاب ہونا ضروری تھا۔ میری ناکامی کی صورت میں میری واپسی اسی شرط پر ہوسکتی تھی کہ راجن کو میری نیت پر شبہ نہ ہو۔ اسے میرے او پر رائی برابر بھی شک ہوجاتا تو میرا وہاں سے زندہ لوٹنا ناممکن تھا۔ اس انجام کے بعد طارق تو کیا، کوئی لشکر بھی موتی محل میں میرا سراغ نہیں پاسکتا تھا۔

طارق نے فون بند کردیا۔ میں چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا۔ پھر میں نے اسی وقت جلال سے بھی بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ موتی محل کا رخ کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہوگیا تھا کہ ویرا کے ذریعے ملنے والے پیغام کے پس پشت جلال کی کیا مصلحت کارفرما تھی۔

لوکل موبائل فون تپائی پر ڈال کر میں نے اول خان کا دیا ہوا موبائل سنبھالا اور جلال کا نمبر ملا لیا۔

''تم کہاں ہو..... میں تم سے بات کرنے کو ترس گیا ہوں۔'' تیسری گھنٹی کے بعد اس کی پرجوش اور دردمندانہ آواز ابھری۔ وہ اپنی اسکرین پر میرا فون نمبر دیکھ کر سمجھ چکا تھا کہ وہ کال میری تھی۔

''ریٹا سے تمہاری بات ہوئی ہے، میرے پاس تمہاری کوئی کال نہیں آئی۔''

''میں نے آج صبح دوبار کوشش کی لیکن تمہارا فون بند تھا۔''

''اوہو..... شاید بیٹری کمزور ہوگئی ہوگی۔ میں نے ابھی ابھی ایرپٹس چارجر سے نکالا ہے'' میں نے اسے حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے کہا ''ریٹا سے ملنے والا پیغام میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''اسے پتھر کی لکیر سمجھ لو'' جلال کی آواز سخت ہوگئی ''بنکاک سے اب تمہارا نام یا کوئی کام سامنے نہیں آنا چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے ورنہ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔''

''تم کس کھیل کی بات کررہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''میں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے کہ وہ دونوں قیدیوں میں سے کسی ایک کو ڈینی مان لیں۔ اب ان کے ارادے خطرناک ہیں۔ کالج کے ریکارڈ سے ملنے والی تمہاری تصویر پر ان کی پوری ٹیم نے کام کیا ہے۔ اس میں مصوروں کے ساتھ فزیالوجی کے ماہرین بھی شامل تھے جو کسی بھی شخص کی ارتقائی تبدیلیوں کا بھرپور علم رکھتے ہیں۔ اس تصویر اور علمی معلومات کی روشنی میں انہوں نے جو تین خاکے بنوائے ہیں، ان میں سے ایک، سو نہیں تو نوّے فی صد تم سے مشابہ ہے'' وہ

Downloaded from https://paksociety.com

پُرتشویش لہجے میں بتاتا چلا گیا۔

''دو اقبالی مجرم سامنے ہونے کے باوجود وہ اس منصوبے پر کام کررہے ہیں؟'' میں نے حیرت زدہ ہوکر کہا۔

''وہ ہر قیمت پر تمہیں پکڑنا چاہتے ہیں'' جلال ایک گہرا سانس لے کر بولا ''انہوں نے آنے والے ایک دو دنوں میں وہ تینوں خاکے اخباروں میں مشتہر کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ اب اشتہار بازی بے سود ہے۔ جب دو آدمی ہاتھ آگئے ہیں تو ان ہی پر محنت کرنا چاہیے۔''

''کیا وہ خاکے ان دونوں سے بھی کچھ مماثلت رکھتے ہیں؟'' میں نے تجسس آمیز لہجے میں پوچھا۔

''بالکل نہیں۔ اسی وجہ سے فزیالوجی کے ماہروں کو شبہ ہورہا ہے کہ وہ دونوں تشدد سے بچنے کے لیے جھوٹا اعتراف کررہے ہیں۔''

''کیا انہیں اپنے علم پر اتنا ناز ہے؟'' میری حیرت بڑھتی جارہی تھی۔

''کچھ ایسی ہی بات ہے۔ غنیمت ہے کہ انہیں پہلے یہ خیال نہیں آیا ورنہ تمہارا اب تک آزاد رہنا ممکن نہ ہوتا۔''

''تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ میرا درست خاکہ بنوانے میں کامیاب ہوچکے ہیں؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔ اس کی باتوں نے میرے ذہن کو بری طرح الجھا دیا تھا۔

''میں نے خود تینوں خاکے دیکھے ہیں۔ ان میں سے ایک پر نظر پڑتے ہی میں اندر سے کانپ گیا۔ وہ ہو بہو تمہاری موجودہ شکل ہے۔ وہ ان تینوں سے کمپیوٹر پر درجنوں خاکے بنا رہے ہیں۔ ہر خاکے کے ساتھ داڑھی اور مختلف انداز کے بالوں وغیرہ کا اضافہ کرکے وہ دائرہ تنگ کردیں گے۔ میں نے کسی کو اس بات کی بھنک نہیں لگنے دی۔ انہیں خود بھی یہ اندازہ نہیں ہے کہ ان تینوں میں سے کون سا خاکہ حقیقت سے قریب ہے..... تم پوری بات سمجھ رہے ہو نا..... اس وقت تمہاری بزکاک میں موجودگی کا ذرا بھی اشارہ ملا تو وہ ادھر کا رخ کرلیں گے۔ ان کے بنوائے ہوئے خاکے تمہارے لیے موت کا جال بن جائیں گے۔''

''لیکن راجن نے ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ ڈینی اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے'' میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا ''امریکیوں کے لیے اس کا دعویٰ دلچسپی کا سبب بن جائے گا۔''

''وہ خوف زدہ ہے۔ تم نے اسے دہشت میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ میں وہاں کی پل پل کی خبریں لے رہا ہوں۔ پولیس سمیت سب کا خیال ہے کہ اس کے دماغ پر ڈینی کا آسیب سوار ہے، وہ کسی گینگ وار میں الجھ گیا ہے، جس کا دوسرا فریق ابھی تک سامنے نہیں آسکا۔'' جلال نے وضاحت کی ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آج جس وقت موتی محل پر حملہ ہوا، وہاں بھارت کی انڈر ورلڈ کے پانچ نامی گرامی ڈان راجن کی مدد کے لیے سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے۔ حملے کے بعد وہ سب تیزی سے وہاں سے نکل گئے اور اب سے ڈیڑھ گھنٹے پہلے کی رپورٹ کے مطابق وہ پانچوں ایک ایک کرکے بنکاک سے واپس جاچکے ہیں۔''

میں دخل اندازی کیے بغیر گہری دلچسپی سے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے پوچھا ''یہ خبریں تمہیں کس ذریعے سے ملی ہیں؟''

''وہاں میرا ایک ہی ذریعہ ہے۔ طارق بہت محنت سے کام کررہا ہے۔''

''تم سے پہلے میں اسی سے بات کررہا تھا۔ اس نے مجھے یہ باتیں نہیں بتائیں'' میں نے آزردگی کے ساتھ شکوہ کیا۔

''جب تک وہ اپنے طور پر تمہارے کام کے اسکوپ کا اندازہ نہیں لگالیتا، وہ تمہیں اپنی خفیہ رپورٹوں سے آگاہ نہیں کرے گا۔ اس کی دانست میں علی احمد کے لیے یہ باتیں غیر متعلقہ ہیں'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کی ''اسے تمہاری اصلیت کا علم ہوجائے تو وہ تمہیں سب کچھ بتانا شروع کردے گا۔ اس وقت ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔''

جلال میری توقع سے کہیں زیادہ باخبر تھا۔ اس کی الجھنیں میری سمجھ میں آنے لگیں۔ اپنی معلومات کی بنا پر وہ مجھے حکمتِ عملی کے بارے میں صحیح مشورہ دے رہا تھا۔ میں نے رسان سے کہا ''اب تم کو یہ بھی معلوم ہوجانا چاہیے کہ راجن نے مجھے ان پانچوں کے سامنے یہ گواہی دلوانے کے لیے پیش کیا تھا کہ ڈینی بنکاک میں ہے!''

''تت..... تم وہاں کیا کررہے ہو..... کیا ہورہا ہے وہاں؟'' فرطِ حیرت سے اس کی زبان میں لکنت سی آگئی۔

''حملہ نہ ہوجاتا تو انہوں نے مجھے گھیر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی میری گواہی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ راجن کے ساتھ بری طرح پیش آرہے تھے.....''

''اللہ تم کو سلامت رکھے، تم خوف ناک حرکتیں کررہے ہو۔'' اس نے میری بات پوری ہونے سے پہلے اضطراری لہجے میں کہا ''تم اس مردود کے گواہ کیسے بن گئے؟''

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اسد کے ساتھ راجن سے ملاقات ہونے کے بعد سے رونما ہونے والے واقعات کا خلاصہ اسے سنا ڈالا۔

''تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ بے خوفی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔'' اس نے مشفقانہ لہجے میں ملامت کی۔ ''تمہاری وجہ سے خواہ مخواہ دو بے گناہ سکھوں کے ہوٹل نذر آتش ہوئے۔ تم نے خود اس کے دماغ میں یہ بات بٹھائی ہے کہ ڈینی وہاں ہے۔''

''مگر ان پانچوں کو اس کہانی پر اعتبار نہیں تھا۔ وہ مار پیٹ کر مجھ سے سچ اگلوانا چاہتے تھے۔''

''میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ اس کے بذیان پر کسی کو اعتبار نہیں ہے۔ میں حیران ہوں کہ اپنی ان محاذ آرائیوں کے باوجود تم نے خود کو برنارڈ اور راجن سے کیسے بچایا ہوا ہے۔'' وہ بولا۔

''تم اس چکر میں نہ پڑو۔'' میں نے ہلکے سے تمسخر سے کہا ''معدہ برباد ہو جائے گا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے ہیں اور میں الگ الگ ان دونوں کا راز داں بنا ہوا ہوں۔''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ راجن کسی بھی لمحے تمہیں بھون سکتا ہے۔''

''دراصل میں اسی سے ملنے جا رہا ہوں۔ سوچا کہ جانے سے پہلے تم سے بات کر لوں۔''

''کیا واقعی تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ موتی محل پر حملے کا واقعہ تازہ ہے' ان پانچوں کی سرد مہری اور بے وفائی پر وہ جھنجلایا ہوا ہوگا۔ اس وقت اس کی دماغی کیفیت ایسی نہیں ہوگی کہ تم اس کے قریب جانے کا خطرہ مول لو۔''

''میں تمہاری اس فکر مندی پر شکر گزار ہوں۔'' میں نے احترام سے کہا ''مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنی مرضی سے نہیں' اس کے بلاوے پر وہاں جا رہا ہوں۔''

''صبح تم بیٹنے سے بال بال بچے ہو' تمہیں انکار کر دینا چاہیے تھا۔'' وہ مجھے روکنے کے لیے بے چین ہوا جا رہا تھا۔ ''اب گول ہو جاؤ۔ بعد میں اس سے کوئی بہانہ کر دینا۔''

''میں سب جتن کر چکا ہوں۔ وہ نہیں مانا۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ اس کے لیے میں اکبر بنا ہوا ہوں۔ میرا لالچ مجھے اس سے مفاہمت کی راہ پر لے گیا ہے۔ وہ.....''

''اسے تمہاری کیا ضرورت پیش آ گئی؟'' جلال نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

''میں وہی بتانے جا رہا تھا۔ ہم دونوں ڈینی کے آدمیوں کو ڈھونڈنے کے لیے نکلیں گے۔ مجھے ان کو شناخت کرنا ہے۔ باقی کام وہ خود کرے گا۔'' میں نے بتایا۔

''اس کھیل میں تم ناگہانی چند بے گناہوں کو مروا دو گے!''

''کسی کا بال بھی بیکا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں ایک ہوٹل میں دیکھا پھر وہ غائب ہو گئے۔ ضروری نہیں کہ ان میں سے کوئی دوبارہ نظر آ جائے۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھ رہے کہ اس بار وہ میری دسترس میں ہوگا۔ موقع ملتے ہی تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی؟''

''لیکن تم کو بہت محتاط رہنا ہوگا۔ اس پر ایسا کوئی طریقہ نہ آزمانا جس سے تمہارا نام سامنے آنے کا موہوم ترین امکان بھی ہو۔ کوئی گڑبڑ ہوئی تو یہاں سب کچھ تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔''

''میری کامیابی کے امکانات روشن ہیں پھر بھی محض حفظ ماتقدم کے طور پر بیم گن اور انگوٹھیاں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ انتہائی بدترین حالت میں' میں ان پر انحصار کروں گا ورنہ پورا کام ہاتھ پیروں یا کسی روایتی ہتھیار سے مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔'' میں نے اپنے سارے کارڈز اس کے سامنے کھول دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا۔

''حالات کا فیصلہ تم اپنی صوابدید کے مطابق کرو گے۔ یہ یاد رکھنا کہ ایسے بدترین حالات مجھے تحت الثریٰ میں دھکیل سکتے ہیں۔'' اس کی آواز میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔ ''تم کو امریکیوں کے چنگل سے بچانے کے لیے میں نے سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے۔''

''تم بے فکر رہو میں معاملات کی نزاکت اور ساری پیچیدگیاں سمجھ چکا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو ہم دونوں کو سرخ روئی حاصل ہوگی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ میں خالی ہاتھ وہاں جا کر خودکشی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتا۔ لڑائی میں جیبیں بھاری ہوں تو حوصلہ بلند رہتا ہے۔ آدمی کھلے دل کے ساتھ اپنے حریفوں کا مقابلہ کرتا ہے۔'' میں نے پُرعزم لہجے میں کہا۔ ''میرے لیے بدترین حالات وہ ہوں گے جب زندہ بچنے کی کوئی امید نہ رہے۔ ایسے وقت میں ساری ضروریات اور ترجیحات یکا یک اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہیں۔''

جلال کو اندازہ ہو گیا کہ میں راجن کو ٹھکانے لگانے کا وہ موقع ضائع کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ وہ خود اپنی موت کو دعوت دے رہا تھا تو مجھے پیش قدمی کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''مجھے تمہاری ذہانت اور فیصلوں پر پورا بھروسا ہے۔'' اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ''تم سے دور رہ کر بعض

Downloaded from https://paksociety.com

اوقات یہ شبہ ہوتا ہے کہ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش کر رہے ہو لیکن بعد میں سامنے آنے والے نتائج یہ ثابت کرتے رہے ہیں کہ تمہارے فیصلے درست اور جرأت مندانہ ہوتے ہیں۔ اگر میں نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی سخت بات کہہ دی ہو تو میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ میں کوئی ہیر پھیر نہیں کرتا۔ جو کچھ کہتا یا کرتا ہوں اس میں میری نیک نیتی کارفرما ہوتی ہے۔ میں پورے خلوص کے ساتھ تمہیں اور خود کو ہر برے وقت سے بچانا چاہتا ہوں۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں نے تم سے جن بدترین حالات کا ذکر کیا ہے ان کی نوبت نہیں آنے پائے گی لیکن مجھے اس انتہا کے لیے تیار رہنا ضروری ہے۔ مجھے اب راجن کی بساط الٹتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ یہ چراغِ سحری بھڑک کر کسی بھی لمحے گل ہو جائے گا۔ اس کے بعد میرے لیے یہاں کوئی کام باقی نہیں رہے گا۔ یہ بتاؤ کہ اب ہماری واپسی کا کیا نقشہ بن رہا ہے!''

''مجھے ڈر ہے کہ حالات سازگار ہونے کے بجائے روز بہ روز خرابی کی طرف جا رہے ہیں۔'' اس کی آواز سے جھجک کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''خاکے بن جانے کے بعد صورتِ حال میں ڈرامائی تبدیلی آئی ہے۔ میں ان کے اشتہاری اجرا کو اسی وقت تک رکوا سکتا ہوں جب تک کہیں سے تمہارا نام سننے میں نہیں آتا اور وہ دونوں قیدیوں میں الجھے رہتے ہیں۔''

''وہ ان میں کیسے الجھے رہ سکتے ہیں؟'' میں نے بے یقینی سے سوال کیا۔ ''ابھی تم نے بتایا تھا کہ ان کے علم الابدان کے ماہروں نے ان دونوں کے خدوخال کو مجھ سے یا میری پرانی تصویر سے مشابہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔''

''یہ ان کی تھیوری ہے۔ کسی واضح ثبوت کی غیر موجودگی میں انہیں اس ٹھوس حقیقت میں الجھایا جا سکتا ہے کہ دو اقبالی مجرموں کی موجودگی میں ایک خیالی نظریہ کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اسی لیے میں تمہیں بار بار تاکید کر رہا ہوں کہ اب کہیں سے بھی تمہارے نام یا کام کی کوئی بھنک نہیں ملنا چاہیے۔ ایسا ہوا تو ان کی تھیوری میں جان پڑ جائے گی۔ میری دلیلیں دھری کی دھری رہ جائیں گی اور وہ ہاتھ دھو کر از سرِ نو تمہاری تلاش میں جٹ جائیں گے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں مگر میں جانتا ہوں کہ ان کے بنوائے ہوئے خاکوں کی تشہیر کے بعد تم کبھی منظرِ عام پر نہیں آ سکو گے۔''

''تم بہت بھیانک منظر کشی کر رہے ہو!'' میں نے بے اختیار ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ''اپنی مرضی سے برسوں وطن سے دور رہنے کی اور بات ہے لیکن ایسی جبری جلاوطنی کا ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہوگا۔ یہ عذاب مجھ سے برداشت نہیں ہو سکے گا۔''

''اللہ مالک ہے!'' اس نے جواب دیا ''میں اپنی کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ امید ہے کہ تم کسی نہ کسی طرح اس صورتِ حال سے دوچار ہونے سے بچ جاؤ گے۔''

''تمہارا کیا پلان ہے؟'' میں نے متجسس انداز میں پوچھا۔ ''ہو سکتا ہے کہ میں اس بارے میں تمہیں کوئی مناسب مشورہ دے سکوں۔''

''ابھی میرا ذہن صاف نہیں ہے۔ ہدف موجود ہے یعنی تم کو مصائب و مشکلات سے بچانا مگر یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ ہدف کیسے حاصل ہوگا۔ ابھی میں ہر طرف ہاتھ پیر مار رہا ہوں۔ جوں ہی کوئی موزوں راہ سجھائی دے گی میں تم سے ضرور مشورہ کروں گا۔''

جلال ایک ذمے دار اور فرض شناس افسر تھا۔ اس کے بارے میں میرا تجربہ تھا کہ وہ حقائق کی دنیا میں رہنے والا آدمی تھا، مبالغے سے کام نہیں لے رہا تھا۔ اگر وہ میری اور میرے ساتھیوں کی واپسی میں مضمر خطرات کے بارے میں اتنا فکرمند تھا تو اصل حالات اس سے کہیں زیادہ سنگین تھے۔

''میں اپنے کام میں لگا ہوا ہوں' تم اپنا محاذ دیکھتے رہو۔ ہماری نیتیں صاف ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں کامیابی سے نہیں روک سکتی۔''

''بھارتیوں سے ہماری کھلی لاگ ڈانٹ چلتی ہے۔ ان کے معاملے میں ہم کہیں بھی مجبور یا بے بس نہیں ہوتے۔ ذرا سا شبہ ہوتا ہے اور ہم ان کی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں۔'' اس نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا ''امریکیوں کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ وہ بزعم خود ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں ہم سے گہری اور اٹوٹ دوستی کے دعوے دار ہیں' ان سے ذرا سا بھی اختلاف کیا جائے تو آنکھیں دکھانے لگتے ہیں' ہمیں ہمارا برا بھلا سمجھانے لگتے ہیں جیسے ہم کوئی نومولود قوم ہوں اور ہمیں اپنے مفادات کا پتا نہ ہو۔''

''تم نے سو کی ایک بات کہہ دی۔'' میں اپنی پریشانی کے باوجود اس کے تبصرے سے محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ''وہ زبردستی ہمارے بڑے بھائی بنے ہوئے ہیں۔ تم نے وہ کہاوت تو سنی ہوگی کہ سگ باش' برادر خرد مباش۔ ہم ان کا چھوٹا بھائی بنے رہنے پر مجبور ہیں۔''

''ان پر لعنت بھیجو۔ دنیا میں ہر طرف سے ان کے خلاف آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جب ایک سادہ لوح اور فراخ دل قوم اپنے

Downloaded from https://paksociety.com

اقتدار کی باگ ڈور مکار حکمرانوں کو سونپ دیتی ہے تو یہی سب ہوتا ہے۔ ہم نے ان پر اپنا خاصا وقت برباد کرلیا۔ تمہیں اپنے دشمن سے بھی ملنے کے لیے جانا ہے۔ یہ بتاؤ کہ ریٹا اور اس کے ساتھی کا کیا حال ہے۔ فون پر بات ہوئی تو وہ بہت خوشگوار موڈ میں چہک رہی تھی۔''

''دونوں خوش ہیں۔ دعا کرو کہ وہ ہمیشہ کے لیے اکٹھا ہوجائیں۔'' میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ مجھے راجن سے بات کیے کم و بیش بیس منٹ ہو چکے تھے۔

''کیا تم ان کی شادی کرانے کے بارے میں سوچ رہے ہو!'' اس نے چونکتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''ان دونوں کا گھر آباد ہوجائے تو میرا بوجھ ہلکا ہوجائے گا۔'' میں نے خفیف سی ہنسی کے ساتھ کہا۔ ''پل پل بدلتے ہوئے خطرناک حالات کی وجہ سے میں ویرا کے بارے میں بہت فکرمند رہنے لگا ہوں۔''

''وہ پٹھان لڑکا ہے۔ ریٹا جیسی آزاد خیال اور بے دین لڑکی کو قبول نہیں کرے گا۔'' جلال نے بے ساختہ اپنی رائے کا اظہار کردیا۔ ''ریٹا بھی اس رشتے پر آمادہ نہیں ہوگی۔ وہ بے رحمی سے اسے رگڑتی رہتی ہے۔''

''ابھی کوششوں کا آغاز ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی مثبت نتیجہ نکل آئے!''

''کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ چوطرفہ ذمے داریوں کے احساس نے تمہیں کچل کر رکھ دیا ہے۔ مسائل سے منہ پھیرنے کے بجائے تم بلاتامل انہیں اپنے سر پر سوار کرلیتے ہو۔'' اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے یہ محسوس نہیں ہوتا۔ مسائل سے الجھنے میں مجھے لطف آتا ہے۔ زندگی میں یہ اونچ نیچ نہ ہو تو زندہ رہنے کا سارا لطف پھیکا پڑ جاتا ہے۔ حرکت اور ہنگاموں سے زندگی کو تعبیر ملتی ہے۔''

ہم دونوں نے اپنی اپنی باتوں سے ایک دوسرے کے ذہنوں کو بوجھل اور پریشان کردیا تھا۔ آنے والے وقت میں بہتری کی امیدوں کے اظہار کے ساتھ ہمارا وہ رابطہ ختم ہوگیا۔

''آپ بہت وقت لے چکے ہیں' راجن آپ کے انتظار میں بے تاب ہورہا ہوگا۔'' غزالہ نے مجھے ٹوکا اور کہا ''آپ کی بعض باتوں سے مایوسی جھلک رہی تھی۔ جلال کیا کہہ رہا تھا؟''

وہ میری یک طرفہ گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتی رہی تھی۔ اس نے اپنے طور پر کچھ درست اندازے بھی لگا لیے تھے۔ رہی سہی باتیں میری زبانی معلوم ہوئیں تو وہ قائل ہوگئی کہ موتی محل کی طرف جانے سے پہلے جلال سے وہ گفتگو ضروری تھی۔ اس کے نتیجے میں پاکستان کی بدلتی ہوئی صورتِ احوال واضح ہوگئی تھی۔

میں نے روانگی کی تیاری کرتے ہوئے بیم گن کو اپنے کوٹ کے نیچے' پتلون کی بیلٹ میں چھپایا تو غزالہ بولی۔ ''انگوٹھی تک ٹھیک ہے۔ آپ بیم گن نہ لے جائیں تو بہتر رہے گا۔ کسی مرحلے پر آپ اضطراری طور پر اسے استعمال کر بیٹھے تو بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔ یہ.....''

میں نے نرمی سے اس کا رخسار تھپتھپا کے کہا۔ ''کچھ نہیں ہوگا۔ میں وہاں خالی ہاتھ نہیں جانا چاہتا۔ پستول وغیرہ کے مقابلے میں بیم گن بہتر رہے گی۔''

غزالہ سے رخصت ہوکر میں لفٹ کے ذریعے ہوٹل کے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو میری نگاہیں تیزی سے گردوپیش کا طواف کررہی تھیں۔

میں لفٹ سے نکل کر مشکل سے دو قدم آگے بڑھا تھا کہ اچانک میری نظریں ہوٹل کے صدر دروازے سے آتے ہوئے چاؤفان پر پڑیں۔ اس کا کسی اطلاع کے بغیر اچانک نازل ہونا مجھے بہت گراں گزرتا تھا۔ اس وقت میں ویسے بھی موتی محل پہنچنے کی عجلت میں تھا۔ میں نے چاہا کہ پھرتی سے اپنا رخ پلٹ کر اپنی پیٹھ اس کی طرف پھیرلوں اور انجان بن کر ہوٹل کے کسی اور راستے سے باہر نکل جاؤں مگر مجھے لمحہ بھر کی تاخیر ہوگئی۔ اس خبیث نے میری دراز قامت کی وجہ سے دور ہی سے مجھے دیکھ کر فضا میں اپنا ہاتھ لہرایا اور تیر کی طرح میری طرف آیا۔

''ماسٹر! تمہیں کیسے پتا چل گیا کہ میں تم سے ملنے کے لیے آرہا ہوں؟'' اس نے میرے قریب آکر مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''میں تمہارے استقبال کے لیے نیچے نہیں اترا۔'' میں نے خفا ہوکر کہا ''ایک ضروری کام سے کہیں جارہا ہوں۔ تم بلائے بے درماں کی طرح یہاں کیوں آئے ہو؟''

''ماسٹر! کیوں مجھ بے چارے پر ناراض ہورہے ہو۔'' وہ نرمی سے میرا بازو تھام کر مجھے راہداری کے ایک دیوہیکل ستون کی طرف لے جاتے ہوئے بولا۔ ''مجھے بتاؤ' میں تمہارا ہر کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم یہاں بیٹھ کر کافی کا ایک کپ پیو' میں تمہارا کام کرکے لوٹ آؤں گا۔'' اس کا لہجہ اس قدر عاجزانہ تھا کہ میں بے بسی سے مسکرا کر رہ گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''مجھے بھوک لگی ہوئی ہو تو میرے بجائے تم کھانا نہیں کھا سکتے۔'' میں نے ذرا تختی سے کہا ''اپنی بھوک مٹانے کے لیے مجھے خود کھانا کھانا پڑے گا۔ اس کام کی نوعیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ میں تمہیں زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔''

اس وقت تک ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اس گول اور آراستہ ستون تک پہنچ چکے تھے جہاں ہم دونوں کے سوا کوئی تیسرا نہیں تھا۔

''ماسٹر! تم بہت مبارک آدمی ہو۔'' وہ دھیمے اور عقیدت مندانہ لہجے میں بولا ''صبح تم سے رخصت ہو کر میں مادام کی طرف گیا تھا اور اب سیدھا وہیں سے آرہا ہوں۔ وہ بہت اچھے اور کھلنڈرے موڈ میں تھی۔ آج میں نے اسے فتح کر لیا۔''

''اسی لیے تمہارا رواں رواں الکحل کی تیز بو سے مہک رہا ہے۔'' میں نے دانت پیس کر کہا۔ ''تم کو اس حالت میں یہاں آتے ہوئے شرم آنی چاہیے تھی۔''

میری لتاڑ سن کر اس کا چہرہ لٹک گیا اور وہ مغموم آواز میں بولا ''میرا خیال تھا کہ تم میری کامیابی کی خبر سن کر خوش ہو جاؤ گے۔ تم ناراض ہو رہے ہو۔''

''تمہاری بے شرمی پر اپنا سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ آدمی اپنی ایسی حرکتوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے' ان کا ڈھنڈورا نہیں پیٹتا۔ تم نے اپنا پیٹ ہلکا کر لیا۔ اب یہاں کیوں رکے ہوئے ہو۔ جاؤ تاکہ میں اپنا کام کر سکوں۔''

''تم بگڑ جاؤ تو تمہیں منانا مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ سر جھکا کر مغموم لہجے میں بولا ''میں نے یہاں آنے سے پہلے تیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کے ساتھ خوب پیاز کھالی تھی تاکہ تمہیں کوئی بو نہ آئے مگر تم سے کوئی بات چھپانا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ تم سب کچھ سونگھ لیتے ہو۔ یقین کرو کہ میں نشے میں نہیں ہوں۔ املی اور آلو بخارے کے تیز شربت نے ذہن بالکل صاف کر دیا ہے۔''

اس کی زبان سے تیخ پر بھنے ہوئے چوہوں کا ذکر سن کر مجھے کراہت سے متلی ہونے لگی۔ ان لوگوں کی خوراک ان سے زیادہ عجیب تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ الا بلا کھا کر زندہ کیسے رہتے ہیں!

''چاؤفان! میں تم سے ذرا بھی ناراض نہیں ہوں۔'' میں نے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھاتے ہوئے' الفاظ چبا چبا کر کہا ''تم بلاوجہ مجھے منانے کی کوشش نہ کرو.....''

''میں جا رہا ہوں۔'' وہ قطع کلامی کرتے ہوئے درمیان میں بولا۔ ''تم دوسری خبر بھی سن لو۔ چھوٹا راجن کے پانچوں حمایتی یہاں سے واپس جا چکے ہیں۔''

''تم لی کے قدموں میں پڑے ہوئے تھے تو تمہیں یہ خبر کہاں سے مل گئی۔'' میرے متحیر ہونے کے باوجود میرے لہجے پر ترشی غالب رہی۔

میری حیرت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ میرے موڈ کی تبدیلی محسوس کرتے ہی وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا ''ماسٹر! عورت اپنی پسند کی ہو تو اس کے بدن کا رواں رواں بولتا ہوا محسوس ہوتا ہے مگر یہ بات مجھے مادام نے نہیں میرے ایک آدمی نے موبائل فون پر بتائی تھی۔ سب سے آخر میں لالہ کریم اور حاجی مستان ایک ساتھ ہانگ کانگ گئے ہیں۔''

وہ لی کے خمار سے نکل کر کام کی باتوں کی طرف آ گیا تھا۔ میں نے اس پر اپنی معلومات کا اظہار کیے بغیر پوچھا۔ ''اس کے آدمیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اب وہ موتی محل میں تنہا رہ گیا ہوگا۔''

''ایسا نہیں ہے۔'' اس نے سر ہلا کر پر یقین لہجے میں کہا۔ ''بڑی ہڈی ہاتھ لگ جائے تو بعض کتے اسے آخر تک چچوڑتے رہتے ہیں۔ مقامیوں نے اس سے بغاوت کر دی ہے۔ اس کے کچھ ہم وطن اب بھی اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔''

''کیا یہ موقع بہترین نہیں ہے۔ اس وقت موتی محل پر دھاوا بول کر اسے مارا جا سکتا ہے۔'' میں نے اسے اکسانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اپنے گھر میں چیونٹی بھی شیر ہوتی ہے۔ موتی محل ایک بھول بھلیاں ہے۔ وہاں سے نکلنے کے کئی پوشیدہ راستے ہوں گے۔ وہ کہیں سے بھی نکل جائے گا۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ کس قدر چالاک اور مکار ہے۔ کھلے آسمان کے نیچے تمہیں جُل دے کر صاف نکل گیا تھا۔''

''پھر ڈان کیا کہتا ہے؟'' میں نے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

''اسے جو کچھ کرنا تھا' وہ موٹوں کے ذریعے کر چکا۔ اب چھوٹا راجن تمہارا شکار ہے۔ اس کی قسمت کا فیصلہ تم کو کرنا ہے۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔'' اس نے سعادت مندانہ لہجے میں جواب دیا۔ اپنی نام نہاد فتح کے سحر سے آزاد ہو کر وہ معقولیت کی راہ پر آ چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں مزید کچھ کہتا' میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے جیب سے اپریٹس نکال کر اسکرین پر نگاہ ڈالی تو وہاں موتی محل کا نمبر موجود تھا۔ چاؤفان نے اچک کر وہ نمبر

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھنا چاہا لیکن میں نے اسی وقت فون اپنے کان سے لگالیا۔ میں چاؤ فان کی موجودگی میں بھی بے خوف ہوکر راجن سے بات کرسکتا تھا۔

میرے اور اس کے درمیان گفتگو اردو میں ہوتی تھی۔ چاؤ فان ہماری زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کی ساری زبان دانی مقامی بولیوں اور ٹنگری لولی انگریزی تک محدود تھی۔

''تم کہاں ہو..... میں بے چینی سے تمہارا انتظار کررہا ہوں۔'' میرے کان میں گونجنے والی راجن کی آواز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنا غصہ دبانے کی کوشش کررہا تھا۔

''دوپہر کے کھانے میں ایک تھائی ریستوران والے نے نہ جانے کیا کھلا دیا کہ میرا معدہ چوپٹ ہوکر رہ گیا۔'' میں نے اپنے ذہن میں آنے والا پہلا عذر بیان کرتے ہوئے کہا۔ ''جیسے ہی باتھ روم کی پریڈ سے فرصت ملتی ہے' میں آتا ہوں۔''

''کیا تمہارے باتھ روم میں اور لوگ بھی موجود ہیں۔ کافی ملی جلی آوازیں آرہی ہیں!'' اس کی آواز کاٹ دار اور طنزیہ ہوگئی۔

میں بوکھلا گیا۔ اس سے بات کرتے ہوئے میں نے یہ نکتہ فراموش کردیا تھا کہ میں اس وقت ہوٹل کی لابی کے ایک حصے میں کھڑا تھا اور ہمارے آس پاس سے بہت سے لوگ ہنستے بولتے ہوئے گزر رہے تھے۔

''اس وقت میں دوا لینے کے لیے بازار میں نکلا ہوا ہوں۔'' میں نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ''کہو تو گھر پہنچ کر تم سے بات کرلوں۔'' میں نے اس کے طنز کو نظر انداز کردیا۔

''کسی بات چیت کی ضرورت نہیں' بس جلدی پہنچو۔ موتی محل میں بیسیوں باتھ روم ہیں۔ تمہیں پریشانی نہیں ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ یہ کھانے کی گڑبڑ نہیں ہے۔ یہاں آنے کے خوف سے تمہارا ہاضمہ بگڑ گیا ہے۔ آؤ گے تو سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''میں آتا ہوں۔'' اسے دلاسا دے کر میں نے فون بند کردیا۔

فون پر میری گفتگو کے دوران میں چاؤ فان دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر خاموشی سے میرا چہرہ تکتا رہا تھا۔ بات ختم ہونے کے بعد اس نے سرسری انداز میں پوچھا۔ ''کون تھا؟''

''میرا ایک دوست تھا۔'' اسے ٹالنے کے لیے میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''وہی تو نہیں جو تمہارے لیے جاسوسی کرتا رہتا ہے؟'' چاؤ فان کی چرب زبانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

''وہ نہیں تھا!'' میں نے چیخ کر کہا۔ ''تم ہر بات میں اپنی ٹانگ کیوں اڑاتے ہو؟''

''دورانِ گفتگو تم نے ایک مرتبہ تھائی ریستوران کے الفاظ استعمال کیے تھے۔'' اس نے مسکمی صورت بنا کے کہا۔ ''میں نے سوچا کہ ڈنر کا پروگرام بن رہا ہو تو میں تمہاری مدد کردوں۔ شاگان یہاں کا ایک چھوٹا لیکن بہت عمدہ ریستوران ہے۔ سانپ کے تلے ہوئے قتلوں سے مگرمچھ کے سالن تک' سب ڈشیں بہت لذیذ ہوتی ہیں۔''

بھنے ہوئے چوہوں کے بعد وہ حد سے تجاوز کررہا تھا۔ میں نے مصافحے کے لیے داہنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری آمد اور معلومات کی فراہمی کا شکریہ۔ میں دعا کروں گا کہ لی تمہیں ہمیشہ اپنے تلوے چاٹنے کا موقع فراہم کرتی رہے..... اب میں چلتا ہوں۔''

''ماسٹر! تم اتنی مزے دار باتیں کرتے ہو کہ تم سے مل کر میرا دل خوش ہوجاتا ہے۔'' اس نے پُرجوش انداز میں میرے ہاتھ کو جھٹکے دیتے ہوئے کہا۔ ''اس وقت جانے کو دل نہیں چاہ رہا لیکن خیر' تمہاری مجبوری ہے۔ اب میں فون کرکے آؤں گا۔''

میرا ہاتھ چھوڑ کر وہ مڑا اور صدر دروازے کی طرف ہولیا۔ میں چند ثانیوں تک اپنی جگہ پر کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر مڑ کر ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ کی طرف چل دیا جہاں سے ایک راستہ ہوٹل کی دوسری سمت میں نکلتا تھا۔

بنکاک میں ٹک ٹک اور ٹیکسیوں کی بہتات ہے۔ عام طور پر قدم قدم پر سواری مل جاتی ہے۔ میں نے کچھ دور تک پیدل چلنے کے بعد ایک ٹیکسی لی اور براہِ راست موتی محل کے لیے روانہ ہوگیا۔

ٹیکسی کی عقبی نشست پر بیٹھنے کے بعد مجھے بیم گن کی فکر لاحق ہوگئی۔ پتلون کی بیلٹ میں وہ غیر محفوظ تھی۔ پلاسٹک کا وہ جدید ہتھیار وزنی ہونے کے باوجود کسی پستول وغیرہ سے کافی چھوٹا اور ہلکا تھا۔ اسے چھپانے کے لیے وہی جگہ زیادہ محفوظ تھی جس کا ذکر میں نے غزالہ سے کیا تھا۔

ٹیکسی کا ڈرائیور ادھیڑ عمر اور سست الوجود سا تھا پھر بھی میں نے بیم گن کو بہت احتیاط سے کوٹ کے دامن کی آڑ میں چھپا کر اپنی نشست سے نکالا اور قمیص کے نچلے بٹنوں کے درمیان سے گزار کر انڈرویئر کے اوپری حصے میں پیٹ سے

Downloaded from https://paksociety.com

چپکا لیا۔

یوں تو بھرپور جامہ تلاشی میں بدن کا کوئی حصہ محفوظ نہیں رہ سکتا تھا لیکن کسی سرسری کوشش میں وہ مقام بچا رہنے کی امید تھی۔ میں اسد کے ساتھ پہلی بار موتی محل پہنچا تو وہاں ہماری مکمل اور بھرپور جامہ تلاشی لی گئی تھی۔ صبح میں، راجن کے مہمانوں کے سامنے گواہی دینے کے لیے بلایا گیا تو میری تلاشی کا انداز سرسری تھا۔ توقع تھی کہ موتی محل پر راج کرنے والے سناٹے میں تیسری بار مجھے زیادہ کڑی تلاشی سے نہیں گزرنا پڑے گا اور بیم گن بچ جائے گی۔

شام ہو چلی تھی اور شہر میں روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ میں نے موتی محل کے آثار نظر آنے پر ایک دہکتے ہوئے بل بورڈ کے سائے میں ٹیکسی رکوالی تاکہ اس عمارت کے پھاٹک پر لگے ہوئے کیمروں کی گرفت سے دور رہ کر بیم گن کی پوزیشن کا صحیح اندازہ کرسکوں۔

ٹیکسی سے اترنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اچھے زیر جامے مہنگے ضرور ہوتے ہیں لیکن ان کی افادیت ہمہ جہت ہوتی ہے۔ بیم گن میرے جسم سے یوں چپکی ہوئی تھی جیسے ذرا سی دیر میں جزو بدن ہوگئی ہو۔ میں ڈرائیور کو فارغ کرکے اطمینان سے موتی محل کی طرف چل دیا۔

شام کے دھندلکے میں اس عمارت میں بہت سی روشنیاں چمک رہی تھیں لیکن چراغاں کا وہ منظر مفقود تھا جو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ وہ موتی محل کے رہے سہے مکینوں کے لیے ایک شام غم تھی۔ وہاں گھور اندھیرے کا راج ہوتا تو وہ بھی کم تھا۔

پرشکوہ اور دیوہیکل فولادی دروازے کے سامنے رک کر میں نے کسی مظلوم فریادی کی طرح دستک دی۔ مجھے کیمرے کی مدد سے اندر دیکھ لیا گیا تھا۔ پھاٹک کے برابر میں دیوار میں بنے ہوئے پہلے سے راستے پر ایک شخص نمودار ہوا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا جو میری سمجھ سے بالا تھا۔ اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مقامی نہیں تھا۔

راجن کی کہی ہوئی یہ بات میرے ذہن میں اٹکی ہوئی تھی کہ اس کے ساتھ صرف چار بھارتی رہ گئے تھے۔ باقی آدمی ہتھیاروں سمیت فرار ہو چکے تھے۔

''میرا نام اکبر ہے۔ میں.....'' میں نے آنے والے کی طرف متوجہ ہوکر بولنا شروع کیا تھا کہ اس نے عجلت میں میری بات کاٹ دی۔

''ادھر سے اندر آجاؤ۔'' اس تنگ راستے میں مجھے جگہ دینے کے لیے وہ اندر سرک گیا۔

وہ راستہ میں صبح کے جاں گسل فرار میں دریافت کر چکا تھا۔ وہاں سے ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔

موتی محل کی حدود میں قدم رکھتے ہی اندازہ ہوگیا کہ وہاں اداسی نے ڈیرے ڈالے ہوئے تھے۔ ہر طرف ویرانی اور سناٹے کا راج تھا۔ جو لوگ رہ گئے تھے انہوں نے احاطے کی ساری بتیاں روشن کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی یا پھر صبح احاطے میں گرنے والے بموں نے بجلی کی ترسیل کے زیر زمین نظام کو تباہ کردیا تھا۔

مجھے اندازہ تھا کہ موتی محل میں قدم رکھنے کے بعد مجھے اپنی مرضی سے وقت کے استعمال کی آزادی نہیں رہے گی اس لیے میں تیزی سے ہر طرف کا جائزہ لینے کی کوشش کررہا تھا۔

مسلح محافظ کی معیت میں، میں گارڈ روم کے سامنے پہنچا تو اس نے میرے بازوؤں اور پہلوؤں پر ہاتھ پھیر کر جامہ تلاشی لی، پھر جھک کر میری دونوں پنڈلیوں پر اوپر تک ہاتھ پھیرے اور مطمئن ہوکر سیدھا کھڑا ہوگیا۔ میرا پیٹ اس کی توجہ سے یکسر محروم رہا۔

''باس بہت دیر سے تیرا انتظار کررہا ہے۔'' اس نے بدمعاشوں جیسے مخصوص لہجے میں کہا۔ ''جلدی سے دوڑ کر اندر جا، برآمدے سے کوئی اندر لے جائے گا۔''

میں کچھ کہے بغیر برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ ادھر جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سامنے پھینکے جانے والے بموں نے احاطے کے بڑے حصے کو کھنڈر میں تبدیل کردیا تھا۔

مجھے دور ہی سے نظر آرہا تھا کہ برآمدے میں ایک دبلا پتلا اور دراز قامت شخص نمودار ہو چکا تھا۔ میرا اگلا راہ نما وہی ہوسکتا تھا۔

میرا ذہن تیزی سے کام کررہا تھا۔ دور رہ کر مجھے اپنا مشن جتنا آسان نظر آرہا تھا، موتی محل میں آنے کے بعد اتنا آسان نہیں رہا تھا۔ وہ گنتی کے کل پانچ نفوس تھے لیکن مختلف جگہوں پر پھیل کر انہوں نے اپنی طاقت میں کافی اضافہ کرلیا تھا۔ میرے لیے راجن کو موت کے گھاٹ اتارنا شاید زیادہ مشکل نہ ہوتا لیکن بعد میں موتی محل سے نکلنے میں واضح دشواریاں نظر آنے لگی تھیں۔

جلال کی ہدایت میرے ذہن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے ہاتھوں مرنے والوں کا یہ حق تھا کہ انہیں آخری سانس لینے سے پہلے اپنے قاتل کا نام معلوم ہوجائے لیکن ان کے سوا کسی کو میری اصلیت کی سن گن نہیں ملنی چاہیے تھی۔ بیم گن کا استعمال بھی نام کے اظہار کے زمرے میں آتا تھا مگر بدترین

Downloaded from http://paksociety.com

لمحات میں وہی میرا آخری ہتھیار ثابت ہوتی۔

جب تک میں باہر تھا مجھے بیم گن اندر لانے کی فکر لاحق تھی۔ اس چکر میں میں نے اسے ایسی جگہ پہنچا دیا تھا جہاں وہ موتی محل کے دربان سے محفوظ رہی۔ اسی کے ساتھ وہ میری دسترس سے بھی دور ہو چکی تھی۔ کوئی ناگہانی ضرورت پیش آتی تو اسے زیر جامے سے نکالنا محال ہو جاتا۔ تلاشی کا مرحلہ گزر چکا تھا۔ دوسری تلاشی کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ بیم گن کو میری جیب میں آ جانا چاہیے تھا جہاں وہ بوقتِ ضرورت آسانی سے ہاتھ آ جاتی۔

''ابے، دوڑ لگا۔'' برآمدے والا اپنی جگہ سے غرایا ''باس تیرا انتظار کر رہا ہے۔''

ان لوگوں میں شائستگی نام کو نہیں تھی۔ ان کی تو تڑاق سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دنگا فساد کرنے والے تیسرے درجے کے بدمعاش تھے جو راجن کی جان سے چمٹے رہ گئے تھے۔

اس کی مزید کسی بدتمیزی سے بچنے کے لیے میں نے دھیمی رفتار سے دوڑنا شروع کر دیا۔ ''استاد، پہلے مجھے باتھ روم کا راستہ بتا دو، میرا پیٹ گڑبڑ ہے۔'' میں نے اس کے قریب پہنچتے ہی اپنا پیٹ دونوں ہاتھوں سے تھام کر عاجزی سے کہا۔

''باس کے پاس جانے سے پہلے پیٹ خراب ہو گیا۔ اس سے ملے گا تو سالا پتلون گندی کر لے گا۔'' تضحیک آمیز انداز میں تبصرہ کر کے اس نے فلمی انداز میں قہقہہ لگایا اور بولا ''میرے پیچھے آ جا۔''

اس بار ہم ڈرائنگ روم کے بجائے ایک راہ داری میں داخل ہوئے۔ مجھے اندازہ نہیں ہو سکا کہ ساؤنڈ پروف کمرا کدھر واقع تھا۔ دو موڑ گھومنے کے بعد اس نے ایک کمرے کا بند دروازہ کھول دیا۔

''اندر جا اور باتھ روم سے فارغ ہو کر برابر والے کمرے میں آ جا۔'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کمرے کی نشاندہی کر دی جہاں مجھے جانا تھا۔

وہ کوئی صاف ستھری خواب گاہ تھی۔ صاف ستھرا اور بے شکن بستر ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کمرا شاید کسی کے استعمال میں نہیں۔ میں تقریباً دوڑتا ہوا باتھ روم میں گھسا اور دروازہ اندر سے بولٹ کر لیا۔ اس محفوظ چار دیواری میں اپنا کام کرنے سے پہلے میں نے ہر طرف نظریں دوڑائیں۔ مجھے ڈر تھا کہ وہاں کوئی کیمرا نہ چھپا ہوا ہو۔ چھت اور دیواریں سپاٹ تھیں۔ جب کہیں کوئی مشتبہ چیز نظر نہیں آئی تو میں نے اطمینان سے بیم گن اپنے کوٹ کی اندر کی جیب میں منتقل کر لی۔

میں وہاں ایک بہانہ کر کے آیا تھا اس لیے کچھ دیر اندر رکا رہا۔ پانی بہایا، فلش ٹینک چلایا اور ہاتھ گیلے کر کے باہر نکلا تو کمرا بدستور خالی تھا۔ کمرے کے باہر بھی سناٹا تھا۔ اس وسیع و عریض مکان میں چھائی ہوئی ویرانی میری روح میں اترتی جا رہی تھی۔ رونق کنکریٹ اور مرمر سے نہیں، انسانوں سے ہوتی ہے، موتی محل اچانک مکینوں کے قحط سے دوچار ہو گیا تھا۔

دراز قامت زبان دراز کے بتائے ہوئے بند دروازے پر پہنچ کر میں نے ہلکی سی دستک دی۔ اندر سے راجن کی غرائی ہوئی آواز ابھری اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

''بہت دیر کر دی تم نے۔'' وہ اپنی سرخ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز کر کے بولا۔ ''آتے ہی پھر باتھ روم میں گھس گئے!''

''مجبوری تھی استاد!'' میں نے گھگیا کر کہا۔

کمرے میں راجن کے ساتھ وہی دراز قامت بیٹھا ہوا تھا جو مجھے اندر لایا تھا۔ اس کے بقیہ دو آدمی کہیں نظر نہیں آئے۔ راجن نے اپنے سامنے رکھی ہوئی تپائی سے گلاس اٹھا کر کسی شراب کا ایک گھونٹ اپنے معدے میں اتارا اور مجھے ایک الگ کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں سکڑے سہمے انداز میں اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ راجن کا بایاں بازو بدستور سوجا ہوا اور حرکت سے معذور تھا۔

''تم نے ڈینی کے آدمیوں کی باتیں اپنے کانوں سے سنی تھیں؟'' چند ثانیوں کے روح فرسا سکوت کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا۔

''بالکل استاد! کیا تم کو اس بات پر شبہ ہے؟'' میں نے دلیری سے کہا۔ میں ڈینی کے روپ میں باتیں کر کے اسے دھمکاتا رہا تھا۔ ویران ساحل پر ہونے والے تصادم میں میرے اور اس کے درمیان براہِ راست مکالمے ہوئے تھے۔ وہ کسی صورت میں اکبر کی دی ہوئی اطلاع پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ ڈینی نے بنکاک میں صرف اسی سے بات کی تھی۔ اس کے بیان کی تائید کرنے والا کوئی شخص زندہ نہیں رہا تھا۔

''مجھے رتی برابر شبہ نہیں ہے۔'' اس نے اپنے صوفے میں احتیاط سے پہلو بدل کر کہا۔ ''ڈینی اسی شہر میں منڈلا رہا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دوسروں کو اس بات پر یقین نہیں آ رہا۔ یہ بہت بڑا کھیل چل رہا ہے۔ تم برنارڈ کو جانتے ہو؟''

Downloaded from https://paksociety.com

''نہیں استاد! یہ کون ہے؟'' میں نے جوابی سوال کر ڈالا۔

''زخم کھایا ہوا ایک سانپ، جو پھر سر اٹھا رہا ہے۔'' اس نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر غصیلے لہجے میں کہا' اس کی خوشامدی اسے آج تبھی ڈان کہتے ہیں۔ مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ میں ڈینی کے چکر میں پڑ کر برنارڈ کو بھلا رہا اور ان دونوں نے خاموشی سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اب مجھے ان دونوں کو سنبھالنا ہوگا۔''

''باس! تم اس چوزے کو یہ سب کیوں بتا رہے ہو۔'' دراز قامت نے دخل اندازی کی ''اس سے اس کی اوقات کا کام لو اور چلتا کرو۔''

''جوزی!'' راجن اس پر حلق کے بل دہاڑا۔ ''کیا بکواس کر رہا ہے تو۔ خاموش نہیں بیٹھ سکتا تو چلا جا یہاں سے۔ اسے میری آنکھ سے دیکھ۔ یہ چوزہ نہیں نیولا ہے جو سانپ کا سر چبا سکتا ہے۔''

''باس! غلطی ہوگئی۔'' جوزی نے سر جھکا کر دھیرے سے کہا ''میں سمجھ رہا تھا کہ تم نے اسے ڈینی کے آدمیوں کی شناخت کے لیے بلایا ہے۔''

''اسی لیے بلایا تھا۔'' راجن کی آواز اعتدال پر آ گئی۔ ''مگر اب حالات بدل گئے ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے یہ خبر تو نے سنائی تھی کہ آج برنارڈ نے سیلرز بار میں آتے ہی سب کو مفت شراب پلانا شروع کر دی ہے۔ کسی کو پتا ہو یا نہ ہو' میں جانتا ہوں کہ اس طرح وہ اپنی واپسی کا جشن منا رہا ہے۔ موتی محل کے بھگوڑے اس کے پاس پہنچے ہوئے ہیں اور اسے اپنی وفاداریوں کا یقین دلا رہے ہیں۔ جو میرے نہیں ہو سکے وہ کسی کے نہیں ہو سکیں گے۔ شہر میں یہ دھمکی بھی اسی نے پھیلائی ہوگی کہ میرے دوست اس کے دشمن ہوں گے اور بری طرح مارے جائیں گے۔ میں حیران تھا کہ ایسی خبریں کون پھیلا رہا ہے۔ اب بات صاف ہو چکی ہے۔''

''باس! مجھے یہ سب کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟'' جوزی نے عاجزی سے کہا۔ ''تم نے جب سے سیلرز بار میں مفت شراب بٹنے کی خبر سنی ہے' تمہیں چپ لگی ہوئی ہے۔ تم خاموشی سے پیے جا رہے ہو۔ یہ آیا ہے تو تم نے زبان کھولی ہے۔''

''برنارڈ کی سازش کا بروقت پتا چل گیا ہوتا تو وائٹ ہاک ڈوبتی نہ آج موتی محل ویران ہوتا۔'' راجن نے دکھ بھری آواز میں جوزی سے کہا۔ ''ہمارے پاس آدمی تھے' طاقت تھی۔ چند گھنٹوں میں برنارڈ کو اس کے بار سمیت پھونک کر رکھ دیا جاتا۔ وقت نکل گیا' آدمی بھاگ گئے۔ اب ہمیں جیتنے کے لیے بہت محنت کرنا ہوگی۔ ہمیں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اکبر بھی ہمارے کام آئے گا۔''

''میں تیار ہوں استاد!'' میں نے اپنا مفروضہ نام سنتے ہی کہا ''تمہاری اور جوزی کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''تم یہ تو سمجھ گئے نا کہ میرے دو دشمن ہیں..... ڈینی اور برنارڈ!'' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

''اور وہ دونوں تمہارے خلاف مل گئے ہیں۔'' میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ڈینی آسیب بنا ہوا ہے۔ اسے ڈھونڈنا پڑے گا۔ برنارڈ ہمارے سامنے ہے۔ وہ شام کو چھ بجے سے رات بارہ بجے تک اپنے سیلرز بار میں ہوتا ہے۔ ہم لوگ ادھر گئے تو پہچان لیے جائیں گے۔ تم ان کے لیے اجنبی ہو۔ جاؤ اور وہاں ٹائم بم چھوڑ کر لوٹ آؤ۔ اس کام کے لیے میں تمہیں پچیس ہزار بھات دے سکتا ہوں..... بولو کیا کہتے ہو؟''

میں جو کچھ سوچ کر وہاں پہنچا تھا وہ دھرا رہ گیا۔ ڈان کی ذرا سی بے احتیاطی سے ساری کہانی یکسر بدل کر رہ گئی۔ وہ ابتدا سے بہت کامیابی کے ساتھ اپنا نام چھپاتا چلا آ رہا تھا۔ سیلرز بار میں مفت شراب کا میلہ لگا کر اس نے ساری کامیابیوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس وقت میرے سامنے راجن کی تجویز سے اتفاق کرنے کے سوا کوئی متبادل راہ نہیں تھی۔ ڈان اپنے اقتدار سے ایک مدت سے ترسا ہوا تھا۔ اس نے موتی محل پر ایک کامیاب حملہ کروانے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ وہ پوری طرح بازی جیت چکا ہے۔ وہ ذرا سے صبر سے کام لیتا تو سب کچھ بہت خوش اسلوبی سے سمیٹا جا سکتا تھا۔

''تم پچیس ہزار بھات نہ دو تب بھی میں تمہارا یہ کام کر دوں گا۔'' میں نے بلاوجہ تھوک نگلنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''سارا مسئلہ یہ ہے کہ سیلرز بار کا نام میرے لیے نیا ہے۔ پہلے مجھے وہاں کچھ وقت گزار کر موقع محل کا جائزہ لینا ہوگا۔''

''ان چکروں میں الجھانے کی کوشش مت کر!'' راجن سے پہلے جوزی بول پڑا۔ ''یہاں آنے کے نام سے تیرا پیٹ خراب ہو گیا' اب کام سن کر حیلے بہانے کر رہا ہے۔''

راجن نے دانستہ خاموشی اختیار کر لی۔ مجبور ہو کر مجھے بولنا پڑا۔ ''ایسی جگہوں پر نیا آدمی فوراً نگاہوں میں آ جاتا ہے۔ میں.....''

''ابے! نئے آدمی کو وہاں کرنا ہی کیا ہے۔ ایک چھوٹی

Downloaded from https://paksociety.com

سی تھیلی لے کر جا' بیٹھ کر ایک دو پیگ لگا اور واپسی پر تھیلی ہاتھ روم میں چھوڑ کر آ جا۔ کام سے ڈر رہا ہے تو کھل کر بتا دے۔ ہمیں یہ چائزوں وائزوں کے چکر مت دے!'' جوزی نے بے اعتنائی سے کہا۔

''شک ہے تو پھر یہ کام تم اپنے کسی آدمی سے لے لو' مجھے کوئی اور کام بتا دو۔'' موقع ملتے ہی میں نے اپنے ہاتھ اٹھا دیے۔

''مجھے تم پر پورا بھروسا ہے۔'' راجن نے وہ بحث سننے کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''تمہاری ایک ادا میرے دل کو بھا گئی۔ صبح بات ہو رہی تھی تو تم نے موقع کی نزاکت سمجھ کر اپنی طرف سے ڈینی کے نام کا اضافہ کر دیا حالانکہ جب تم نے مجھ سے ڈینی کے آدمیوں کا ذکر کیا تو ان کی باتوں میں ڈینی کا نام نہیں لیا تھا۔ بات میرے فائدے کی تھی' میں ان پانچوں کے سامنے چپ رہا۔ یہ میری بدقسمتی تھی کہ انہوں نے پھر بھی تمہاری بات نہیں مانی۔ ایسے ذہین آدمی مجھے پسند ہیں... جو حالات کی روشنی میں خود بھی فیصلہ کر سکیں۔''

''یہ سب میرے سر آنکھوں پر۔'' میں نے انکسار سے کہا۔ ''مگر تم نے جوزی کی باتیں بھی سن لیں۔ کام میں کوئی گڑبڑ ... ہوگئی تو یہ ساری ذمے داری میرے اوپر ڈال دے گا۔ تم یہ کام کسی اور سے لے لو تو اچھا رہے گا۔''

''اب مجھے کھل کر کچھ بتانا ہوگا۔'' راجن اپنا گلاس خالی کر کے بولا۔ ''آج میری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ موتی محل سے چار کے سوا سارے محافظ اور ملازم لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ بنکاک میں آج میرے سارے کلب اور کیسینو بند پڑے ہوئے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کہ وہ ڈر کر اپنے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں یا انہوں نے نوکریاں چھوڑ دی ہیں۔ دو چار دن میں صورتِ حال کچھ واضح ہوگی۔ میرا بازو زخمی ہے۔ اس اہم کام کے لیے میں آنکھیں بند کر کے کسی نئے آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتا۔ یہ کام تم ہی کو کرنا ہوگا۔''

مجھے ابتدا سے یہی تجسس تھا کہ وہاں راجن کے سوا صرف دو آدمی نظر آئے تھے۔ بقیہ دو کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اچانک کہیں سے نمودار ہو کر میری کسی کارروائی کا پانسا پلٹ سکتے تھے۔ راجن نے وہ تفصیل بتا کر مجھے سوال کرنے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ میں نے سرسری لہجے میں کہا۔ ''مجھے دربان اور جوزی کے سوا اب تک کوئی اور نظر نہیں آیا۔''

راجن نے چونک کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔ میں معصومانہ انداز میں سر جھکائے اپنی جگہ بیٹھا رہا لیکن راجن کی تیکھی نظروں کے سامنے میرے معدے میں واقعی گرہیں سی پڑنا شروع ہوگئی تھیں۔

''وہ بھی ہیں۔'' راجن نے سرسری اور مبہم جواب دے کر میری امیدوں پر اوس ڈال دی۔ بقیہ دونوں کے بارے میں کچھ جانے بغیر میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔

اس نے اپنی طرف سے سرسری جواب دے کر بات وہیں ختم کر دی مگر میں جانتا تھا مجھے دوبارہ ایسا موقع نہیں ملے گا۔ میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''پھاٹک پر دربان کا ہونا ضروری ہے تاکہ کوئی اجنبی اندر نہ گھس سکے۔ تمہارا بازو زخمی ہے۔ تمہاری دیکھ بھال کے لیے کسی نہ کسی کا موجود رہنا ضروری ہے۔ یہ کام جوزی کر رہا ہے۔ اگر وہ دونوں فارغ ہیں تو مجھے ان کے ساتھ سیلرز بار کی طرف بھیج دو۔ برنارڈ کا قصہ آج ہی نمٹ جائے گا۔''

''وہ تمہارے ساتھ کیا کریں گے؟'' راجن نے دائیں ہاتھ سے اپنا بایاں بازو سہلاتے ہوئے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

''مجھے تلاش میں بھٹکنا پڑے گا۔ ان کے لیے وہ جگہ دیکھی بھالی ہوگی۔ وہ مجھے وہاں پہنچا دیں گے۔ میں اندر چلا جاؤں گا' وہ باہر رکے رہیں گے۔'' میں نے منظر کشی شروع کر دی۔ ''مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی تو وہ آسانی سے میری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے۔''

''اس بھول میں نہ رہنا۔'' راجن بولا ''برنارڈ بہت خطرناک آدمی ہے۔ میرے آنے سے پہلے یہاں اس کا طوطی بولتا تھا۔ اسے تم پر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ اندر ہی سے تم کو کہیں غائب کرا دے گا۔ بعد میں کہیں سے تمہاری لاش مل جائے گی۔ وہاں کسی کمک یا مدد کی نوبت نہیں آئے گی۔''

''تم مجھے خوف زدہ کر رہے ہو!'' میں نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

''یہ بریفنگ ہے۔ کام میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تم کو ہر اونچ نیچ کا علم ہونا چاہیے۔''

''یہ اتنا خطرناک کام ہے تو مجھے اس سے معاف کر دو۔'' میں نے راجن کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''یہ ہے اس کی اصل اوقات!'' جوزی زہریلے لہجے میں بولا۔ ''میں نے اسے دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ناکارہ اور بودا آدمی ہے۔''

بات بڑھتی جا رہی تھی اور کسی بھی لمحے بگڑ سکتی تھی۔ میں ان دونوں سے دور بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوری کی وجہ سے ان دونوں میں سے کوئی بھی زہریلی انگوٹھی سے شکار نہیں کیا جا سکتا

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ وہ جس کمرے میں موجود تھے۔ اس کی تزئین و آرایش ایک پرتعیش خواب گاہ جیسی تھی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہ رہتا۔ اس وقت میرے لیے نادر موقع تھا کہ میں اچانک انہیں بیم گن کی زد پر لے لوں۔ وہ کمرا عمارت کے اندرونی حصے میں واقع تھا۔ پھاٹک سے عمارت کا فاصلہ بھی کافی تھا۔ وہاں ہونے والی ہڑبونگ کی آوازیں دربان تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اگر راجن کے بقیہ دو آدمی کہیں سے آ نکلتے تو میں پلک جھپکتے میں انہیں بیم گن سے شکار کرسکتا تھا۔

وہ راجن اور اس کی ٹولی کو ٹھکانے لگانے یا انہیں بھول جانے کا مرحلہ تھا۔ وہ موقع کھو دینے کے بعد میں کبھی ان کے قریب نہیں پھٹک سکتا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ اس وقت میری جیت صرف اور صرف بیم گن کے زور پر ممکن تھی اور جلال نے مجھے اس کے استعمال سے منع کیا ہوا تھا۔

بیم گن کو فراموش کرکے میں اپنے مستقبل کو بہت سے خطرات سے بچا سکتا تھا لیکن پھر راجن کا فتنہ زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔

میرے ذہن میں شدید کشمکش ہورہی تھی اور میری پوری توجہ راجن پر مرکوز تھی۔ میرے کان اس کی زبان سے جوزی کے زہریلے تبصرے کا جواب سننے کے منتظر تھے۔

''کیا مجھ سے واقعی فیصلے کی غلطی ہوئی ہے؟'' راجن نے بھویں چڑھا کر عجیب سے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''ہاں!'' یہ کہتے ہی میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے بیم گن نکال کر جوزی کی طرف سیدھی کی' نہایت پھرتی کے ساتھ انگوٹھا استعمال کرکے اس کا سیفٹی لاک سرکایا اور شہادت کی انگلی سے ٹریگر دبا دیا۔

جوزی کو سنبھلنے یا اپنی کرسی سے اٹھنے کا موقع تک نہیں مل سکا۔ نیلگوں شعاعوں کی پتلی سی بے آواز دھار فضا میں تیرتی ہوئی اس کے رخسار سے گزر کر دماغ تک اتر گئی۔ اس کے بدن نے ایک جھٹکا لیا اور وہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔ میں نے بیم گن کا رخ راجن کی طرف پھیر دیا۔

''تم سے فیصلے کی سنگین غلطی ہوئی ہے۔'' میں نے اپنی اصل آواز میں ادھورا فقرہ مکمل کیا۔ ''تم خود اقرار کرچکے ہو کہ آج تمہاری زندگی کا سب سے منحوس دن ہے۔ اجل کا فرشتہ تمہاری زبان سے یہ بات کہلوا رہا تھا..... خبردار! ہلنا نہیں ورنہ کچھ جانے بغیر مارے جاؤ گے!''

جوزی کا انجام دیکھ کر راجن کا سیاہ چہرہ تاریک تر ہوگیا تھا۔ میری اصل آواز سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں اور وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا ''تت..... تم ڈینی ہو..... تم نے مجھے مارا تو یہاں سے زندہ نہیں نکل سکو گے۔''

''اسی خوف سے میں نے تمہیں دوبارہ زندہ چھوڑ دیا۔ موت تمہارے قریب سے دبے پاؤں گزر گئی۔ تیسری بار میں یہ غلطی نہیں کروں گا۔'' میں نے سفاکانہ لہجے میں کہا۔ ''تم نے دیکھ لیا کہ میری نازک سی گن آدمی کو کس قرینے سے مارتی ہے۔''

''اس بار یہ غلطی ہی ہوگئی۔'' اس نے سنبھالا لینے کی کوشش کی مگر اس کے لہجے پر کمزوری غالب رہی۔ ''اب میں سمجھا کہ تمہیں میرے دو آدمیوں کی فکر کیوں ہورہی تھی۔ وہ یہیں' اسی کمرے میں چھپے ہوئے ہیں..... نہیں' ابھی ٹھہرو!''

مجھ سے بات کرتے کرتے وہ میرے شانوں کے پیچھے اچانک کسی سے مخاطب ہوکر زور سے بولا۔ غیر ارادی طور پر میری گردن پیچھے گھوم گئی۔ مجھے شک ہوا کہ اس کے چھپے ہوئے آدمی میری پشت پر نمودار ہوگئے ہیں اور وہی میری فاش غلطی تھی۔

اسے اپنی موت سامنے نظر آرہی تھی۔ اپنی چال بازی سے اس نے چند لمحوں کے لیے میری توجہ دوسری طرف مبذول کرادی تھی۔ اپنے زخمی بازو کی پروا کیے بغیر اس نے اچانک اپنی کرسی سے جست لگائی اور کسی وزنی لنگور کی طرح میرے اوپر آ گرا۔

دو وزنی جسموں کا تصادم اتنا شدید تھا کہ بیم گن میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ کرسی وہ جھٹکا نہ سہہ سکی اور پیچھے الٹ گئی۔ میں پشت کے بل قالین پر تھا اور راجن کا گٹھا ہوا وجود میرے سینے پر سوار تھا۔ اس نے اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے داہنے ہاتھ سے میرا ٹخرا دبوچ لیا۔

اس کے گٹھے ہوئے توانا جسم کو دیکھ کر مجھے اس کی طاقت کا اندازہ تھا لیکن جب اس نے اپنے ایک ہاتھ کی پوری قوت سے میرا گلا دبانا شروع کیا تو میرے اوسان خطا ہونے لگے۔ اس کے بدن میں کسی وحشی سانڈ سے زیادہ طاقت تھی۔ شاید موت کو اپنے سامنے پاکر اس کے جسم کی ساری توانائی اس کے داہنے ہاتھ میں سمٹ آئی تھی۔

میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے گرانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہوسکا۔ اس نے اپنے دونوں پیر پھیلا کر سارا بوجھ میرے پیٹ اور سینے پر ڈالا ہوا تھا۔ میں نے گھٹنوں سے اس کی پشت پر ضرب لگانے کی کوشش کی تو وہ بھی ناکام ہوئی۔ وہ سیدھا بیٹھنے کے بجائے اس طرح جھکا ہوا تھا کہ میرے گھٹنے اس کی پشت کو نشانہ نہیں بنا سکے۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ ابتدائی چند لمحے تھے جو گھبراہٹ اور سنسنی کے عالم میں گزرے پھر میں نے بائیں ہاتھ سے اس کے منہ پر ایک زور دار مکا رسید کیا۔ اس کا ایک بازو زخمی تھا' دوسرا ہاتھ میرے گلے پر جما ہوا تھا۔ صرف سر کی جنبش سے وہ اپنا بچاؤ نہ کر سکا۔ اس ضرب کی شدت میں نے اپنے مکے پر محسوس کی' رخسار کی ہڈی چٹخنے کی ہلکی سی آواز کے ساتھ راجن کا توازن بگڑا' میرے گلے پر اس کی گرفت کمزور ہوئی اور اسی لمحے میں نے اسے اچھال کر اپنے سینے پر سے نیچے پھینک دیا۔

جب تک راجن ایک ہاتھ سے میرا گلا گھونٹنے کی وحشیانہ کوشش کر رہا تھا' اس کی زبان بند تھی۔ وہ زور ٹوٹتے ہی اس کی زبان سے مغلظات کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے میں پھرتی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا۔ اس کی طرح میرے لیے بھی وہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ میری ذرا سی غفلت مجھے دوسرے جہان میں پہنچا سکتی تھی۔

جب میں نے راجن اور جوزی پر بیم گن استعمال کر کے ان کا قصہ وہیں نمٹانے کا فیصلہ کیا تو جلال کی یہ ہدایت میرے ذہن میں تازہ تھی کہ میرے ہاتھوں کہیں بھی کوئی ایسا کام نہیں ہونا چاہیے جس کے نتیجے میں میرا نام سامنے آ سکے۔ بیم گن میری ذات سے منسوب ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے استعمال کرنے سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس شام موتی محل میں میرے سب حریف بیم گن کا نشانہ بنیں گے۔ ایک ایک کر کے انہیں مار لینے کے بعد اس عمارت میں میرا راج ہوتا۔ راجن سے پچھلے تصادم کا تجربہ میرے ذہن میں تازہ تھا۔ میں نے اس کے دو آدمیوں کو زہریلی انگوٹھی سے شکار کیا اور پھر ان کی لاشیں راجن کی کار سمیت نذر آتش کر دیں۔

اس وقت تک دیرا یا جلال سے میری بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ لاشیں میں نے صرف اس لیے جلائیں کہ ڈان اور چاؤ فان کو ان کی موت کے اسباب کا علم نہ ہو سکے۔ اس وقت وہ میری احتیاط تھی جو موتی محل میں ایک ضرورت بن چکی تھی۔

میرا خیال تھا کہ میں راجن کو بہت آسانی سے بیم گن سے مار لوں گا لیکن اس نے مجھے جھانسا دے کر اپنی مہلت میں اضافہ کر لیا تھا۔

اس نے دوبارہ اٹھنے میں دیر نہیں کی۔ مجھے فنا کر دینے کا دعویٰ کرتا ہوا میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بیم گن کچھ دور قالین پر پڑی ہوئی تھی۔ راجن کو زیر کیے بغیر اس تک پہنچنا مشکل تھا۔ اس وقت اس سے دو بہ دو مقابلہ ہو رہا تھا۔ بیم گن ہاتھ سے نکل جانے کے باوجود میں پل بھر میں اسے موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ حریف کے بدن میں مہلک زہر اگلنے والی انگوٹھی کا استعمال ایک موزوں موقع کے ساتھ راجن کو ہمیشہ کی نیند سلا سکتا تھا۔ میری کوشش تھی کہ جوزی پر بیم گن استعمال ہونے کے بعد میں اپنا دوسرا ہتھیار استعمال نہ کروں۔ ویسے بھی راجن نے مجھے خاصا پریشان کیا تھا۔ وہ آسان موت کا حق دار نہیں تھا۔ میں نے اسے مارنے سے پہلے اس سے کھیلنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو وہ جوزی سے پہلے' ایک پل میں مارا جا سکتا تھا۔

میں نے اکھاڑے میں اترے ہوئے کسی پہلوان کی طرح اپنے قدموں پر حرکت کرتے ہوئے دونوں انگوٹھیوں کے نگینے گھما کر ان کے رخ اندر کی جانب کر لیے تاکہ داہنے ہاتھ سے مکا مارنے کی صورت میں نگینوں کا زہر راجن کے جسم میں نہ اتر سکے۔

اس وقت راجن کی حالت بہت عجیب تھی۔ اس کا مکروہ چہرہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ اس سیاہی میں اس کی آنکھوں کے پھیلے ہوئے ڈھیلے خاصے بھیانک لگ رہے تھے' آگے کی طرف مڑے ہوئے کان مجھے کچھ زیادہ مڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر مجموعی طور پر یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے شیطان کا کوئی چیلا میرے مقابلے پر اتر آیا ہو۔

اس کا زخمی بازو اس کے پہلو میں جھول رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی سیاہی میں بازو کی شدید تکلیف کا بھی کچھ نہ کچھ دخل تھا۔

ہم دونوں موقع کی تلاش میں ایک دوسرے کے سامنے پیترے بدل کر قالین پر حرکت کرتے رہے وہ مجھے دھمکیوں اور گالیوں سے نواز رہا تھا' میں خاموش تھا۔ اچانک اس نے اپنے پیر سے میری گری ہوئی کرسی میری طرف اچھالنے کی کوشش کی۔ وہ ہلکی ضرور تھی بہر حال کرسی تھی۔ اچھلنے کے بجائے وہ ایک طرف لڑھک گئی۔

کرسی کی طرف متوجہ ہونے سے لمحہ بھر کے لیے اس کی توجہ کے ارتکاز میں فرق آیا۔ یہ وہی غلطی تھی جو میں نے اس کی مکاری پر گردن گھما کر کی تھی۔ میں لپک کر اس پر ٹوٹ پڑا اور اسے زبردست مکوں کی زد پر لے لیا۔ بایاں بازو ناکارہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنا دفاع کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اس نے زبان بند کر کے اپنے دانت بھینچ لیے اور ناکام اور مدافعانہ کوششوں کے درمیان پٹتا رہا۔ اس نے کئی بار اپنے داہنے ہاتھ سے میرے کپڑے پکڑ کر مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی مگر میں نے اسے اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس سے قدرے دور رہ کر ہی میں اس کی خاطر خواہ مرمت کر سکتا تھا۔

ذرا سی دیر میں اس کے چہرے کا نقشہ بگڑ گیا۔ نیل' ورم

Downloaded from https://paksociety.com

اور پھٹی ہوئی جلد سے گاڑھے خون کے رساؤ کے سبب اس کا چہرہ بہت کریہہ ہوگیا۔ وہ ایک ہاتھ سے خود کو بچانے کی ناکام کوششوں میں لگا رہا۔ یکا یک اس نے میری ٹانگوں کے درمیان زوردار لات رسید کرنے کی کوشش کی اور میں نے خود کو بچاتے ہوئے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔

وہ لڑکھڑایا اور گالیاں دیتا ہوا قالین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس بار میں نے لپک کر بیم گن پر قبضہ کیا اور پھر راجن کو ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

مار کھا کر چیخنا اور کراہنا ہر ذی روح کی فطرت کا ایک حصہ ہے۔ راجن کے حلق سے بھی ملی جلی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن ان میں غیر ضروری شدت نہیں تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ عمارت میں اس کے آدمی ہوتے تو وہ ضرورت سے زیادہ چیخ پکار کر کے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش ضرور کرتا۔ وہ شاید موتی محل سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے۔ پھاٹک پر بیٹھا ہوا محافظ اس کمرے سے بہت دور تھا۔ راجن جانتا تھا کہ وہ پوری قوت سے چیخے تب بھی اس کی آوازیں اس محافظ کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔

چند لمحوں میں، میں نے مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیا اور وہ کسی تھکے ہوئے سانڈ کی طرح ہانپنے لگا۔

''بس..... بس..... اب بس کرو۔'' وہ اچانک دردناک آواز میں کراہا ''میری ہڈیوں میں مار کھانے کا دم نہیں رہا..... تم بہت سنگ دل ہو!''

میں نے اس کی پسلیوں میں ایک زور دار اختتامی ٹھوکر لگائی اور ایک خالی صوفے پر دراز ہوگیا۔ میں خود بھی اسے مارتے مارتے تھک گیا تھا۔ میں نے بیم گن اپنی گود میں ڈالی اور اپنے چڑھے ہوئے سانسوں پر قابو پاتے ہوئے اطمینان سے ایک سگریٹ نکال کر سلگالی۔

راجن ایک نامی گرامی بدمعاش تھا۔ آتشیں ہتھیار اس کے پسندیدہ کھلونے تھے لیکن میں نے اندازہ لگالیا کہ اس وقت وہ بالکل غیر مسلح تھا۔ وہ اپنی دانست میں اپنی محفوظ کمین گاہ میں دبکا ہوا تھا، جہاں اس کی اجازت کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ میں بھی اس کی اجازت سے بلکہ دعوت پر وہاں آیا تھا۔ یہ دیگر بات تھی کہ اس نے دوستی کے فریب میں آکر اپنے بدترین دشمن کو اصرار کر کے گھر بلایا تھا۔

اپنی حد سے بڑھی ہوئی خوش فہمی کے سبب اسے اپنے گھر میں ہتھیار بند رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس کوئی ہتھیار ہوتا تو وہ لڑائی کے دوران میں اسے نکالنے کی کوشش ضرور کرتا۔ میں نے اس کی جامہ تلاشی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

کچھ دیر تک وہ قالین پر بے سدھ پڑا رہا۔ اس کے تیز سانسوں کے ساتھ اندر سے ایسی کریہہ آوازیں آرہی تھیں جیسے کسی بھی بے قابو سانس کے ساتھ اس کے اعضائے رئیسہ باہر آنے والے ہوں۔ رفتہ رفتہ وہ حرکت کرنے اور بیٹھنے کے قابل ہوگیا۔ اس کے خون میں نہائے ہوئے چہرے پر چمکتی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھیں میری طرف مرکوز تھیں۔

''تت..... تم کیا چاہتے ہو؟'' آخر اس نے ہکلاتے ہوئے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

''میں تمہیں بہت پہلے بتا چکا تھا۔ وہ باتیں تمہاری یادداشت میں محفوظ ہونا چاہئیں!'' میں نے اسے گھورتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

وہ پلکیں جھپکائے بغیر، چند ثانیوں تک میری طرف دیکھتا رہا۔ پھر بولا ''تم چاہتے تھے کہ میں اپنا سب کچھ سمیٹ کر یہاں سے نکل جاؤں۔''

وہ موت کی دہلیز پر پہنچے ہوئے ایک مکار شخص سے زبردست نفسیاتی جنگ تھی۔ میں نے زبان کے بجائے سر کی جنبش سے اثبات میں جواب دینے پر اکتفا کیا۔

''اس وقت بات میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا۔ ''اب پتا چلا کہ تم برنارڈ کے لیے مجھ سے میدان خالی کرانا چاہتے تھے۔ برنارڈ چوہے کا بچہ ہے۔ اسے ایک چھوکری نے بنکاک کے بھرے بازار میں جوتیاں لگائی تھیں۔ تمہارا اور اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ پتا نہیں تم اس بزدل کے لیے کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔''

ہر برے آدمی کی طرح وہ بھی اپنے آخری وقت پر زندہ رہنے کی خوش گمانی میں مبتلا تھا۔ ایسے لوگوں کو موت سامنے نظر آتی ہے تو انہیں زندگی یکا یک حسین نظر آنے لگتی ہے اور وہ ہر قیمت پر اسے خریدنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید راجن کا دماغ اسی دھب پر کام کر رہا تھا۔

''کچھ عرصے پہلے ڈان برنارڈ بھی میرے لیے تمہاری طرح اجنبی تھا۔ وہ میرے وقت اور محنت کا معاوضہ دے رہا ہے۔ میں اس کے لیے کام کر رہا ہوں۔''

''میں تمہیں اس سے دگنا معاوضہ دینے کے لیے تیار ہوں..... تین گنا..... چار گنا بھی دے سکتا ہوں۔ میں نے یہاں سے بہت مال کمایا ہے۔ میرے سب کام جمے جمائے ہیں۔ تم نے مجھے مار دیا تب بھی برنارڈ کو اس مقام تک پہنچنے میں برسوں لگیں گے..... ہوسکتا ہے کہ اس کی رہی سہی عمر اسی خواب میں بیت جائے۔ تھکے ہوئے گھوڑے پر بازی لگانے

Downloaded from https://paksociety.com

کے بجائے مجھ پر رحم کرو' میرا ساتھ دو۔ میں تم کو نہال کر دوں گا۔''

''دولت ہر انسان کی کمزوری ہوتی ہے۔'' میں نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''میری اس کمزوری سے کھیلنے کی کوشش مت کرو۔ اس وقت تم اپنی ساری دولت مجھے دینے کا وعدہ بھی کر سکتے ہو۔ تمہاری موت کی یہ گھڑی ٹل جائے گی تو تم اپنے وعدوں سے پھر کر میرے خون کے پیاسے ہو جاؤ گے۔''

''ڈینی! مجھ پر اعتبار کرو!'' وہ تڑپ کر بولا ''میں نے سنا تھا کہ تم کرائے پر پاکستانی ایجنسیوں اور دوسروں کے لیے کام کرتے ہو۔ میں تمہیں اتنا کچھ دے سکتا ہوں کہ تمہیں زندگی بھر خود کو بیچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

ذرا سی راہ ملتے ہی اس نے مجھ پر حاوی ہونے اور مجھے لبھانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ مجھے خود کو بیچنے کا حوالہ دے کر اس نے ثابت کر دیا تھا کہ بری طرح مار کھانے سے اس کے عضلات ضرور متاثر ہوئے تھے لیکن اس کا ذہن اور اعصابی نظام پوری طرح کام کر رہا تھا۔ شاید یہ موت کی دہشت تھی جس نے اس کی ساری فطری اور جبلی صلاحیتوں کو بیدار کیا تھا۔

''راجن! مجھ سے ہوش میں رہ کر بات کرو!'' میں نے اس کی گرفت کرتے ہوئے غرا کر کہا ''میں بکنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کاموں کے سودے کرتا ہوں۔ کام پورا کرتا ہوں اور دام کھرے لیتا ہوں۔ میں کس کس کے لیے کام کرتا رہا ہوں' یہ تمہارا دردِ سر نہیں ہے۔ مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔ تمہاری کسی بے ہودگی پر میرا دماغ سنک گیا تو تم بھی جوزی کے پاس پہنچ جاؤ گے۔''

''مجھے معاف کر دو۔'' وہ داہنے ہاتھ سے اپنا کان تھام کے گڑگڑایا۔ ''میرے اوسان قابو میں نہیں ہیں۔ زبان سے کوئی ہلکی بھاری بات نکل جائے تو درگزر کر دینا۔ اس حالت میں' میں تمہاری توہین کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''ڈان برنارڈ سے میری کیا ڈیل ہے' یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔'' میں نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اس کا بقیہ حصہ وہیں قالین پر مسل دیا۔ ''تم اپنی آفر دو' وعدہ پورا کرنے کی ضمانت دو۔ میں اس پر غور کروں گا۔ اس سے پہلے مجھے اپنے کچھ سوالوں کے جواب درکار ہوں گے۔ تم کو یہ شرائط منظور ہیں تو بات آگے بڑھ سکتی ہے ورنہ.....!''

میں نے دانستہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر بیم گن اٹھا کر اس کا نوزل راجن کی طرف لہرایا۔

''اسے رکھ لو!'' وہ بوکھلا کر بولا۔ ''میں تم کو اسی وقت ایک کروڑ بھات دے سکتا ہوں۔ اس کے بعد کسی ضمانت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔''

''تم جیسی اسامی کی زندگی کے یہ دام کم ہیں۔ اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔'' میں نے بیم گن کے نوزل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''میں نے ابھی بتایا ہے کہ پہلے مجھے کچھ سوالوں کے بالکل درست جواب درکار ہیں۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟''

''تم کیسی باتیں کر رہے ہو!'' وہ ہراساں انداز میں بولا ''زندگی اور موت کے دوراہے پر کھڑے ہوئے آدمی سے انتخاب کا حق چھن جاتا ہے۔ زور اس کا چلتا ہے جس کا ہاتھ لبلبی پر ہوتا ہے۔ برنارڈ عمر رسیدہ ہے' میں جوان ہوں۔ ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو' پوچھتے جاؤ' میں جواب دوں گا۔''

''تمہیں ممبئی سے یہاں کون لایا تھا؟'' میں نے قدرے توقف کے بعد پہلا سوال کیا۔

''کوئی نہیں' میدان خالی ہونے سے پہلے میں یہاں آیا ہوا تھا۔'' اس نے کہا ''میرا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ ممبئی میں پولیس زیادہ تنگ کرتی تھی تو میں کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاتا تھا پھر واپس ممبئی لوٹ جاتا۔''

''پہلے ممبئی تمہارا ٹھکانا ہوا کرتا تھا۔ اب تم وہاں آتے جاتے رہتے ہو۔ تمہارا مستقل ٹھکانا یہاں ہے۔ یہ تبدیلی کب' کیوں اور کیسے ہوئی؟'' اس بار میں نے اس کے ذہن کی دھند صاف کرنے کے لیے زیادہ وضاحت سے اپنا سوال دہرایا۔

''یہ مشورہ میرے ایک دوست کا تھا۔ ممبئی میں انڈر ورلڈ پر مسلمان چھائے ہوئے ہیں۔ ہمارے لیے وہاں کے مقابلے میں بنکاک میں زیادہ مال ہے۔ برنارڈ منہ چھپا کر گھر بیٹھا تو مجھے تیزی سے آگے بڑھنے کا موقع مل گیا۔'' اس نے رک رک کر بتایا۔

''وہ دوست کون تھا؟'' میں نے تحمل سے کہا۔ ''اب میرے سوالوں کا انتظار مت کرو۔ یہاں اپنے جنے کی پوری کہانی سناتے چلے جاؤ۔''

''اس کا نام انل تھا.....انل بسواس۔'' راجن کی زبان سے وہ نام سنتے ہی میرے ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔ انل بسواس دہلی میں را کے پاکستانی ونگ کا سربراہ ہوا کرتا تھا۔ گرین کو برا فائل کے حصول کے چکر میں' میں نے اسے اس کے گھر میں موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

''وہ کسی سرکاری ایجنسی میں کام کرتا تھا۔'' راجن کہہ رہا

Downloaded from http://paksociety.com

تھا۔ ''کبھی کبھی میں اس کے لیے کام بھی کرتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے بنکاک میں پیر جمانے کا مشورہ دیا تھا۔ بہت نیک اور بے لوث آدمی تھا۔ اسے کسی نے اس کے گھر میں مار ڈالا۔ آج تک اس کے قاتل کا پتا نہیں چلا۔''

''سوبھراج سے اسی نے ملوایا تھا؟'' میں نے ایک فوری خیال کے تحت پوچھا۔

''ہاں!'' سر کی جنبش کے ساتھ اس نے جواب دیا۔ ''اس نے مجھے بہت سے لوگوں سے ملوایا۔ ان میں سوبھراج بھی شامل تھا۔ وہ میرا آئیڈیل تھا۔ میں اسی کی طرح سیاست میں اپنا نام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وہ پاکستانی تھا مگر انل کے لیے کام کر کے بڑی رقمیں کماتا تھا۔ کئی بار میں نے ممبئی اور بنکاک سے اس کے لیے اپنے آدمی بھیجے جنہیں وہ اچھا معاوضہ دے کر لوٹاتا تھا۔''

اچانک مجھے راجن کے دو روپوش آدمی یاد آ گئے۔ راجن پر غالب آنے کے بعد میں نے انہیں بھلا دیا تھا۔ وہ کہیں سے اچانک نمودار ہو کر مجھے مشکلات سے دوچار کر سکتے تھے۔ میں نے ان کے بارے میں راجن سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ دونوں اس کے کاروباری ٹھکانوں کی تجوریوں سے رقمیں سمیٹنے کے لیے گئے ہوئے تھے۔ راجن کے ہر کلب اور کیسینو کی بھاری آمدنی رات گئے حساب کتاب کے بعد تجوریوں میں محفوظ کر دی جاتی جسے اگلے روز آنے والا عملہ راجن کی ہدایات کے مطابق بینک یا موتی محل میں پہنچا دیتا۔

اس روز سارے ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے تھے' عملہ غائب تھا۔ راجن نے اپنے پاس سے ڈپلی کیٹ چابیاں دے کر ان دونوں کو ادھر روانہ کر دیا تھا تاکہ باغی عملے کو اس کی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ وہ کچھ دیر پہلے گئے تھے۔ انہیں باری باری شہر میں پھیلے ہوئے چھ ٹھکانوں پر جانا تھا۔ آدھی رات سے پہلے ان کی واپسی کا امکان نہیں تھا۔

''اب پھر اصل موضوع کی طرف آ جاؤ'' ان دونوں کے بارے میں جان لینے کے بعد میں نے راجن سے کہا۔ ''انل نے تمہیں کن لوگوں سے ملوایا اور کون کون تمہاری سرپرستی کرتا تھا۔''

''مجھ سے یہ سب نہ پوچھو!'' یکایک وہ خوف زدہ ہو گیا۔ ''ان باتوں سے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میرا کچا چٹھا اگلوانے کے بعد تم مجھے مار دو گے!''

''ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ زندگی اور موت کے اس دوراہے پر تم سے انتخاب کا حق چھن چکا ہے اور لبلبی پر میری انگلی ہے۔ پھر بھی تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم جیسا شکار روز ہاتھ نہیں آتا۔ میرا کام ایسا ہے کہ تمہاری بتائی ہوئی باتیں برسوں میرے کام آتی رہیں گی۔ میں نے یہ موقع کھو دیا تو بعد میں' میں تم سے ایک لفظ بھی نہیں جان سکوں گا۔'' میں نے اسے دلاسا دیا۔

''قسم کھا کر وعدہ کرو کہ تم مجھے نہیں مارو گے!'' اس نے بے اعتباری سے کہا۔

''میں قسم کھاتا ہوں کہ اب تمہیں نہیں ماروں گا۔'' میں نے پورے خلوص سے اسے یقین دلایا۔ یہ حقیقت تھی کہ میں اسے لاتوں اور مکوں سے نہ مارنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں اتنی مار کھا چکا تھا کہ اس پر مزید ہاتھ اٹھانا مناسب نہیں تھا۔

''انل نے مجھے صرف کرنل گیری سے ملایا تھا۔ وہ یہاں امریکی سفارت خانے کا انفارمیشن افسر تھا۔'' راجن نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد اپنی زبان کھولی۔ ''اس کے کہنے پر میں نے ایک بڑی دعوت کی۔ شراب کی کثرت اور عورتوں کی بھیڑ سے سفارت کار اور بڑے لوگ خوش ہوتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل پڑا اور میرا اثر رسوخ بڑھتا چلا گیا۔''

''وہ کس ایجنسی کا آدمی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ وہ مجھ سے بہت سے کام نکلوا رہا ہے۔ میرا گہرا دوست ہے۔ انل یہاں آتا تھا تو اکثر ہم تینوں مل کر بیٹھتے تھے۔ ان دونوں کی زیادہ تر باتیں پاکستان اور سوبھراج کے بارے میں ہوتی تھیں۔ وہ اسے اور اونچا لے جانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ تم نے وہ سب مٹی میں ملا دیا۔ اسے سوبھراج کے انجام کا علم نہیں ہے۔ کئی بار مجھ سے اس کے بارے میں پوچھ چکا ہے۔''

''یہ مجھے معلوم تھا۔'' وثوق سے کچھ نہ معلوم ہونے کے باوجود میں نے محض اس کا اعتماد جیتنے کے لیے کہا۔ ''میں جب چاہتا امریکیوں کو یہ ٹپ دے سکتا تھا کہ تم نے پہلے سوبھراج کو پناہ دی اور پھر اسے خاموشی سے مروا دیا۔ سوبھراج کی طرح تم بھی ان کے عتاب میں آ جاتے مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ اس ایک بات سے تم کو اندازہ ہو جانا چاہیے کہ میں تمہاری موت کا خواہاں نہیں ہوں۔''

''مجھ پر تم نے بہت بڑا احسان کیا۔'' اس نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں کہا۔ ''مجھے اب سے بہت پہلے تم سے مل لینا چاہیے تھا۔ میں گیری کی باتوں میں آ کر تمہیں ہمیشہ اپنا دشمن سمجھتا رہا۔ میری یہاں سے واپسی کا مطالبہ کر کے تم نے میرا

Downloaded from https://paksociety.com

اس غلط فہمی میں اور اضافہ کر دیا۔''

''میرا یہ مطالبہ اب بھی برقرار ہے۔'' میں نے کہا۔

''اس سے دستبرداری کے لیے میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی ہے۔''

''یہ سودا طے نہیں ہوا۔ ابھی میرے سوالات جاری ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

وہ چند فقرے اس کے لیے پُرفریب ثابت ہوئے۔ اسے یقین سا ہو گیا کہ میں اسے مارنا نہیں چاہتا۔ وہ بہت کھل کر میرے سوالات کے جواب دینے لگا۔

سوبھراج کی زندگی کی پوری کہانی میرے سامنے تھی۔ غیر ملکی قوتوں نے اسے پس ماندہ علاقے اور مفلوک الحالی سے اٹھا کر' اپنے مقاصد کے لیے اوپر تک پہنچایا تھا اور اس سے ہمیشہ کام لیتے رہے۔ جب اس سے ویرا کے بارے میں ایک لغزش ہوئی تو وہ اس کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایک طرف میں اس کا پیچھا کر رہا تھا' دوسری طرف الف بی آئی اس کی بو پر لگی ہوئی تھی۔ امریکیوں کا ہاتھ اس کے گریبان تک نہیں پہنچ سکا' میں نے اسے گھیر لیا اور وہ کسمپرسی کے عالم میں لوپ بوری کے بھیڑیوں کی خوراک بن کر ایک قصۂ پارینہ بن گیا۔

راجن کی کہانی بھی کچھ ملتی جلتی سی تھی۔ اسے ممبئی سے بنکاک لا کر پروان چڑھایا گیا۔ اس کا سب سے بڑا مربی انل بسواس تھا۔ جو میرے ہاتھوں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچ چکا تھا۔ دوسرا سرپرست کرنل گیری تھا جو چھ سال سے مسلسل بنکاک میں اپنے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس سے سوبھراج کے معاملے میں ناقابلِ معافی خطا ہو چکی تھی۔ دوستی کی بنا پر اس نے ان کے باغی' سوبھراج کو پناہ دی تھی۔ وہ ان کی سزا سے یوں بچا رہا کہ امریکی سوبھراج کے معاملے میں اس کے کردار سے بے خبر تھے اور میں نے بھی دانستہ خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ سوبھراج کی ہلاکت کی پردہ پوشی میں پاکستان کا مفاد پوشیدہ تھا۔

انل بسواس جہنم واصل ہو چکا تھا لیکن راکا ایک اور افسر اس کی جگہ لے چکا تھا۔ اس نے بھی اپنے پیش رو کی طرح راجن سے گہرے مراسم استوار کیے ہوئے تھے۔ بنکاک میں اپنے اثر و رسوخ اور کالے دھندوں سے دولت بٹورنے کے لیے راجن بالکل آزاد تھا۔ اسے کہیں مشکل پیش آتی تو اس کے سرپرست ہر دشواری کی کلید ثابت ہوتے لیکن بھارتی اور امریکی مفادات کا سوال سامنے آتا تو راجن کرنل گیری اور راکا کے سانگر کا غلام بن کے رہ جاتا۔ میں اس کی زبان سے یہ جان کر حیران رہ گیا کہ ان دنوں ممبئی اور بنکاک سے راجن کے آدمیوں کی دو ٹولیاں پاکستان گئی ہوئی تھیں۔ دونوں کو بہت خطرناک ذمے داریاں سونپی گئی تھیں۔ ایک پارٹی کو گوادر کے قرب و جوار میں بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں دہشت گردی کی وارداتوں کے ذریعے اگلے دو ماہ تک امن و امان کے سنگین مسائل پیدا کرنا تھا۔ دوسری پارٹی کو ساہیوال جیل میں تین سال سے پڑے ہوئے راکے دو ایجنٹوں کو عدالت میں پیشی کے موقع پر عدالت سے فرار کرانا تھا۔

مجھے راجن سے گفتگو کرتے ہوئے محسوس ہوا کہ سوبھراج کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد پاکستانی محاذ کی کمان نئی دہلی اور بنکاک منتقل ہو گئی تھی۔ ساگر دہلی میں بیٹھ کر تخریبی فیصلے کر رہا تھا اور راجن کے غنڈے انہیں عملی جامہ پہنا رہے تھے۔

کرنل گیری نے راجن سے کوئی ایسا کام نہیں لیا تھا جو پاکستان کے خلاف ہو۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ امریکی ایجنسیوں کے گرگے پاکستان میں اپنے مورچے بنا کر براہِ راست کام کر رہے تھے۔ گیری کی ساری دلچسپیاں تھائی حکومت کے اندرونی معاملات سے تھیں۔ راجن کو اپنی پرتعیش دعوتوں میں مستقل بنیادوں پر آنے والے مقامی مہمانوں سے اس سلسلے میں مطلوبہ معلومات اور کاغذات کی نقلیں آسانی سے مل جاتی تھیں جو وہ پوری سعادت مندی سے کرنل گیری تک پہنچا دیتا۔

میں نے راجن کو یہ محسوس نہیں ہونے دیا کہ اس وقت بھی میں اپنے ملک کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھا۔ ساری گفتگو کی نوعیت عمومی رہی۔ اس دوران میں وہ قالین سے اٹھ کر بہ وقت تمام ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا اور میں نے اسے سگریٹ پینے کی اجازت بھی دے دی تھی۔

اپنے مفاہمانہ ماحول میں اس سے ان آدمیوں کے کوائف نہیں پوچھے جا سکتے تھے جو اس کی ہدایت پر گوادر اور ساہیوال پہنچے ہوئے تھے۔ میری دانست میں چلال اور اول خان کے لیے ممکنہ واقعات کی نشاندہی کافی تھی۔ وہ اپنے ذرائع سے مشکوک مجرموں کی گردنیں دبوچ سکتے تھے۔

''تمہارے سوالات کا سلسلہ بہت دراز ہو گیا۔'' اس مرحلے پر راجن نے شکوہ کیا۔ ''میں تھک گیا ہوں۔ اجازت ہو تو اسکاچ کا ایک گلاس لے لوں۔ اس سے بدن میں جان پڑ جاتی ہے۔''

بوتل کا اس کے ہاتھ میں پہنچنا مناسب نہیں تھا۔ ہم دونوں کا برابر کا مقابلہ تھا۔ کسی کا کوئی ساتھی موجود نہیں تھا۔ میں اس سے کھیل رہا تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اسے مجھ پر

Downloaded from https://paksociety.com

غالب آنے کا کوئی بھی موقع ملا تو وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔

شیشے کی وزنی بوتل اپنے طلائی سیال سمیت اس کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ثابت ہوسکتی تھی۔ میں نے دیسی حساب سے آدھا گلاس بھر کر سوڈے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا کہ راجن نے مجھے روک دیا۔ اس وقت وہ نیٹ اسکاچ کی طلب محسوس کررہا تھا۔

اسے گلاس تھماتے ہوئے میں ہوشیار تھا کہ کہیں وہ گلاس ہی میرے منہ پر نہ پھینک مارے۔ اس کا بایاں بازو میری گولی سے زخمی ہوا تھا' رہی سہی کسر تھوڑی دیر پہلے پوری ہوگئی۔ اس کی جسمانی حالت اتنی ابتر ہوچکی تھی کہ وہ مجھ سے ایسے کسی تصادم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ جس میں نتیجے کا سارادارومدار دونوں کی جسمانی توانائی پر ہو۔

اس سے باز پرس کرتے ہوئے میں اپنی رسٹ واچ پر بھی نظر ڈالتا رہا تھا۔ مجھے موتی محل میں آئے ہوئے ایک گھنٹا ہونے والا تھا۔ اس وقت ساڑھے سات بجے تھے۔ راجن کے دونوں آدمیوں کی واپسی میں بہت دیر باقی تھی۔ میں اطمینان سے اپنے باقی کام نمٹا سکتا تھا۔

راجن نے ندیدے پن کے ساتھ' میرے دیے ہوئے گلاس سے نیٹ اسکاچ کا ایک بڑا گھونٹ لے کر برا سا منہ بنایا۔ اس کا خون کی پپڑیوں سے ڈھکا ہوا' متورم چہرہ اور زیادہ بگڑ گیا۔ اس نے وہ گھونٹ اپنے دہانے میں گھما گھما کر حلق سے اتارا تو میں زیرلب مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ دشمن کی چھت کے نیچے اس کے مقابل ہونے کے باوجود میں خود کو اندر سے بہت مطمئن محسوس کررہا تھا۔

''اس کا کیا کیا جائے؟'' راجن نے جوزی کی لاش کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

''میں کیا بتاؤں۔ اس کا کریا کرم تم ہی کو کرنا ہوگا۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''برا ہوا کہ یہ مارا گیا۔'' اس کی آواز سے اس کا دلی قلق جھلک رہا تھا۔ ''میں ہمیشہ اس سے کہتا تھا کہ اس کی زبان ایک دن اسے مروادے گی اور آج وہی ہوا۔''

''اس خیال میں نہ رہنا۔ مجھے بدکلامی پر تاؤ آتا تو اس وقت تم بھی زندہ نہ ہوتے۔ تم نے مجھے بہت گالیاں دی ہیں۔ میں نے اسے نمونے کے طور پر مارا تھا تاکہ تمہیں میری ننھی سی گن کی کارکردگی کا صحیح اندازہ ہوسکے پھر بھی تم باز نہیں آئے!''

''اب ان باتوں کا تذکرہ چھوڑو۔ تمہارے سوال ختم ہوگئے ہوں تو اب دوسری بات بھی طے ہوجائے۔'' اس نے پُرامید لہجے میں کہا۔

''تم جو بات چاہو کرسکتے ہو۔'' میں نے کھلے دل سے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں ایک کروڑ بھات کی پیش کش کی تھی۔'' اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ بہت کم قیمت ہے۔ زندگی اور بنکاک کی بادشاہی۔ یہ دونوں کا سودا ہے۔''

''پھر تم خود بتادو' میں مان لوں گا۔'' اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

''تین کروڑ!'' میں نے داہنے ہاتھ کی تین انگلیاں فضا میں لہرائیں۔

''منظور ہے۔'' وہ رقم سنتے ہی بولا۔ ''ایک کروڑ میں ابھی نقد دے دیتا ہوں۔ باقی رقم کل تم کو مل جائے گی۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں ہوگا۔''

''ادھار نہیں چلے گا..... بات نقد کی ہوئی تھی۔'' میں نے اصرار کیا۔

شی سے منہ موڑنے کے بعد میں نے گن بوٹ کے سودے کے علاوہ کہیں ہاتھ نہیں مارا تھا۔ شراب نوشی ترک کرنے کے بعد میرے ذاتی اخراجات نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ ہم چاروں کی گزر بسر اسی خطیر رقم سے ہورہی تھی جس کا بڑا حصہ اس وقت بھی جہانگیر کی بیوی کے پاس محفوظ تھا۔ ضروریات کے پیش نظر میں اس سے چھوٹی چھوٹی رقمیں لیتا رہتا تھا۔ آمدنی کے بغیر اخراجات کا سلسلہ جاری رہے تو ایک وقت قارون کا خزانہ بھی جواب دے جاتا ہے۔ راجن قابو میں آگیا تھا تو میں سوچ رہا تھا کہ اس کی حرام کی کمائی میں سے اپنا قابل لحاظ حصہ وصول کرلوں۔ میں نے اس سے پانچ کہتے کہتے تین کروڑ کہہ ڈالے تھے اور وہ اسی پر جواب دے گیا تھا۔ میں نے سخت رویہ اپنانے کا ارادہ کرلیا۔

''ادھار کی بات نہیں ہے۔'' وہ لجاجت سے بولا۔ ''میں گھر پر زیادہ رقم نہیں رکھتا۔ تجوری میں ایک کروڑ کی مہروالی گڈیاں موجود ہیں۔ شاید دس پانچ لاکھ اِدھر اُدھر بھی پڑے ہوئے ہوں۔ صبح تمہیں باقی رقم کا ایک ایک پیسا مل جائے گا۔''

''میں صبح کا انتظار نہیں کرسکتا۔ تمہارے آدمی بھی کیش سمیٹ کر لانے والے ہیں۔'' میں نے بے رخی کا مظاہرہ شروع کردیا۔

''وہ کیش ضرور لائیں گے۔ چاہو تو تم ان کی واپسی کا

Downloaded from https://paksociety.com

انتظار کرلو۔ وہ بیس پچیس لاکھ سے زیادہ رقم نہیں ہوگی۔ میں یہ بھی زیادہ سے زیادہ بتا رہا ہوں۔ اس سے تمہارا حساب پورا نہیں ہوگا۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ صبح باقی رقم مل جائے گی۔''

''نہیں راجن..... اس وقت تم میری گن کی زد پر ہو' ہر بات مان لو گے۔ صبح یہ صورت حال بدل چکی ہوگی۔ خود کو میری جگہ رکھو پھر سوچو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں ایسا احمقانہ سودا نہیں کرسکتا جس کا انجام غیر یقینی ہو۔''

''تم دشمنی کے نکتۂ نگاہ سے سوچ رہے ہو۔ ہمارے درمیان مفاہمت ہوچکی ہے۔ میں نے تمہارے پچھلے احسانات کو مان لیا ہے۔ اس فضا میں تم کو مجھ پر اعتماد کرلینا چاہیے۔ میں وعدہ خلافی کروں تو تم کرنل گیری کو سوبھراج کا پورا قصہ بتا کر ہر وقت میرا مستقبل تاریک کرسکتے ہو۔ میں زندگی بھر تمہارے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔ تمہیں دغا کیسے دوں گا!''

''بے کار باتیں ہیں۔'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ ''کرنل گیری کے ایجنٹ تمہارے پیچھے لگ کر تمہیں مار دیں گے۔ وہ غداروں کو یہی سزا دیتے ہیں۔ تمہاری بے فیض موت سے مجھے کیا حاصل ہوگا..... میں اپنی ڈوبی ہوئی رقم کس سے مانگوں گا؟''

راجن گھبرایا ہوا تھا۔ اس کی خون آلود پیشانی پر پسینہ آ گیا تھا جو خون میں گھل کر لکیریں بنا رہا تھا۔ وہ چند لمحوں تک خاموش رہا پھر بولا ''میں تمہارا یرغمالی بننے کے لیے تیار ہوں۔ میرے آدمی رقم پوری کرکے مجھے لے جائیں گے ورنہ تمہارے ہاتھ کھلے ہوں گے۔''

''ایک کروڑ کہاں ہیں؟'' میں نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''یہیں' اسی کمرے میں ہیں۔ کہو تو پانچ منٹ میں نکال دوں!'' یوں محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں ایک دم جان پڑ گئی ہو۔

''رقم نکالو!'' میں نے کسی یقین دہانی کے بغیر اسے ہدایت کی اور اس نے اسی لمحے اپنی جگہ چھوڑ دی جیسے اسے خوف رہا ہو کہ تاخیر کی صورت میں' میں اپنا ارادہ بدل دوں گا۔

اس نے اس خواب گاہ کے ایک دور افتادہ گوشے میں قالین کا کونا الٹ کر چابیاں نکالیں اور ایک دیوار گیر تصویر کی طرف بڑھ گیا۔ میں اپنی جگہ بیٹھا غور سے اس کی ایک ایک حرکت دیکھتا رہا۔ کوئی کل دباتے ہی وہ تصویر اوپر سرکتی چلی گئی۔ اس کے پیچھے دیوار گیر آہنی تجوری نظر آ رہی تھی۔ راجن نے اپنے زخمی بازو کے سبب مجھے اپنی مدد کے لیے بلانا چاہا مگر میں نے انکار کردیا۔ تصویر کے سرکنے کا نظام دیکھ لینے کے بعد مجھے اندیشہ تھا کہ تجوری میں کوئی شعبدہ پوشیدہ نہ ہو۔ اسے کچھ دیر لگی لیکن اس نے تجوری کھول کر نئے اور پرانے نوٹوں کی گڈیاں مسہری پر ڈھیر کرنا شروع کردیں۔

''پورے ایک کروڑ ہیں' چاہو تو گڈیاں گن لو!'' راجن نے اپنا کام پورا کرکے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''یہ ملے جلے' نئے اور پرانے نوٹ ہیں۔ سب بینکوں سے اسی طرح آئے ہیں۔''

''رقم کسی بریف کیس میں ڈالو!'' میں نے اسے اگلی ہدایت دی۔

رقم بڑی تھی اور کسی چھوٹے بریف کیس میں نہیں سما سکتی تھی۔ راجن نے مناسب سائز کا ایک بریف کیس کھول کر اس کا سارا سامان بستر پر الٹ دیا۔ وہ میری ہدایات پر بہت پھرتی کے ساتھ عمل کر رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے گڈیاں جما کر بریف کیس بند کیا اور اسے لاکر میرے قریب رکھ دیا۔

''تمہارے پاس اپنی گاڑی نہیں ہے۔ تم پیدل پھاٹک پر آئے تھے۔'' اس نے دربان سے ملنے والی معلومات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''ہم یہاں سے کوئی گاڑی نکال لیں گے۔ صبح میں ادائیگی پوری ہونے کے بعد اپنے ساتھ لیتا آؤں گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی' میں ٹیکسی سے نکل جاؤں گا۔'' بیم گن ہاتھ میں لیے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''تو کیا تم مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جارہے..... تم نے میری زبان پر بھروسا کرلیا ہے؟'' اس نے مسرت آمیز حیرت سے کہا۔

''نہیں راجن! میں نے کہا نا کہ میں ادھار سودے نہیں کرتا۔ اب سن لو کہ میں مردوں کو کبھی اپنے ساتھ نہیں لے جاتا۔ لاشیں مل جاتی ہیں تو لواحقین کو صبر آ جاتا ہے۔''

خوف اور دہشت سے اس کی آواز حلق میں پھنس گئی۔ اس کا داہنا ہاتھ فضا میں اچھلا اور میں نے اسی لمحے اس کی پیشانی پر بیم گن فائر کردی۔ وہ کھڑے کھڑے کسی تناور درخت کی طرح لہرا کر قالین پر آ رہا۔

گمنامی سے زندگی شروع کرنے والا راجن بنکاک میں شہرت و امارت کی زندگی گزارنے کے بعد اچانک خاموش ہوچکا تھا۔ وہ سوبھراج کے بدمعاش قبیلے کا آدمی تھا اور آخر کار اسی کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میرے لیے وہ لرزہ خیز عبرت کا مقام تھا۔ ایکڑوں پر محیط موتی محل میں اس وقت صرف میں تھا یا دربان۔ اس پُر شکوہ مکان کا اصل مالک اور مکین اپنی ساری جمع پونجی کو لاوارث چھوڑ کر مر چکا تھا۔ دجل وفریب سے حاصل کی ہوئی بے اندازہ دولت اسے بے بسی کی موت سے نہیں بچا سکی تھی۔ میں نے اپنے وعدہ کے مطابق اسے بالکل نہیں مارا' بس مار دیا تھا!

اس خواب گاہ کی تلاشی لے کر میں نے چند لمحوں میں ایک بھرا ہوا پستول حاصل کرلیا جو مسہری کے سرہانے' تکیے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ پستول کا میگزین چیک کر کے میں نے اسے جیب میں ڈالا اور تیزی سے پھاٹک کی طرف چل دیا۔ راجن کا قصہ تمام ہوجانے کے بعد میں جلد از جلد وہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ واپسی میں تاخیر خطرناک ثابت ہوسکتی تھی۔

دربان نے میری بات حیرت سے سنی۔ وہ پریشان تھا کہ راجن نے اسے بلانے کے لیے مجھے کیوں بھیجا۔ وہ انٹرکام پر ہدایت دے سکتا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ انٹرکام خراب تھا۔ وہ جسیم اور تندخو آدمی تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک وشبہات کی پرچھائیاں دیکھ کر میں نے واپس جا کر راجن کو اس کے تردد سے آگاہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ بڑبڑاتا ہوا میرے ساتھ ہولیا۔ اسے فکر تھی کہ گیٹ لاوارث رہ جائے گا۔

راجن کی قتل گاہ سے باہر آتے ہوئے میں نے راستہ ذہن نشین کرلیا تھا۔ بند دروازے پر رک کر میں نے دربان کو اندر جانے کے لیے کہا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر گھسا تو میں اس کے پیچھے تیار کھڑا ہوا تھا۔

جوزی بہ ظاہر کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آرہا تھا جب کہ راجن قالین پر پہلو کے بل غیر فطری حالت میں ساکت پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر دربان کے حلق سے ایک بے ساختہ چیخ نکلی' میں نے راجن کے اس چیلے کی کھوپڑی پر گولی چلادی اور اس کی وہی چیخ موت کی بھیانک پکار میں بدل گئی۔ وہ کسی اندھے کی طرح فضا میں اپنے ہاتھ مارتا ہوا منہ کے بل گر گیا۔

میری چلائی ہوئی گولی اس کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی چہرے سے نکل گئی تھی۔

موتی محل میں میری آمد کے تین گواہ تھے اور تینوں موت کی آغوش میں جاچکے تھے۔

وہاں تک سب کام خوش اسلوبی سے ہوچکا تھا لیکن میں جلال کی مخلصانہ ہدایت کا پاس نہیں رکھ سکا تھا۔ دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے بعد میرے لیے اپنا تحفظ بھی ضروری تھا۔ موتی محل سے بیم گن سے مارے ہوئے دشمنوں کی لاشیں برآمد ہوتیں تو میرے خلاف ایک اور بھیانک محاذ آرائی شروع ہوجاتی۔

میرے ذہن میں بنکاک کے ویران ساحل کا تجربہ تازہ تھا۔ وہاں آگ نے دو لاشوں کو چاٹا تھا' یہاں بھی اصل حق دار دو تھے جو بیم گن کا ذائقہ چکھ چکے تھے۔ دربان کی موت یوں ضروری تھی کہ اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ یہ بات ہر شک و شبہے سے بالا تھی کہ راجن کی ٹولی کا وہ عام سا بھارتی کارندہ بھی پالی مجرم رہا ہوگا۔ وہ گولی سے مرا تھا۔ اس کی لاش کو جلانے کی ضرورت نہیں تھی مگر کھوپڑی سے ہوکر باہر نکلنے والی گولی نے اس کے چہرے کا ایسا بھرتا بنایا تھا کہ مجھے اس کی طرف دیکھنا ہی گوارا نہیں تھا۔ لاش کو وہاں سے کہیں اور منتقل کرنا تو دور کی بات تھی۔

میں نے چند لمحوں کے لیے سوچا۔ بدن میں اترنے والے زہر کی علامات کو آگ چاٹ سکتی تھی۔ کاسۂ سر میں بیم گن کی دھار کا بنایا ہوا سوراخ سوختہ ہڈیوں میں بھی آسانی سے نظر آسکتا تھا۔ اس مسئلے کا ایک ہی حل تھا۔ ان دونوں پر بھی چند گولیاں ضائع کردی جائیں۔

میں نے چند قدم دور ہٹ کر جوزی کی لاش کی پیشانی پر فائر کیا۔ میرے اندازے کے مطابق گولی اس کے سر کے پار نکل گئی۔ راہ میں آنے والی ہڈیاں پاش پاش ہونے کے نتیجے میں بیم گن کے استعمال کا ہر سراغ یقیناً مٹ گیا تھا۔

راجن کی لاش قالین پر سکڑی ہوئی بے طرح پڑی ہوئی تھی مگر گرم تھی۔ میں نے ٹھوکر سے اسے سیدھا کیا اور ایک گولی اس کی پیشانی سے بھی گزار دی۔ وہ لاشیں یوں ہی چھوڑ دی جاتیں تو انہیں دیکھنے والے یہی سمجھتے کہ تینوں کا قاتل انسانی کھوپڑیوں کو چکنا چور کرنے کا شوقین تھا۔

بظاہر بیم گن کے استعمال کے ثبوت مٹ چکے تھے۔ مگر میرا دل مطمئن نہیں تھا۔ سائنس بہت ترقی کرچکی ہے قتل کی تفتیش کے شعبے میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کوئی ایسا نکتہ ظاہر کرسکتی تھی جو میری نظروں میں آنے سے رہ گیا ہو۔ جوزی اور راجن کے سروں کی ہڈیاں ضرور جلی گئی تھیں لیکن ضروری نہیں تھا کہ بیم گن سے نکلنے والی لیزر شعاعوں اور گولیوں کے سفر کی سمت یکساں رہی ہو۔ فائر کے زاویے میں ذرا سے فرق کی وجہ سے لیزر شعاعوں کا کوئی نشان باقی رہ سکتا تھا۔ یہ اسی وقت ممکن تھا جب وہ لاشیں اپنی اصل حالت میں پائی جاتیں۔

شعلوں کی خوراک بننے کے بعد کچھ بھی باقی نہ رہتا۔

Downloaded from https://paksociety.com

صرف فائرنگ کافی نہیں تھی۔ اس کے بعد وہاں آتش زنی بھی ناگزیر تھی۔

میں نے تیزی سے لاشوں پر اس کمرے کے سامان کا ایک انبار لگایا' ان تینوں کی مشترکہ چتا بنائی' اس پر مسہری کا وزنی گدا ڈالا اور پھر ایک چادر کے سرے کو دیا سلائی سے آگ دکھادی۔ آگ تیز ہونے تک میں وہاں رکنا چاہ رہا تھا۔ دھیمی لو کو شعلوں میں بدلنے کے لیے خاصا وقت درکار ہونا چاہیے تھا۔ یہ راجن کے گناہوں کا ثمر تھا کہ آگ بہت تیزی سے پھیلنے لگی۔ بند کمرے میں اتنا دھواں بھر رہا تھا کہ میرے لیے سانس لینا مشکل ہونے لگا۔

میں نے آگ سے دور رکھا ہوا وزنی بریف کیس اٹھالیا۔ وہ مجھے منوں وزنی محسوس ہو رہا تھا۔ جلتی ہوئی چیزوں کا کثیف دھواں سانس کے ساتھ میرے پھیپھڑوں میں اتر رہا تھا۔ میں وہاں سے نکلنا چاہ رہا تھا مگر زمین نے گویا میرے قدم پکڑ لیے تھے۔

دل و دماغ میں ایک عجیب کشمکش چل پڑی تھی۔ ایک طرف ایک کروڑ بھات کی خطیر رقم کا لالچ تھا تو دوسری طرف ضمیر کی ملامت۔ وہ رقم راجن کی حلال کی کمائی تھی نہ میں نے محنت کر کے حاصل کی تھی۔ راجن نے تھائی لڑکیوں کی آبروریزی سمیت ہزاروں گھناؤنے دھندوں سے وہ رقم جمع کی تھی۔ میں نے اسے دھونس اور دھاندلی کے ذریعے حاصل کیا تھا۔ میرے لیے اس کا استعمال روا نہیں تھا۔ یکا یک میرے وجود میں اس رقم اور بریف کیس سے نفرت کی ایسی شدید لہر ابھری کہ میں نے بریف کیس کھول کر سلگتے ہوئے انبار پر الٹ دیا۔ ساتھ ہی بریف کیس وہیں پھینک دیا۔

نوٹوں کی خوراک ملتے ہی شعلوں میں مزید تیزی آ گئی۔ شعلے زیادہ بلند نہیں تھے لیکن آگ کمرے میں تیزی سے ہر طرف پھیل رہی تھی۔ آثار بتا رہے تھے کہ اس آگ پر قابو پانا آسان نہیں ہوگا۔ موتی محل لاوارث ہو چکا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا جو کھڑکیوں اور دروازوں سے نکلتا ہوا دھواں دیکھ کر پریشانی یا تشویش میں مبتلا ہوتا۔ جب تک آگ اور دھویں کے مرغولے بلندی پر پہنچ کر باہر والوں کی نظروں میں آتے۔ تینوں لاشیں جل بھن کر کوئلہ یا شاید راکھ ہو چکی ہوتیں۔

میں خالی ہاتھ موتی محل میں آیا تھا اور اسی طرح وہاں سے واپس چل دیا۔

میرا دل بوجھل اور افسردہ تھا۔ ان تینوں کے خون کا مجھے ذرا بھی ملال نہیں تھا۔ ان میں سے کوئی درندہ زندہ رہنے کا حق دار نہیں تھا۔ ملال اس بات کا تھا کہ مجھے اپنی ناگزیر مجبوریوں کے سبب ایک مرتبہ پھر تین لاشوں کو جلانا پڑا تھا۔

موتی محل کے پھاٹک پر اس رات کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تھا۔ وہاں رہنے والے ایک مدت سے جس آگ سے کھیل رہے تھے اس نے ان کے دامنوں کو پکڑ لیا تھا۔ میں ویران گارڈ روم کے آگے سے ہوتا ہوا، پھاٹک کے برابر والے پتلے سے راستے سے باہر نکل گیا۔

میں راستے بھر زندگی کی بے ثباتی اور انسان کی بے پروائیوں میں الجھا رہا۔ انسان زندہ ہوتا ہے تو اپنے مختلف مقاصد اور منصوبوں کے لیے جائز ذرائع سے دولت جمع کرنے کے چکروں میں دن رات لگا رہتا ہے۔ اسے یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس کا اندر جانے والا سانس باہر آئے گا یا وہیں رہ جائے گا مگر وہ برسوں اور عشروں کے حساب کتاب میں الجھا رہتا ہے۔ جب اس کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے یہ سارا حساب کتاب اس کے کسی کام نہیں آتا۔ بعض صورتوں میں بعد والوں کے گلے پڑ جاتا ہے۔

میں اپنے کمرے میں پہنچا تو غزالہ میرے پیچھے دروازہ بند کرتے ہی والہانہ انداز میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میری بانہوں میں اس کے جھٹکے لیتے ہوئے بدن سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ منہ سے کوئی لفظ نکالے بغیر سسک سسک کر رو رہی تھی۔

اسے انجام کا علم نہیں تھا لیکن یہ معلوم تھا کہ میں ایک انتہائی خطرناک مشن سے گھر واپس آیا تھا۔ شاید میری مہم کے بارے میں اس کے دماغ میں اندیشے اور وسوسے پلتے رہے تھے۔ اس نے مجھے صحیح وسلامت اپنے روبہ رو دیکھا تو ضبط کے سارے بندھن بے اختیار ٹوٹ گئے۔

میں اسے اپنی بانہوں میں سمیٹے وہیں کھڑا رہا۔ کچھ دیر تک سسکنے کے بعد اس کے دل کا غبار ہلکا ہوا تو وہ خود کسمسا کر مجھ سے الگ ہو گئی۔

''اب آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آئندہ اس کی طرف نہیں جائیں گے۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے کوٹ کا کالر پکڑ کر اپنائیت بھرے لہجے میں مطالبہ کیا۔ اس وقت اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں عجیب سی مسرت آمیز شوخی چمک رہی تھی اور آواز بھرائی ہوئی سی تھی۔

''نہیں جاؤں گا۔'' میں نے اس کی ٹھوڑی اوپر اٹھا کر مسکراتے ہوئے کہا ''وہ ایسی جگہ جا چکا ہے جہاں جانے سے ہر مسلمان پناہ مانگتا ہے۔''

غزالہ نے کسی بچے کی طرح جس بے پایاں خوشی کا

Downloaded from https://paksociety.com

اظہار کیا، اس کو الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ اس نے راجن کو نہیں دیکھا تھا، نہ وہ مکروہ صورت بدمعاش ٹیلی وژن پر آنا پسند کرتا تھا۔ اس کی کھلی مکاریوں کے قصے سن سن کر غزالہ نے اپنے ذہن میں اس کی جو تصویر بنالی تھی وہ ناقابلِ شکست تھی۔ ایسے دشمن کے مارے جانے کی خبر اس کے لیے بڑی خوش خبری تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ایک مدت سے جاری، ہولناک معرکہ آرائی آخرکار اختتام کو پہنچ گئی تھی۔ اس مکار عفریت سے دوبارہ ٹکراؤ ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا تھا۔

غزالہ نے جس پُرجوش انداز میں میرا استقبال کیا اس سے میری ساری کلفت دور ہوگئی۔ موتی محل میں پیش آنے والے واقعات کے بعد طبیعت پر طاری ہونے والا بوجھل پن کافور ہوتے ہی مجھے ڈان کی فکر سوار ہوگئی۔ وہ واقعہ بہت بڑا تھا۔ میں آخری لمحات پر مشکل سے چاؤ فان سے اپنا پیچھا چھڑا کر راجن کی طرف گیا تھا۔ ان لوگوں میں سے کسی کو میرے ارادے کی بھنک نہیں مل سکی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آسکا کہ میں اپنی اس کامیابی کا جائز کریڈٹ کیسے لے سکوں گا۔

غزالہ کو تفصیلی واقعات جاننے کا تجسس تھا۔ وہ تحمل اور مستقل مزاجی سے میرا ساتھ دیتی چلی آرہی تھی۔ میں اسے نظرانداز کرکے اس کی حق تلفی نہیں کرسکتا تھا۔ جب میں نے اسے موتی محل میں رونما ہونے والے واقعات بتائے تو آخر میں اس نے میرے اس اقدام کو دل کھول کر سراہا کہ میں نے راجن کی تجوری سے نکلوائے ہوئے ایک کروڑ بھات اپنے ہاتھوں سے وہیں نذرِ آتش کردیے تھے۔ وہ رقم ہمارے پاس آتی تو اپنے ساتھ نہ جانے کتنی نحوستیں اور مصائب لے کر آتی۔

ان باتوں کے دوران میں ہم دونوں نے کافی پی اور ٹیلی وژن بھی دیکھتے رہے۔ مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد موتی محل سے اونچے شعلے اٹھنے شروع ہوجائیں گے اور وہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے بنکاک میں پھیل جائے گی۔ خبر کسی بھی وقت ٹیلی وژن پر آسکتی تھی۔

غزالہ نے اس بار بھی میری خیریت سے واپسی کے نفل مانے ہوئے تھے۔ وہ ٹیلی وژن کی آواز بند کرکے ایک کرسی کی اوٹ میں نفل پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئی تو میں بستر پر دراز ہوگیا۔ میرا اندازہ تھا کہ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر سنتے ہی ڈان مجھے فون کرے گا۔ اس کی طرف سے کوئی رابطہ ہونے سے پہلے میرے پاس کوئی مربوط کہانی ہونی ضروری تھی۔

قارئین متوجہ ہوں

قرآنِ حکیم کی مقدس آیات و احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، میرے اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ میری نظریں بار بار گھڑی کی سوئیوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ میں ایک بڑا معرکہ سر کرکے آیا تھا۔ میرے لوٹ آنے کے بعد وہاں کیا ہوا تھا۔ کہیں سے اس کی خبر نہ آنے پر مجھے رہ رہ کر جھنجلاہٹ ہورہی تھی۔ میں بستر پر لیٹے لیٹے سوچ رہا تھا کہ شاید میرے آنے کے بعد آگ پھیلنے کی رفتار دھیمی ہوگئی ہو۔ اگر وہاں لگی ہوئی آگ باہر والوں کی نظروں میں نہ آتی تو راجن کے باقی ماندہ دو وفاداروں کی واپسی کے بعد وہاں یقیناً ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا۔ راجن کی زندگی کے آخری اندازے کے مطابق وہ صورت آدھی رات سے پہلے رونما ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

غزالہ نے منت کے نفل پورے کرنے کے بعد شاید عشا کی نماز بھی ختم کرلی۔ اس نے کھانا منگوایا اور کھایا گیا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ ٹیلی وژن پر معمول کے مطابق رقص و موسیقی کے تفریحی پروگرام چل رہے تھے۔ دس بجے میرے موبائل کی گھنٹی بجی اور میرا دورانِ خون تیز ہوگیا۔

وہ چاؤ فان کی کال تھی۔ وہ ہیجان زدہ آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''ماسٹر! موتی محل میں زبردست آگ لگی ہوئی ہے۔ پوری عمارت دھڑا دھڑ جل رہی ہے۔ پورے شہر کی گاڑیاں وہاں آگ پر قابو پانے کی کوشش کررہی ہیں مگر اب تک ناکام ہیں۔''

چاؤ فان کی زبان سے وہ تفصیل سن کر میری بے چینی کو قرار آگیا میں نے سرسری لہجے میں کہا ''مجھے اندازہ تھا کہ وہ آگ تیزی سے پھیلے گی۔''

''ہائیں!'' اس کی تحیر زدہ آواز آئی ''ماسٹر.....! تو کیا یہ کام تمہارا ہے؟''

''چاؤ فان! احتیاط سے کام لو'' میرا لہجہ سرد ہوگیا ''اس وقت تم کہاں ہو؟''

''شعلے شہر میں دور دور تک نظر آرہے ہیں۔ آگ دیکھ کر میں ادھر آیا تھا۔ یہاں ہزاروں کی بھیڑ جمع ہے۔ میں ایک بند

Downloaded from https://paksociety.com

دکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوا ہوں۔''

''ڈان کو اس واقعے کا علم ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''وہ شہر سے دور ہے۔ میں اسی کو فون کرنے کے ارادے سے ادھر سناٹے میں آیا تھا۔ سوچا کہ پہلے تم سے بات کرلوں۔ یہ کب اور کیسے ہوا۔ چند گھنٹے پہلے تو تم میرے ساتھ تھے!'' وہ جوش اور سنسنی کے عالم میں اپنے معمول سے زیادہ تیزی سے بول رہا تھا۔

''تم لی کو فتح کررہے تھے، میں اس کام کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ تم سے اپنی جان چھڑا کر میں اسی طرف گیا تھا۔ یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔'' میں نے کہا ''سنا ہے کہ آج ڈان نے سیلرز بار میں آنے والوں کو مفت شراب پلائی ہے!''

''مجھے نہیں معلوم۔'' اس نے جواب دیا ''میں مادام کے گھر سے تمہاری طرف آیا پھر اپنے گھر چلا گیا۔ تم نے ظلم کیا کہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لیا..... تمہیں سیلرز بار کی خبر کس نے دی ہے؟''

''راجن کہہ رہا تھا۔'' میں نے اس کی کیفیت کے تصور سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

''وہ کہاں ملا تم سے؟'' چاؤ فان کی آواز بوکھلائی ہوئی تھی۔

''میں موتی محل میں اسی سے ملنے گیا تھا۔'' میرے ذہن میں ڈان کے لیے ایک اچھوتی کہانی کا نقشہ ابھرنا شروع ہوگیا اور میں نے اس کی داغ بیل ڈال دی۔

''وہ کالا شیطان کہیں نظر نہیں آیا۔ تم نے اسے کہاں چھوڑا تھا؟''

''بس' اب فون بند کردو۔ بنکاک کے سارے فون ناکارہ ہیں۔ ان پر سے میرا بھروسا اٹھ چکا ہے۔'' میں نے اپنے اپریٹس کا بٹن دبا کر سلسلہ موقوف کردیا۔

غزالہ میرے قریب کھڑی حیرت سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی ''بات کرتے کرتے آپ نے اچانک لائن کیوں کاٹ دی..... کیا ہوگیا فون کو؟''

''یہ سارا فتور فون کا ہے۔ بس دیکھتی جاؤ کہ اب کیا ہوتا ہے!'' میں نے مسکراتے ہوئے اسے آنکھ ماری۔ ذہن میں ایک دریچہ کھلتے ہی میرا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا۔

''میں وہی پوچھ رہی تھی۔ فون اچھا خاصا تھا، اس میں اچانک کیا مسئلہ پیدا ہوگیا۔'' وہ میرا اشارہ نہیں سمجھ سکی۔

''راجن اور اس کے ساتھیوں کو میں نے کس طرح مارلیا۔ یہ ڈان کے لیے سب سے بڑا سوال ہوگا۔ اس کے جواب میں مجھے کوئی نہ کوئی مضبوط جواز پیش کرنا ہوگا، ورنہ کامیابی کے باوجود میں ڈان کی نظروں میں اپنا اعتماد کھودوں گا۔'' میں نے اسے بتایا۔

''یہ بات مجھے بھی پریشان کررہی ہے۔'' اس نے اعتراف کیا ''وہ آپ کے دہرے کردار سے ناواقف ہے۔ اس کے ذہن میں سب سے پہلا سوال یہ آئے گا کہ آپ کو موتی محل میں رسائی کیسے حاصل ہوگئی۔ صبح کے خون ریز حملے کے بعد راجن اتنا خوف زدہ ہوگا کہ اپنے سائے سے بھی بھڑک رہا ہوگا۔ اس نے ایک اجنبی کو اندر کیسے گھسنے دیا۔ یہ سب اپنی جگہ درست ہے۔ ان باتوں کا بنکاک کے ٹیلی فون کے نظام کی خرابی سے کیا تعلق ہے؟''

''کراس ٹاک۔'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا ''راجن سے سنی ہوئی باتیں اس حوالے سے بے خوف وخطر دہرائی جاسکتی ہیں۔ ان معلومات کی روشنی میں، میں وہاں پہنچ گیا۔''

''اصل مسئلہ پھر بھی برقرار رہے گا۔'' اس نے مرتعش نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے الجھن سے کہا۔ ''آپ کو اتفاق سے اندر کی باتیں معلوم ہوگئیں۔ وہ جاننا چاہے گا کہ آپ اندر کیسے پہنچے!''

''آج شام سے ڈان اپنے بار میں لوگوں کو مفت شراب پلا رہا ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ یہ خبر راجن تک پہنچ چکی تھی۔ وہ سخت مشتعل تھا۔ اسے یقین ہوگیا کہ موتی محل پر صبح کا حملہ ڈان کے آدمیوں نے کیا تھا اور ڈان اس کامیابی کی خوشی میں لوگوں میں مفت شراب بانٹ رہا تھا۔ وہ فوری طور پر سیلرز بار میں کوئی بڑی تخریبی کارروائی کرکے ڈان کو اس جسارت کی سزا دینا چاہ رہا تھا۔ اس کے آدمی سیلرز بار کا رخ کرتے تو پہچان لیے جاتے۔ ڈان انہیں اپنے علاقے سے زندہ نہ لوٹنے دیتا۔ اسے کسی نئے چہرے کی تلاش تھی جو ایک تباہ کن ٹائم بم وہاں پہنچا سکے۔ میں اس کام کا امیدوار تھا۔''

''یہ آپ کے معاملات ہیں، میں ان میں اپنی ٹانگ اڑانا نہیں چاہتی۔ میرے ذہن میں ایک مسئلہ تھا، وہ میں نے بتادیا۔ اس کا حل آپ ہی کو تلاش کرنا ہے۔ میں.....''

فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے اس کی بات پوری نہیں ہوسکی۔

میں نے اپریٹس اٹھایا تو اسکرین پر ڈان کا موبائل نمبر آیا ہوا تھا!

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر داؤد اور مادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں تھے کہ ایک بھیانک عالمی تنظیم شر کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو بیرونی کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کی کاشت کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر جنگ شروع کر دی۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دوست ثابت ہوا۔ شر کی سرپرست عالمی لابی ڈی ملک ڈسٹن سرگرمیوں سے بخوبی باخبر ہو چکی تھی چنانچہ اس لابی نے میرے لیے جال بچھایا اور میں اس کے سرپرست اعلیٰ سر ہنری کوفر کا شکار ہو گیا۔ میں نے ان کی تخریبی اور دہشت گردانہ کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے استحصال میں اضافہ کرتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں بعض اوقات خان نے بہت بد فرام کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے لیے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقناطیس سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جس لابی نے میری بیٹی اور میرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ میرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مخالف سمتوں میں دوڑنا پڑا ایک تیسری بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہوا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آ ٹنک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی سیمولی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جس لابی نے کیے جاں بازوں کی ایک ایسی انتظامیہ میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آ ٹنک بیل اس ٹیلے میں بہترین پیرو بن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین کی ایک کٹھ پتلی تھی۔ حالات نے گیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ دار الحکومت کے بھارتیوں سے ان کے اپنے ویٹس میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسپر گرم حل تھی اور اس کی پشت پناہی کو ہرا فے کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوجھ راج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں قحص کرائے انھوں نے ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سہیل کے ذریعے سوجھ راج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوجھ راج نے ہمیں بہت دور لایا۔ کئی مرتبہ دیمرے دام میں آیا اور پھر مچھلی کی طرح پھسل کر نکلے میں کامیاب ہوا۔ تاہم سفر ناکامی کا ایک سلسلہ تھا جو بتاتا ہے نوشتہ دیوار ملاقات دلچسپ رہی اور وہ جھوما راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے مجھے چاؤ ذان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ وہاں سلطان شاہ نے ایک بحکاری میں دلچسپی ظاہر کی تھی۔ اس نے جھوما راجن کے بکلیو میں ہم دھماکے کرائے۔ اسی دوران سوجھ راج بھی بنکاک پہنچ گیا۔ جھوما راجن کا ایک مخابرہ میری آنکھوں کے زیر کاشانہ بن گیا جو اس کے بااعتماد ساتھی کرنل ڈان نے ہمارے پاسپورٹ اپنے قبضے میں لے لیے۔ اسی دوران میں امریکیوں نے راجن کے گھر میں دھماکا کرایا مگر ڈان نے اس کا کریڈٹ مجھے دیا۔ اس نے مجھے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ بارے نامی پولیس آفیسر کے ہاتھوں پٹنے آئی تھی۔ میں نے اس سے ملاقات کے لیے بلوایا اور ایک لاکھ بھات بطور انعام دیے۔ میں اس سے مل کر واپس آیا تو غزالہ نے بتایا کہ بارے نامی پولیس آفیسر کے ہاتھوں پٹنے آئی تھی۔ میں نے اس بارے میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے کو اس نے بھیجا تھا۔ یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ ڈان کا کہنا تھا وہ میرے اس طرح امتحان لینا چاہتا تھا اور خوش قسمتی سے اس میں میں ڈان سے بات کی تو اس نے مجھے بتایا کہ سامے نے اس لیے زیادہ تجربہ کار نہیں بھیجا تھا۔ ان کے اندازے مفادانہ تھے اس لیے اس ن

طراری اس کے کام آئی اور وہ میرا شکار نہ بن سکا تاہم میں اسے زخمی کرنے میں کامیاب رہا۔ اس کے علاوہ اس کے تین ساتھی میرے ہاتھوں جہنم واصل ہوگئے۔ ڈان کے لیے یہ سب حیرت ناک تھا وہ میری صلاحیتوں کا معترف ہوتا جارہا تھا۔ اسی دوران راجن نے مجھے اکبر کے نمبر پر فون کیا وہ مجھ سے ملنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے اصرار کے پیش نظر مجھے اس کے محل جانا پڑا۔ وہاں وہ تنہا نہیں تھا بلکہ اس خطے کے چیدہ چیدہ بدمعاش مجھ پر جرح کرنے کے لیے تیار تھے۔ مجھے ان کی جرح سے جان چھڑانا ناممکن لگ رہا تھا میں نے راجن کے محل میں آکر غلطی کی تھی جس کی سزا مجھے ملنے والی تھی مگر اس وقت چاؤ فان اور اس کے ساتھیوں کی راج محل پر فائرنگ اور بموں کی بارش کے باعث مجھے وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا۔ راج محل پر فائرنگ معمولی واقعہ نہیں تھا اس کی دہشت پر آئے چند بدمعاش وہاں سے نکل گئے اسی کے ساتھ اس کے ساتھیوں نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ راجن تنہا تھا اور اسے اطلاع ملی تھی کہ ڈان برادر اس کے خلاف میدان میں اتر آیا ہوا ہے۔ اس نے مجھے راج محل طلب کیا وہ ڈان برادر کے خلاف مجھے استعمال کرنا چاہتا تھا مگر میں اب اسے کوئی موقع دینے پر آمادہ نہیں تھا وہ میرا شکار بنا اور اس کی لاش کو چٹاگانگ کے حوالے کر کے میں واپس لوٹ آیا۔ اب مجھے ڈان برادر کے پنجے سے گلوخلاصی حاصل کرنی تھی۔

PAKSOCIETY.COM

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' لائن ملتے ہی میرے کان میں ڈان کی بھاری اور مخمور مگر تحکم آمیز آواز گونجی۔

اس کا سوال بہت سیدھا سادا تھا لیکن اس کے لب و لہجے میں ایسی کوئی غیر معمولی بات تھی کہ اچانک میرا ماتھا ٹھنک گیا۔ میں نے اپنے کارنامے پر کسی فخر یا گرم جوشی کا مظاہرہ کیے بغیر' سپاٹ لہجے میں کہا ''کیا تمہیں موتی محل کی خبر مل گئی ہے؟''

''ہاں.....!'' ڈان کی آواز میں جوش و خروش کا کوئی عنصر نہیں تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''مجھے ابھی چاؤ فان نے بتایا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ سور کا بچہ تم سے میری شکایت کررہا تھا کہ میں اپنے بار میں مفت شراب بانٹ رہا ہوں!''

اس کی آواز تائید طلب تھی۔ میں نے جواب میں کہا ''وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ چاؤ فان کو یہ بات میں نے ہی بتائی تھی۔''

مجھے اپنی بات آگے بڑھانے کا موقع نہیں مل سکا کیونکہ ڈان نے اچانک غضب ناک لہجے میں بولنا شروع کردیا تھا ''اس کی یہ مجال کہ اب وہ میرے کاموں پر تنقید کرنے لگا ہے' میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا' اس کی ہڈیاں تک چکل ڈالوں گا۔ ابھی تک میں پردے کے پیچھے رہ کر خاموشی سے تمہارا کھیل دیکھ رہا تھا۔ اب میں خود میدان میں اتر کر دیکھوں گا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ تم اسی وقت میرے پاس آجاؤ۔''

میں نے چاؤ فان کو دانستہ یہ نہیں بتایا تھا کہ میں راجن اور اس کے دو ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ ڈان کو اسی نے معلومات فراہم کی تھیں جو اس بارے میں ادھوری تھیں۔ اس وقت ڈان کے بگڑے ہوئے موڈ کے پیش نظر میں نے کوئی وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ بہت چالاک آدمی تھا۔ جب تک میری اور راجن کی کشمکش جاری رہی' وہ گوشہ نشین ہوکر میری بھرپور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔ راجن کی شکست کے واضح آثار نظر آتے ہی اس نے خود میدان میں اترنے کا عندیہ دے کر یہ ثابت کردیا کہ ہر بڑے بدمعاش کی طرح وہ بھی بہت چھوٹے دل کا آدمی تھا اور آخری کامیابی کا سہرا اپنے سر سجانے کا خواہش مند تھا۔

''میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔'' میں نے اس کے عزائم پر کوئی تبصرہ کیے بغیر نہایت سعادت مندی سے جواب دیا۔

''وہ تم سے کہاں اور کیسے مل گیا؟'' اشتعال کے باوجود ڈان اپنے فطری تجسس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوسکا اور میرا جواب سن کر بے ساختہ سوال کر بیٹھا۔

''کس کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

''علی! کیا تم ہوش میں ہو؟ میں اسی جہنمی راجن کی بات کررہا تھا!'' وہ غرایا۔

''اوہ.....! وہ لمبی کہانی ہے۔ میں اس سے موتی محل میں ملا تھا۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر بے پروائی سے کہا۔

''میں وہی سننا چاہتا ہوں۔ چاؤ فان اپنی گاڑی لیے تمہارے ہوٹل کے باہر موجود ہے۔ اس کے ساتھ فوراً یہاں پہنچو!''

ڈان نے اپنی آخری ہدایت دے کر فون بند کردیا۔

''کیا کہہ رہا تھا؟'' غزالہ نے بے تابانہ لہجے میں سوال کیا۔

''پیچ و تاب کھا رہا ہے۔ راجن کی ہڈیوں کا سرمہ بنا کر اپنی آنکھوں میں لگائے گا۔'' میں نے دہنی آنکھ دبا کر تمسخر سے جواب دیا۔

''آپ کو اسے بتا دینا چاہیے تھا کہ آپ اسے مار چکے ہیں۔'' غزالہ نے سنجیدگی سے کہا ''بعد میں اسے پتا چلے گا کہ وہ مرے ہوئے دشمن کے بارے میں منصوبہ بندیاں کرتا رہا ہے تو وہ جھنجلا کر آپ پر برس پڑے گا۔''

''تم اس کی پروا نہ کرو۔ ڈان کی نکیل اب میرے ہاتھ میں ہے۔ اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ میں اسے پوری روئیداد سناتا۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''ویسے بھی ابھی میری کہانی مکمل نہیں ہے۔ اس میں کئی جھول ہیں جن پر میں غور کررہا ہوں۔ ڈان کے سامنے زبان کھولنے سے پہلے میرے پاس اس کے ہر سوال کا برجستہ جواب موجود ہونا

Downloaded from https://paksociety.com

چاہیے۔''

ہوٹل کے باہر چاؤ فان اور سیلرز بار میں ژان میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے غزالہ سے باتیں کرتے ہوئے جوتے پہنے' آئینے کے سامنے جا کر اپنا حلیہ درست کیا اور کمرے سے چل دیا۔

میں ہوٹل سے باہر نکلا تو چاؤ فان اپنی سیاہ اکارڈ کے دروازے سے ٹیک لگائے بے تابی سے سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس کی گاڑی ہر طرف سے بے داغ نظر آ رہی تھی۔ پھوم فاٹ کے تعاقب میں گاڑی کو پہنچنے والے نقصان کی مہارت سے مرمت کی گئی تھی۔

مجھے دیکھتے ہی اس نے اَدھ جلی سگریٹ سڑک پر پھینک کر جوتے سے مسل دی اور لپک کر میرے قریب آ گیا ''ماسٹر! فون کے بارے میں تم کیا کہہ رہے تھے؟'' میرے قریب آتے ہی اس نے تشویش زدہ اور سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا ''کیا ہوٹل کی آپریٹر تمہاری باتیں سننے کی کوشش کرتی ہے؟ کہو تو میں سالی کو اٹھوا کر اس کا وہ حشر کروں کہ وہ کئی ہفتوں تک اپنے قدموں پر چلنے کے قابل نہ ہو سکے۔''

''ان گھٹیا حرکتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔'' میں نے برا سا منہ بنا کر اسے گھورتے ہوئے کہا ''ہو سکے تو ٹیلی فون کے محکمے کے سربراہ کو اٹھوا لو۔ وہ مرد اور سن رسیدہ ہوگا۔ اس کے ساتھ تمہاری بدسلوکی پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

''کچھ تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے!'' اس نے میرے شانہ بشانہ گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے اصرار کیا ''بس' فون کو برا بھلا کہے جا رہے ہو!''

میں دروازہ کھول کر اس کی گاڑی کی پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس نے پھرتی سے دوسری طرف سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''ماسٹر! میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔'' میری طویل ہوتی ہوئی خاموشی سے مضطرب ہو کر اس نے مجھے ٹوکا۔

''یہ سب باتیں تمہاری سمجھ سے بالا ہیں۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا ''تم لی اور دوسری حسیناؤں کے تصور میں ڈوبے رہو۔ اس سے تمہیں خاصا افاقہ ہوتا ہے۔''

''ہائے' تم نے پھر اس کا نام لے لیا۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''ماسٹر! تم یقین کرو کہ وہ بہت انوکھی عورت ہے۔ مادام کے دیوانے بلاوجہ اسے کے در کے چکر نہیں لگاتے۔ وہ پوری جادوگر ہے.... مرد کو ایسا مسحور کرتی ہے کہ وہ آن جانی دنیاؤں میں.....''

''چاؤ فان! پلیز شٹ اپ۔'' میں نے سختی سے کہا ''مجھے اس حرافہ کے قصیدوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ یہ کہانیاں ژان کو سنا دینا۔''

''وہ پہلے ہی اسے لمبی گھوڑی کا نام دے چکا ہے۔ میں لمبا نہیں ہوں لیکن وہ جادوگرنی ایک چھوٹے گھوڑے پر بھی مہربان ہو چکی ہے۔ وہ تمہاری مداح ہے۔ پتا نہیں تم اس کے نام سے کیوں چڑنے لگے ہو۔ میں جب اس سے ملتا ہوں' وہ زیادہ دیر تک تمہاری باتیں کرتی رہتی ہے۔ اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی قریبی تعلق قائم ہو چکا ہے جس پر اسے ناز ہے..... ارے! یہ کیا؟ تم تو سو رہے ہو!''

مجھ پر نظر ڈالتے ہی وہ بری طرح چونکا تھا۔ میں اس کا کہا ہوا ایک ایک لفظ سن رہا تھا مگر اسے اس کی گفتگو کی فضولیت کا احساس دلانے کے لیے میں نے دانستہ اپنی آنکھیں موند لی تھیں۔ میں نے اس کے تخاطب کا بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

''ماسٹر! مجھے پریشان مت کرو۔'' کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس کی خوشامدانہ آواز ابھری ''اب میں مادام کی کوئی بات نہیں کروں گا۔ مجھے فون کے بارے میں کچھ بتا دو۔''

''میں تھک گیا ہوں۔'' میں نے اپنی آنکھیں کھولے بغیر آلکس سے کہا ''جب ژان سے ملاقات ہوگی تو سب کچھ سن لینا۔''

چاؤ فان بسیار گو اور منہ پھٹ ضرور تھا لیکن اپنے دل کی گہرائی سے میرا احترام کیا کرتا تھا۔ میری غنودگی کا احساس کرتے ہی اس نے سختی سے خاموشی اختیار کر کے اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی۔

میری غنودگی اداکاری کے سوا کچھ بھی نہیں تھی۔ اس وقت میری ساری حسیں پوری طرح بیدار تھیں اور میں اپنے ذہن میں نئی کہانی کے تانے بانے بننے میں لگا ہوا تھا۔ میں نے راجن سے جاری جنگ میں فتح حاصل کر لی تھی لیکن وہ قصہ وہاں ختم نہیں ہوا تھا۔ جب تک میں اپنی اصلیت کا راز چھپا کر ژان کو مطمئن نہ کرتا' میرا بکاک سے نکلنا محال تھا۔

ماضی میں ژان میری ہر کامیابی پر پورے جوش و خروش سے مجھے مبارک باد دیتا رہا تھا۔ وہ ہر بار میری تعریفوں کے پل باندھ دیا کرتا لیکن موتی محل میں آتش زنی کی واردات کے بعد اس نے فون پر انتہائی سرد بلکہ منفی رویہ اختیار کر کے مجھے بدترین ذہنی پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ اس کی خشک اور مختصر گفتگو سے کچھ ایسا ظاہر ہوا جیسے میری طرف سے اس کے ذہن میں شکوک و شبہات جنم لے چکے ہوں۔ انہیں دور کرنے

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے یہ ضروری تھا کہ میرے پاس ڈان کے ہر کاٹ دار سوال کا ایسا مثبت جواب موجود ہو جو اسے مطمئن کر سکے۔

اس وقت تک میں نے ڈان یا چاؤ فان کو یہ نہیں بتایا تھا کہ موتی محل میں آگ لگائے جانے سے پہلے راجن اور اس کے دو ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے۔ وہ میرے لیے ترپ کا پتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر کسی وجہ سے ڈان میرے جوابات سے مطمئن نہ ہو پاتا تو راجن کی موت کی خبر سن کر وہ یقیناً سب کچھ فراموش کر دیتا۔

موتی محل پر اپنے آدمیوں کے کامیاب حملے کی خوشی میں ہر ایرے غیرے کو شراب پلانے والے شخص کے لیے اپنے سب سے بڑے حریف کی موت کی خبر بہت اہم ہونی چاہیے تھی۔

اس آخری واقعے سے پہلے ڈان میری وفاداری، دلیری اور کارکردگی سے بہت متاثر تھا۔ اس خوشی میں اس نے ایک مرحلے پر ہمارے پاسپورٹ بھی لوٹانے چاہے لیکن میں نے اپنے چند خدشوں کی بنا پر وہ سفری دستاویزات اسی کی تحویل میں رہنے دیں۔ وہ فیصلہ میں نے اپنی مرضی سے کیا مگر میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میں ڈان کی مرضی کے بغیر اس سے اپنے پاسپورٹ حاصل نہیں کر سکوں گا۔

چاؤ فان کے ساتھ کافی وقت گزار کر مجھے بہ خوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کس قماش کے لوگ تھے۔ دوستی میں انہوں نے مجھے اپنے سر پر بٹھایا ہوا تھا تو دشمنی میں وہ میرے خلاف ہر گھٹیا اور ناقابلِ تصور ہتھکنڈا استعمال کر سکتے تھے۔

راستے میں ٹریفک کے اشاروں کے مطابق گاڑی رکتی اور چلتی رہی۔ جب آخری بار گاڑی رکنے کے بعد انجن بند ہوا تو میں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

''اوہ..... ! ماسٹر ذرا دیکھو کہ پینے والوں نے یہاں کیا حال کیا ہے!'' انجن بند کرتے ہی چاؤ فان نے تحیر زدہ لہجے میں کہا ''معلوم ہوتا ہے کہ ذخیرہ ختم ہو جانے پر آج سیلرز بار وقت سے پہلے بند کر دیا گیا۔''

میں اس کے کہنے سے پہلے دیکھ رہا تھا کہ سیلرز بار کے سامنے کافی دور تک شراب کی بھانت بھانت کی خالی بوتلیں، بیئر کے خالی ڈبے اور ٹوٹے ہوئے گلاس وغیرہ بکھرے ہوئے تھے۔ سیلرز بار کے دروازے اور تمام روشنیاں بند تھیں۔ بار کے باہر پھیلی ہوئی ابتری سے اندازہ ہو رہا تھا کہ بار بند ہونے سے پہلے وہاں جمع ہونے والے مفت خور شرابیوں نے دل کھول کر ہڑبونگ اور لوٹ مار مچائی تھی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس شام بار میں کچھ بھی باقی نہ رہا ہو۔

شراب کے ساتھ سیلرز بار کی نفیس اور بیش قیمت کراکری بھی باہر لا کر چکنا چور کر دی گئی تھی۔

اس علاقے میں ڈان کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس کی موجودگی میں نشے میں دھت شرابی بھی اونچی آواز میں ہنسنے بولنے سے پرہیز کرتے تھے۔ مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ سیلرز بار سے شراب کی مفت تقسیم کے اعلان کے ساتھ ڈان کا سارا رعب و دبدبہ عارضی طور پر رخصت ہو گیا۔ وہ آنے والوں پر سختی کرتا تو شاید وہاں ایسی تباہی نہ پھیلتی۔ وہ اپنی فتح کے نشے میں سرشار تھا۔ اسی سرمستی کے عالم میں اس نے غیر معمولی ڈھیل سے کام لیا اور وہاں آنے والوں کو اپنے دل کی ساری بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

''شاید آج سیلرز بار کو باقاعدہ لوٹ کر تاراج کیا گیا ہے۔'' میں نے ونڈ شیلڈ سے سامنے نظر آنے والے مناظر کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ''اب ایسا سناٹا ہے جیسے بدمست بلوائی ہر ایک کو اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے ہوں۔ حیرت ہے کہ ڈان نے پولیس طلب نہیں کی!''

''شش..... !'' چاؤ فان نے بے ساختہ دہانے سے آواز نکالی ''ماسٹر! آواز نیچی رکھو۔ پولیس سے مدد لینا ڈان کے لیے گالی سے کم نہ ہوتا اور اس علاقے میں کوئی پولیس والا ڈان کی اجازت کے بغیر نہیں پھٹک سکتا۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی ''میں نے تمہاری کہی ہوئی بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ چھوٹا راجن نے تم سے ٹھیک ہی کہا تھا۔ آج ڈان نے پورا بار لٹا دیا ہے۔''

''مفت مل رہی ہو تو لوگ نالیوں میں سے بھی پینے لگتے ہیں۔'' میں نے استہزائی انداز میں کہا ''آج اس علاقے کے لوگوں کے لیے کرسمس ہو گیا۔ مجھے تعجب ہے کہ یہاں دور تک کوئی بہکا ہوا شرابی نظر نہیں آ رہا۔''

''یہ اس علاقے میں ڈان کا نافذ کیا ہوا ڈسپلن ہے۔'' اس نے گاڑی سے اترتے ہوئے جواب دیا ''شراب پی کر سرِ عام غل غپاڑا مچانے والوں کو وہ بہت کڑی اور انوکھی سزائیں دیتا ہے۔ مفت کی پینے والے بدمست ہونے سے پہلے اپنی بیویوں یا محبوباؤں کی طرف نکل لیے ہوں گے۔ ان کی یہاں گنجائش نہیں تھی۔''

''کچھ لوگ ان دونوں نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''انہیں جہنم میں ڈالو۔'' اس نے اپنی ترنگ میں ہنس کر

Downloaded from https://paksociety.com

کہا ''محبوبہ نعمت ہوتی ہے' بیوی کسی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ اکثر شادی شدہ لوگ اپنی بیویوں اور ان کی بد دماغیوں کو بھلانے کے لیے شراب پیتے ہیں۔ جن کی بیوی نہ ہو ان کو شراب نوشی کی کیا ضرورت ہے؟''

اس نے میرے ساتھ چلتے ہوئے فاتحانہ نظروں سے میری طرف دیکھا جیسے اس نے مجھے مہدی کا بہترین لطیفہ سنایا ہو۔

''بکاک کے ہر مرد کو اپنے جیسا بدنصیب مت سمجھو۔'' میں نے قدرے درشتی سے کہا ''آج کل میں بھی یہیں رہ رہا ہوں' شادی شدہ ہوں اور اپنی بیوی کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھلانا چاہتا۔ میرے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟''

''ماسٹر! تم ہر بات اپنے اوپر لے جاتے ہو'' وہ کراہنے والے انداز میں بولا ''تم عام آدمی نہیں ہو یا شاید آدمی سے بڑی کوئی شے ہو۔ میں تو اپنے جیسے عام اور مظلوم آدمیوں کی بات کر رہا تھا جن کی بیویاں ان کے لیے ڈراؤنا خواب بنی رہتی ہیں۔''

میں نے مزید اس کے منہ لگنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کرلی۔

ہم دونوں عقبی گلی طے کر کے سیلرز بار کے پچھلے سیاہ دروازے پر پہنچے۔ ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھولا گیا تو اس کے عقب میں مجھے ایک شناسا سا نسوانی چہرہ نظر آیا۔ لڑکی نے ہمیں پہچان کر اندر آنے کے لیے راہ دیتے ہوئے چوبی زینوں کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے زینوں کی طرف جاتے ہوئے تنگ سی راہداری کے دوسرے سرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت رات کے نو بھی نہیں بجے تھے لیکن بار میں گہرے اندھیرے کا راج تھا۔ شاید اس کی صفائی ستھرائی اور تزئین نو کا کام اگلے دن پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

چاؤ فان میرے پیچھے تھا۔ اس نے لڑکی کے قریب سے گزرتے ہوئے استفہامیہ لہجے میں' اپنی زبان میں کچھ کہا۔ لڑکی کی آواز میرے کانوں تک نہیں آئی۔ شاید اس نے چاؤ فان کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی بیویوں سے بیزار رہتے ہیں لیکن ہر پرائی عورت پر بری نظر ڈالنا اپنا حق سمجھتے ہیں اور اس ذیل میں بلاضرورت بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں۔ کوئی من پسند جواب مل جائے تو نہال ہو جاتے ہیں۔ فریق ثانی کے تیور خراب ہو جائیں تو سبکی کے کسی احساس کے بغیر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

میں اس سے یہ توقع نہیں کرسکتا تھا کہ وہ ڈان کی کسی ملازمہ سے کوئی بے ہودہ بات کہے گا۔ وہ بات برائے بات کا قائل تھا۔ اس میں کسی مقصد یا دوری کا ہونا ضروری نہیں تھا۔ شاید اس کی تسکین کے لیے یہی کافی تھا کہ اس کی بات خاموشی سے سن لی گئی تھی۔

دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی میری طبیعت پر عجیب سا خلجان طاری ہونے لگا۔ اس عمارت میں ڈان کی موجودگی میں ہمیشہ خاموشی چھائی رہتی تھی مگر اس وقت مجھے وہ خاموشی کچھ بہت محسوس ہو رہی تھی۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ میں موتی محل جیسی محفوظ اور ناقابل شکست عمارت میں آگ لگا کر آیا تھا اور ڈان نے میری پیشوائی کے لیے زینوں کے اوپر سرے تک آنا گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے موڈ کی خرابی کا واضح اظہار تھا۔

میں محتاط انداز میں سیڑھیاں طے کرتا ہوا سیلرز بار کی اوپری منزل پر پہنچا تو ڈان اپنے روایتی گاؤن کے بجائے ٹی شرٹ اور چست جینز میں ملبوس اپنی مسہری پر دراز نظر آیا۔

''چلے آؤ! میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے اپنی جگہ سے جنبش کیے بغیر اونچی آواز اور سپاٹ لہجے میں ہانک لگائی۔

اس کی مسہری کے قریب جا کر میں نے اپنے روایتی انداز میں سر کو ہلکا سا خم دے کر اسے تعظیم دی۔ چاؤ فان جو اس لمحے تک میرے پیچھے چلا آ رہا تھا' اس مرحلے پر لپک کر مجھ سے ایک قدم آگے نکلا اور ڈان کے سامنے رکوع سے بھی زیادہ جھکتا چلا گیا۔ میرا دل چاہا کہ اس کی پشت پر اتنے زور سے گھٹنا رسید کروں کہ وہ اچھل کر ڈان پر جا گرے لیکن وہ ایسی کسی بے تکلفی کے اظہار کا موقع نہیں تھا۔

''دونوں بیٹھ جاؤ!'' ڈان نے لیٹے لیٹے فرمان جاری کیا۔

میں نے اطمینان سے نشست سنبھال لی۔ چاؤ فان صوفے کے کنارے پر یوں ٹک گیا جیسے کسی بھی لمحے وہاں سے بھاگ نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

''تو وہ بھارتی کتا تم سے شکایت کر رہا تھا کہ میں نے اس کے موتی محل پر حملہ کرانے کی خوشی میں مفت شراب بانٹنا شروع کر دی ہے!'' ڈان غرایا۔

''وہ چھوٹے دل کا آدمی تھا' ایسی ہی بات سوچ سکتا تھا'' میں نے رسانیت سے کہا۔

''چاؤ اور اسے بتا دو کہ میں اس کے خون کا پیاسا ضرور ہوں لیکن وہ میرے لیے اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کی کسی رسوائی

Downloaded from https://paksociety.com

کی خوشی میں، میں اپنا کاروبار تباہ کرلوں۔ میری فیاضی کا سبب کچھ اور تھا۔ آج میں بہت خوش تھا لیکن چاؤفان کی رپورٹ نے میری طبیعت بے مزہ کردی۔ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ آج سیلرز بار میں شراب کی ایک بوند نہیں ہے۔ تہ خانے میں پڑے ہوئے لکڑی کے پیرل تک مفت لٹائے جاچکے ہیں۔''

''میں تمہاری فیاضی کا حال دیکھ چکا ہوں۔ بار کا خاصا سامان باہر بکھرا ہوا ہے۔ آج تم نے ہر آنے والے کو کھلی چھوٹ دی ہوئی تھی۔''

''جانتے ہو کہ اس کا سبب کیا تھا؟'' ڈان اچانک اپنے بستر پر سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔ اس کی چمکتی ہوئی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

''اپنے راز تم ہی جانتے ہو..... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔

''چھوٹا راجن ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اس کی غلط فہمی دور ہونا چاہیے۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا ''یہ بات میں صرف تم دونوں کو بتا رہا ہوں کہ آج وہ عورت ایک ٹرک کے نیچے کچل کر مرگئی جس نے بنکاک کے بھرے بازار میں میری بے عزتی کی تھی۔ وہ عورت تھی اس لیے میں اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکا لیکن میرے دل سے نکلی ہوئی بددعائیں اس کا پیچھا کررہی تھیں۔ میں نے اس کی موت کی خوشی میں سیلرز بار کے دروازے ہر ایک کے لیے کھولے تھے۔ اب میں سر اٹھا کر چل سکتا ہوں۔ یہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ میں نے اپنی خوشی کے لیے شراب بانٹی۔ اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ تم سن رہے ہو نا!''

ڈان بولتے بولتے خاصا جذباتی ہوگیا۔ میں نے جلدی سے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔ اس کی زبان سے شراب کی مفت تقسیم کا سبب سن کر مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

سنی سنائی کہانیوں کے مطابق ڈان نے ایک کم سن لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس شوخ لڑکی نے کسی بات پر برہم ہوکر ڈان کو بازار میں اپنی جوتی سے مارا اور پھر اسے چھوڑ کر چلی گئی۔ ڈان نے شرم سے گوشہ نشینی اختیار کرکے بدمعاشوں کی دنیا میں اپنی بادشاہی چھوڑ دی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ڈان اتنا کینہ پرور تھا۔ وہ کم وبیش دو برسوں سے اپنی روح کے اس زخم کو پال رہا تھا۔ طاقت اور وسائل ہونے کے باوجود اس نے اپنی بھگوڑی بیوی کا پیچھا کیا نہ اسے مروانے کی کوئی کوشش کی۔ اندر ہی اندر وہ انتظار کی دھیمی آنچ میں سلگتا رہا۔ جب اسے اس عورت کی موت کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی خوشی کے اظہار کے لیے ایک نرالا ڈھنگ اختیار کرلیا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اسی صبح اس کے آدمیوں نے موتی محل پر کامیاب حملہ کیا تھا۔ ڈان کے لب کشا ہونے سے پہلے میں خود بھی اس سنگین غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ ڈان نے راجن کی ہوا خیزی کی خوشی میں شراب کی مفت تقسیم شروع کی تھی۔

ڈان کہہ رہا تھا کہ اس نے اصل سبب صرف ہم دونوں کو بتایا تھا جب کہ اس کے پالے ہوئے چار مسٹنڈے ہر وقت سیلرز بار کے اس فلور پر موجود رہتے تھے۔ میں نے کن انکھیوں سے اس گوشے کی طرف دیکھا جہاں عام طور پر ان کی چوکڑی جمی رہتی تھی۔ اس وقت وہ بستر خالی پڑے ہوئے تھے۔

ڈان پرلے درجے کا کائیاں شخص تھا۔ میری نگاہوں کی جنبش اس کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اس نے تیز آواز میں کہا ''اِدھر اُدھر مت دیکھو۔ آج ان چاروں کو بھی دل کھول کر پینے کی آزادی تھی۔ وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہاں آتے۔ پی کر کہیں دفعان ہوگئے۔ اس وقت اس فلور پر ہم تینوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ میں نے یہ بات کسی چوتھی زبان سے سنی تو تم دونوں کی خیر نہیں ہوگی۔ میں خود بھی کسی کو بتانا چاہ رہا تھا کہ آج میں کتنا خوش ہوں اور میں نے اپنا پورا بار کیوں لٹایا ہے۔ میرے منہ لگنے والوں کی تقدیر بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اپنی سرکش عورت کو میں نے کوئی سزا نہیں دی مگر تقدیر اسے بہت بے رحمی سے نگل گئی۔''

''یہ بات میرے سینے میں دفن رہے گی۔'' میں نے اسے یقین دلاتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''یہ ایک اتفاق تھا کہ تم نے آج اپنی ذاتی خوشی کے لیے اپنے بار پر مفت شراب تقسیم کی اور اسی کی وجہ سے راجن جہنم کی آغوش میں پہنچ گیا۔''

ڈان نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس انکشاف پر وہ بھونچکا رہ گیا۔ چاؤفان میرے برابر میں بیٹھا ہوا تھا مگر میں اپنی آنکھ کے گوشے سے دیکھ رہا تھا کہ اس کی کیفیت بھی ڈان سے مختلف نہیں تھی۔

''وہ..... وہ کیسے مرگیا؟'' ڈان نے بے ساختہ سوال کیا۔

''تمہارے اس خادم کی ایک گولی نے اس کا سر اڑا دیا۔'' میں نے اکسار سے جواب دیا ''اس کے دو ساتھیوں کا بھی یہی انجام ہوا ہے۔''

''تم نے اب تک یہ بات نہیں بتائی تھی۔ اب اچانک یہ ذکر لے بیٹھے ہو شراب کی تقسیم سے ان کی موت کا کیا تعلق نکل آیا؟'' ڈان کے لہجے سے بے یقینی مترشح تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''میں کیسے بتاتا۔'' میں نے عاجزی سے کہا۔ ''فون پر تم نے مختصر بات کی ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔ یہاں آتے ہی تم نے اپنی بات شروع کر دی۔ اب موقع ملا تو میں نے پہلی فرصت میں تمہیں یہ خبر سنا دی۔''

''علی! مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کا لہجہ تادیبی ہو گیا۔ ''مجھ سے پہلے تم نے چاؤ فان سے بات کی تھی۔ موتی محل میں آگ لگنے کی خبر مجھے اسی نے دی۔ تم نے اسے راجن کی موت کے بارے میں کچھ بتایا ہوتا تو وہ مجھ سے اس بڑی خبر کا ذکر بھی کرتا۔ تم اب تک یہ بات اپنے دل میں کیوں لیے بیٹھے رہے؟''

''چاؤ فان نے موتی محل کی آگ دیکھ کر مجھے فون کیا تھا۔'' میں نے بہت احتیاط سے الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''فون پر میں اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا کیونکہ بنکاک کے فون کے نظام پر سے میرا اعتبار اٹھ چکا تھا۔ فون پر کوئی اور یہ سن لیتا کہ میں نے موتی محل میں راجن اور اس کے دو وفاداروں کو مارا ہے تو میرا یہ اقبالِ جرم مجھے کسی بدترین انجام سے دوچار کر سکتا تھا.....''

''بات تمہاری اور چاؤ فان کی ہو رہی تھی۔ کوئی اور تمہاری باتیں کیسے سن سکتا تھا؟'' ڈان نے میری بات پوری ہونے سے پہلے بے اعتباری سے پوچھا۔

''یہاں کا نظام ناکارہ ہو گیا ہے۔ فون پر لائنیں مل جاتی ہیں۔ ہمارے درمیان اچانک کوئی تیسرا بھی آ سکتا تھا۔'' میں نے وضاحت کی۔ اس بار بھی ڈان نے مجھے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں دیا اور میرا فقرہ مکمل ہوتے ہی بول پڑا۔

''یہ بے کار باتیں ہیں۔ میرے ساتھ آج تک ایسا نہیں ہوا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''مجھے یہ ماننے میں عار نہیں کہ جب سے تم میرے ساتھ ملے ہو، تمہاری کامیابیاں بے مثال رہی ہیں۔ تم جو ارادہ کر لیتے ہو وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ تم نے چھوٹا راجن کو پے در پے گہرے گھاؤ لگائے ہیں اور اب تم اس کی موت کی خبر سنا رہے ہو۔ میں تمہاری ان کامیابیوں پر غور کرتا رہا ہوں۔ تمہیں اندر کی ایسی خبریں مل جاتی ہیں جن کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگتی۔ تم نے یکایک کہا کہ چھوٹا راجن کا اہم مہمان لوپ بوری میں ہے اور وہ واقعی وہاں چھپا ہوا تھا۔ تم کو خبر ملی کہ چھوٹا راجن اپنی وہائٹ ہاک کا حشر دیکھنے کے لیے سمندر کی طرف گیا ہے اور وہ ان ہی اطراف میں تھا۔ تم ان خبروں کے حاصل ہونے کے بارے میں جواز دیتے رہے ہو مگر یہ سب مجھے ناقابلِ یقین نظر آتا ہے۔ ایک اکیلا آدمی اتنی بڑی بڑی کامیابیاں کیسے سمیٹ سکتا ہے۔ نتائج میرے سامنے نہ ہوتے تو میں تمہاری ان باتوں پر ہرگز اعتبار نہ کرتا۔ تمہاری پے در پے کامیابیاں اس بات کی دلیل ہیں کہ تم کو بروقت صحیح خبریں ملتی رہیں۔ تم نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور میدان مارتے رہے۔ میرے ذرائع اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہاں تمہارا کوئی متوازی گروہ نہیں ہے۔ تم اپنی بیوی کے ساتھ آئے ہو۔ کسی اکیلے آدمی کی یہ کارکردگی میرے لیے حیرت کے ساتھ پریشانی کا سبب بنتی جا رہی ہے..... تم خاموش کیوں ہو..... بولتے کیوں نہیں؟'' اس کی آواز میں شبہات اور اضطراب کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

''تم قطع کلامی کر لیتے ہو۔ میں تمہاری بات کاٹ کر بیچ میں نہیں بول سکتا۔'' میں نے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے گمبھیر سنجیدگی سے کہا۔ ''تمہارے ذہن میں آنے والے سوال فطری ہیں لیکن تم نے اپنے ذرائع سے ملنے والی معلومات کا حوالہ دے کر ان سوالوں کے جواب خود دے دیے ہیں۔ اس کے بعد میرے کچھ کہنے سننے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے باوجود اگر تم کو میری ذات پر کسی قسم کا شبہ ہے تو چاؤ فان کو حکم دو کہ یہ اپنے پستول کی گولی میرے دل میں اتار دے۔ میں کسی احتجاج کے بغیر خوشی سے یہ موت قبول کر لوں گا۔''

''بکواس مت کرو!'' وہ بے تابانہ انداز میں اپنا داہنا ہاتھ فضا میں لہرا کر غرایا اور اپنی سلامتی کے بارے میں میری ٹوٹتی ہوئی آس دوبارہ بندھ گئی۔ اس بار ڈان کی غراہٹ میں مجھے وہی پرانی مربیانہ اپنایت محسوس ہوئی تھی جو ہمیشہ میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی۔

''بات کو حد سے آگے لے جانے کی کوشش مت کرو۔'' ڈان کی تادیب جاری رہی۔ ''میں نے تمہیں مرنے مارنے کے لیے نہیں بلایا۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ۔ ہر بات سچ سچ بتا دو۔ تم ایسے فائدے میں رہو گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں ہو گا۔''

چھوٹا راجن کی موت کا واقعہ پسِ پشت چلا گیا۔ میری سوچی سمجھی کہانی دھری کی دھری رہ گئی۔ ڈان کا سارا زور میری ذات پر آ گیا تھا۔

''میں نے تمہارے سامنے ہمیشہ سچ بولا ہے۔ تم کو میری کسی بات پر شبہ ہے تو اس کی نشاندہی کرو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں مطمئن کر سکوں۔'' ڈان کی بزرگانہ فہمائش سے میرے وجود میں مچلتی ہوئی بے چینی کی لہر کو بڑی حد تک قرار آ گیا تھا۔

ڈان اپنے بائیں ہاتھ کی چٹکی سے اپنے کان کی لو مسلنے

Downloaded from https://paksociety.com

لگا۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی کشمکش چل رہی ہے۔ چند ثانیوں کے بعد اس نے بوجھل اور ٹھہری ہوئی آواز میں پوچھا۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ڈان نے غیر متوقع طور پر ایک خطرناک اور براہِ راست سوال کر ڈالا تھا۔ میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے حیرت سے کہا۔ ''عجیب سوال پوچھا ہے تم نے..... میرا نام علی احمد ہے۔''

''یہ تم پہلے بھی بتا چکے ہو۔'' ڈان نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ ''میں تم سے تمہارا اصلی نام پوچھ رہا ہوں۔''

''علی احمد میرا اصلی نام ہی ہے۔ تم جو چاہو کہہ سکتے ہو'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔ میری پوری کوشش تھی کہ میں تحمل اور نرم خوئی سے کام لیتے ہوئے ڈان سے کسی ممکنہ تصادم کا خطرہ ٹال سکوں۔

ڈان اضطراری انداز میں مسہری سے اتر کر فرشی قالین پر کھڑا ہو گیا اور داہنے ہاتھ کا مکا اپنی بائیں ہتھیلی پر مارتے ہوئے بولا۔ ''چھوٹا راجن سے میری اور تمہاری لڑائی چل رہی تھی۔ دور دور تک کسی تیسرے فریق کا نام و نشان نہیں تھا پھر وہ بار بار ڈینی کا نام کیوں لے رہا تھا؟''

''اس کا جواب وہی دے سکتا تھا۔'' میں نے بے بسی سے کہا۔ ''اپنی بدقسمتی سے اب وہ دوسرے جہاں میں پہنچ چکا ہے۔''

ڈان نے جھٹکوں دار چھوٹے چھوٹے قدموں سے قالین پر ننگے پاؤں ٹہلنا شروع کر دیا اور خود کلامی کے انداز میں بولنے لگا۔ ''چھوٹا راجن پاگل نہیں تھا۔ وہ کسی وجہ سے ڈینی سے خوفزدہ تھا۔ میں نے اس کی طرف سے یہ نام پہلی بار سنا تو میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے اپنے ذرائع سے اچھی طرح چھان بین کی۔ تمہاری طرح وہ بھی پاکستانی ہے مگر چھلاوا بنا ہوا ہے۔ اس کا نام سب جانتے ہیں۔ اس کی ذات سے بہت سے بڑے واقعات منسوب ہیں۔ امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ وہ نت نئے طریقوں سے اپنے دشمنوں کو مارتا ہے لیکن کسی نے اس کو نہیں دیکھا نہ کہیں اس کی کوئی صاف تصویر دستیاب ہے۔'' وہ ٹہلتے ٹہلتے رک کر اچانک میری طرف گھوما اور پُرجوش لہجہ اختیار کرتے ہوئے بولا۔ ''تمہاری کامیابیوں میں مجھے ڈینی کی جھلک نظر آتی ہے۔ تم تنہا وہ سب کرتے پھر رہے ہو جو میرے آدمی آج تک مل کر نہیں کر سکے۔ تمہارے سامنے آنے والے پُراسرار انداز میں مارے جاتے ہیں۔ کسی کو سانپ ڈس لیتا ہے۔ کسی کی لاش آگ میں جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ اب تم نئی کہانی لے کر آئے ہو کہ چھوٹا راجن تم سے ملا۔ اس نے تمہیں اپنا ہم درد سمجھ کر تم سے میری شکایت کی پھر تم نے اسے مار دیا۔ موتی محل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس کی لاش بھی جل کر بھسم ہو جائے گی' اس کی موت کے اسباب کا کوئی سراغ باقی نہیں رہے گا۔ یہ سب کیا ہے۔ کیا یہ کسی عام آدمی کے بس کے روگ ہیں؟''

میں خاموشی سے اس کی طویل تقریر سنتا رہا۔ ڈان اپنے مسائل اور معاملات کی طرف سے اتنا بے پروا نہیں تھا جتنا خود کو ظاہر کرتا تھا۔ یہ راز مجھ پر پہلی بار منکشف ہوا کہ وہ میرے اصلی روپ یعنی ڈینی کے بارے میں بالا ہی بالا معلومات حاصل کرتا رہا تھا۔ اس کے کہے ہوئے الفاظ نے مجھے اندر سے بری طرح ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے اپنی لمبی تقریر سوالیہ انداز میں ختم کی تھی۔ میں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ ''ڈان! یہ میری بدقسمتی ہے کہ میری کارکردگی تمہارے لیے پریشانی کا سبب بن رہی ہے۔ میں ایک عام آدمی ہوں اور تمہارے سامنے ہوں۔ چاؤ فان اس بات کی گواہی دے گا کہ میں موتی محل کی طرف جانے سے پہلے اکیلا اس کے ساتھ تھا۔ میں یہ مانتا ہوں کہ میں نے موتی محل میں مارے جانے والوں کی تینوں لاشوں کو آگ لگا دی مگر اس میں میری کسی سازش کا دخل نہیں تھا۔ میں نے انتقام کے جوش میں وہاں آگ لگائی تھی۔ رہی ساحل پر گاڑی میں جلنے والی لاشوں کی بات تو اس میں میرے ارادے کا کوئی دخل نہیں رہا۔ راجن کی طرف سے آنے والی کوئی گولی پیٹرول کی ٹنکی میں لگی اور وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ہمارے پاس لاشوں کو چھپانے کے لیے راجن کی کار سے بہتر کوئی جگہ نہیں تھی۔ چاؤ فان اس واقعے میں شروع سے آخر تک میرے ساتھ شامل تھا۔''

''بار بار چاؤ فان کا حوالہ نہ دو۔'' اس نے ہلکی سی ترشی سے کہا۔ ''میں نے اس سے پل پل کی رپورٹ لی تھی۔ جب گاڑی میں آگ لگی تو تم وہاں اکیلے تھے۔ چاؤ فان کو تم نے جیپ میں سڑک کی طرف بھیج دیا تھا تاکہ میدان صاف رہے اور چھوٹا راجن بے خبری میں آگے بڑھتا چلا آئے۔ اس بارے میں چاؤ فان وہی کہے گا جو تم نے اسے بتایا تھا۔''

میں سانس روکے ڈان کی بات سنتا رہا۔ چاؤ فان نے اسے بہت کچھ بتا دیا تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس نے دونوں آدمیوں کی پُراسرار موت کا راز فاش نہیں کیا تھا۔ ان میں

Downloaded from https://paksociety.com

سے ایک زہریلی انگوٹھی کا اور دوسرا بیم گن کا نشانہ بنا تھا۔ میں نے چاؤ فان کو کچھ ایسا چکر دیا تھا کہ اس نے ایک کے قتل کی ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔ چاؤ فان اس بارے میں زبان کھولتا تو وہ دروغ گوئی کے الزام میں ڈان کے عتاب کا نشانہ بن سکتا تھا۔

''ڈان! یہ اعتبار کی بات ہے۔'' میں نے دبے دبے لہجے میں احتجاج کیا۔ ''اگر تم سمجھ رہے ہو کہ میں نے چاؤ فان سے کوئی غلط بیانی کی تھی تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

''تم پھر بات بڑھا رہے ہو۔'' ڈان چیخ کر بولا۔ ''اس وقت مسئلہ اعتبار کا نہیں' چاؤ فان کی گواہی کا تھا۔ اسے سرے سے کچھ پتا نہیں تھا تو وہ تمہاری ہاں میں ہاں ملانے کے سوا کیا کر سکتا ہے۔''

''اگر تمہیں مجھ پر اعتبار ہے تو تمہارے ذہن میں میری طرف سے شکوک و شبہات کیوں پل رہے ہیں۔'' طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد مجھے ڈان کی دکھتی رگ دبانے کا موقع مل گیا۔ میں نے کہا۔ ''تم مان کیوں نہیں لیتے کہ میں علی احمد ہوں۔''

''مجھے اپنی کامیابیوں کا گُر بتاؤ۔'' ڈان پیر لٹکا کر اپنی مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ آ چکی تھی۔

''سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔ میں کیا بتا سکتا ہوں؟'' میں نے اپنی بے بسی ظاہر کی۔ ''ذہانت اور قسمت ڈینی کی میراث نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس سے زیادہ تیز دطرار ہوں گے۔ ان میں سے ایک میں بھی ہو سکتا ہوں اور ہاں' میں تمہیں ایک اور بات بھی بتا دوں۔ میں کوئی تیس مار خان نہیں ہوں مگر اخبارات وغیرہ پڑھتا رہتا ہوں۔ ڈینی پر امریکیوں نے لاکھوں ڈالر کے انعام مقرر کیے ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں کئی افسروں سے میری بات ہوئی اور ان سب کا خیال ہے کہ ڈینی نام کے کسی آدمی کا سرے سے وجود نہیں ہے۔ وہ سی آئی اے اور ایف بی آئی کا تراشا ہوا ایک افسانوی کردار ہے۔ بھارتیوں نے بھی اس نام کو بہت ہوا دی ہے۔ وہ لوگ اپنی ہر بڑی ناکامی اور بربادی کی ذمے داری ڈینی پر ڈال کر اپنی جان بچاتے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ لوگ جو اپنے خلائی کیمروں سے صحرا میں گری ہوئی سوئی کی واضح تصویر لے لیتے ہیں' ان کے پاس ڈینی کا کوئی سراغ نہ ہو۔ وہ کوئی حقیقی وجود ہوتا تو اس کی تصویر یا فنگر پرنٹس بھی ہوتے۔ فرضی نام کے بارے میں کچھ نہیں مل سکتا۔''

''تمہیں بہکایا گیا ہے۔'' ڈان میری بات سن کر بولا۔

دل کی بھڑاس نکال لینے کے بعد اس کی بے چینی کو قرار سا آتا جا رہا تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ نارزن کی طرح کا کوئی فرضی کردار نہیں ہے۔ اس کی موجودگی کی علامتیں اور سراغ ملتے رہے ہیں لیکن وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ آج تک کسی کی گرفت میں نہیں آیا۔ کسی نے اسے دیکھ لیا تو ڈینی نے اسے زندہ نہیں چھوڑا۔ یہ بحث بے سود ہے۔ آج میں جتنا غور کر رہا تھا' مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ تم ہی ڈینی ہو اور نام بدل کر مجھے دھوکا دے رہے ہو مگر اب میں نے دیکھ لیا کہ تم میں کئی بڑی کمزوریاں ہیں۔ ڈینی مکار اور دبنگ آدمی ہے۔ تم چالاک ضرور ہو' مکار نہیں ہو۔ مجھ سے ڈرتے ہو اس لیے دبتے چلے جا رہے ہو۔ تمہاری رگوں میں ڈینی جیسا خون ہوتا تو تم مدافعانہ دلیلیں دینے کے بجائے اب تک تن کر میرے مدِمقابل کھڑے ہو چکے ہوتے۔''

اس نے خاموش ہو کر اپنے سینے سے طویل اور گہرا سانس خارج کیا۔

''میں اپنے دل کی گہرائیوں سے تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے مجھ پر شبہ کیا اور خود ہی اسے دور بھی کر لیا۔'' میں نے پورے خلوص سے کہا۔ یہ میری قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ ڈان مجھے میرے خون کا حوالہ دے کر میری تضحیک کر رہا تھا اور میں اس کی غلط فہمی دور کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ وہ زیرک ہونے کے باوجود ہمیشہ کی طرح میری باتوں کے جال میں پھنس کر میری گلوخلاصی کر چکا تھا۔ وہ اپنے موقف پر اڑا رہتا تو بات سنگین رخ اختیار کر جاتی۔

''تمہاری طرف سے میرے دل میں ایک پھانس تھی جو نکل گئی۔ اب بتاؤ کہ چھوٹا راجن یکا یک تمہارا رفیق کیسے ہو گیا۔'' ڈان اپنے پیر اوپر سمیٹ کر مسہری کے سرہانے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت وہ اپنے ہر قول و فعل سے مطمئن نظر آنے لگا تھا۔

''یہ بڑی حیرت ناک کہانی ہے جو میں نے ابھی تک چاؤ فان کو بھی نہیں سنائی۔ اس کی بنیاد ثم نے ڈالی۔ اگر تم سیلرز بار میں مفت شراب نہ بانٹتے تو راجن آج بھی ہمارے سینوں پر مونگ دل رہا ہوتا۔'' مجھے پہلی ملاقات میں اندازہ ہو گیا تھا کہ ڈان انا پرست شخص ہے۔ ایسے افراد بہ ظاہر صاف گوئی کے سرپرست بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ دل و جان سے خوشامد پسند ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی کہانی کی تمہید میں ڈان کی تعریف کر کے اس کے شوق کو بھڑکا دیا۔

''میری مفت کی شراب سے چھوٹا راجن کو کیا تکلیف ہوئی؟'' اس نے استہزائی لہجے میں پوچھا۔ چند لمحوں میں وہ

Downloaded from https://paksociety.com

اپنے لب و لہجے سے ایک بدلا ہوا آدمی محسوس ہو رہا تھا۔

''تم اپنی دغا باز عورت کی عبرت ناک موت کی خوشی میں شراب بانٹ رہے تھے۔'' میں نے بیوی کے بجائے ژان کے مرغوب الفاظ استعمال کرتے ہوئے اپنی بات شروع کی۔

''یہ ایک اتفاق تھا کہ صبح تمہارے آدمیوں نے موتی محل پر بموں اور رائفلوں سے حملہ کیا تھا۔ راجن کی شراب کی مفت تقسیم کی خبر ملی تو اس نے اندازہ لگایا کہ وہ حملہ تمہاری طرف سے ہوا تھا اور تم اس کامیابی کی خوشی میں مفت شراب بانٹ رہے تھے۔ اس کی کھوپڑی سنک گئی اور وہیں سے اس کی تباہی کا آغاز ہوگیا۔''

''بولتے رہو!'' میرے توقف پر ژان نے بے تابی سے مجھے ٹوکا۔ ''خاموشی سے مجھے الجھن ہوتی ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارا اس سے کیسے رابطہ ہوا۔''

''میں اسی طرف آ رہا ہوں۔'' میں نے دل ہی دل میں ژان کے اضطراب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ ''اس نے اسی وقت تم سے انتقام لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اب دوسرا اتفاق رونما ہوا۔ میں نے صبح کے واقعے پر راجن کا ردعمل جاننے کے لیے ہوٹل کی لابی میں لگے ہوئے پبلک بوتھ سے موتی محل فون کیا تو مجھے راجن کی آواز سنائی دی۔ میرا ارادہ تھا کہ میں باہر کے کسی اخبار کا رپورٹر بن کر اس سے بات کرتا۔ اس کی آواز سنتے ہی میں نے اپنا سانس روک لیا اور پوری توجہ سے اس کی بات سننے لگا۔ وہ کسی کرنل گیری کو اپنی بپتا سنا رہا تھا۔ اسے غصہ تھا کہ تم نے باہر سے آئے ہوئے اس کے پانچ نامی گرامی مہمانوں کی موجودگی میں موتی محل پر حملہ کرایا اور اس کا سارا منصوبہ درہم برہم ہوگیا۔ تم اس کامیابی کی خوشی میں اپنے بار پر ہر کس و ناکس کو مفت شراب پلا رہے تھے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس بھیڑ بھاڑ میں تمہارے بار میں بم کا دھماکا کردیا جائے۔ بار کی تباہی اور بہت سے شرابیوں کی ہلاکت سے تمہاری زبردست بدنامی ہوگی۔ اسے توقع تھی کہ شاید وہ دھماکا تمہارے لیے بھی جان لیوا ثابت ہو اور سارا قصہ ہی ختم ہوجائے.....''

''کرنل گیری یہ سب سن رہا تھا۔'' ژان نے میری بات کاٹ کر حیرت اور غصے سے کہا۔

''نہ صرف سن رہا تھا بلکہ اسے نادر مشورے بھی دے رہا تھا۔'' میں نے ژان کو اکسایا۔

''یہ حرام کے جنے امریکی کسی کے نہیں ہوتے۔'' ژان باقاعدہ طیش میں آگیا۔ ''برے وقت پر اپنے باپ کو بھی دغا دے جاتے ہیں۔ گیری پچھلے چھ برسوں سے یہاں جما بیٹھا ہے۔ میرے گوشہ نشین ہونے سے پہلے وہ مجھ سے یاری کا دم بھرتا تھا' اب چھوٹا راجن کا مشیر بنا ہوا تھا۔ مجھے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ تم نے فون پر ان دونوں کی کیا کیا باتیں سنیں۔''

ژان پر میرا داؤ چل گیا۔ میں ایک تیر سے یہ یک وقت دو شکار کر رہا تھا۔ ایک طرف مفروضہ کراس ٹاک کی آڑ لے کر اپنی پوزیشن صاف کر رہا تھا اور دوسری طرف اسے امریکی سفارت خانے کے سازشی انفارمیشن افسر کے خلاف بھڑکانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

''راجن تمہارے بارے میں فوری طور پر بم کا دھماکا کرانے پر اڑا ہوا تھا۔'' ژان کے مطالبے پر میں نے دوبارہ بولنا شروع کردیا۔ ''اس کام کے لیے اسے کوئی نیا آدمی درکار تھا۔ کرنل گیری کا کہنا تھا کہ راجن یہ معمولی سا کام اپنے کسی آدمی سے لے سکتا تھا۔ وہ ایک چھوٹے بیگ میں کوئی طاقتور ریموٹ کنٹرول بم تمہارے بار میں چھوڑ کر لوٹ آتا تو بھیڑ بھاڑ میں کسی کو اس کارروائی کا علم نہیں ہونے پاتا۔ اپنے آدمی کی یہ حفاظت واپسی کے بعد راجن جب چاہتا' ایک بٹن دبا کر تمہارے بار کی پوری عمارت کو ملبے کے ڈھیر میں بدل دیتا۔ گیری بم فراہم کرنے پر آمادہ تھا مگر راجن کا کہنا تھا کہ اس کا آدمی سیکرٹ زبار میں پہچان لیا گیا تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔ وہ مار ڈالا جائے گا' منصوبہ ناکام ہوگا اور تم پوری طاقت سے دوبارہ موتی محل پر چڑھائی کردو گے۔''

''ہوں!'' ژان اپنا سر ہلاتے ہوئے غرایا۔ ''یہ خوفناک سازش ہو رہی تھی میرے خلاف۔ چھوٹا راجن میرے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ اب میں گیری خنزیر کو بھی دیکھ لوں گا۔ پھر تم نے کیا کیا؟''

''ژان! اس وقت میں کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔'' میں نے کہا۔ ''بس اپنا دم سادھے ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرتا رہا۔ راجن اسے اپنی مشکلات بتا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اس کی زندگی کی سب سے منحوس شام ہے۔ اس کے سارے آدمی اس کو پیٹھ دکھا گئے ہیں۔ بہت سے غدار موتی محل میں لوٹ مار کر کے بھاگ گئے۔ کچھ بزدل گھروں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حد یہ ہے کہ آج اس کے سارے کاروباری ٹھکانوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔ موتی محل میں صرف چار جانثار اس کے ساتھ رہ گئے ہیں جن میں سے دو کو اس نے ڈبلکیٹ چابیاں دے کر کلبوں اور جوئے خانوں کے تالے کھول کر تجوریوں سے پچھلی رات کی کمائی سمیٹنے کے لیے بھیجا ہوا تھا۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد راجن کی کمپرسی پر کرنل گیری کا دل پسیج گیا اور اس نے اپنا

Downloaded from https://paksociety.com

ایک آدمی موتی محل کی طرف روانہ کرنے کا وعدہ کرلیا۔ پھر فون بند ہوگیا۔''

اچانک چاؤفان نے پھنسی پھنسی اور بے ہنگم آواز میں کھانسنا شروع کردیا۔

''تجھ پر کیا آفت آ گئی؟'' ڈان نے برہمی سے اسے پکارا۔ روانی میں وہ انگریزی ہی بول رہا تھا۔ ''تیرے معدے میں کوئی طوفان اٹھ رہا ہے تو جاکر گلی میں قے کر دے۔ یہاں کا ماحول پراگندہ کیا تو میں تیرا سر توڑ دوں گا۔''

''ڈان! ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ گھگیایا۔ ''تمہاری اجازت سے میں اس مرحلے پر کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ ماسٹر نے ایک عجیب بات کہہ دی ہے۔''

''بول! میں سن رہا ہوں۔'' ڈان نے ترشی سے کہا۔

''میں نے صبح سے اپنے آدمی چھوٹا راجن کے کاروباری ٹھکانوں کی نگرانی پر لگا دیے تھے.....'' چاؤفان نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے درمیان میں دخل انداز ہوکر اسے خاموش ہونے پر مجبور کردیا۔

''تاکہ رات کے اندھیرے میں وہ ان ٹھکانوں کو لوٹ سکیں۔'' ڈان نے طنزیہ انداز میں گویا چاؤفان کی بات مکمل کی۔

''ہاں!'' چاؤفان نے خوشامدانہ انداز میں اپنا سر ہلا کر کہا۔ ''تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ غلام ایسے مواقع پر نہیں چوکتا۔ بے بی کلب سے چھوٹا راجن کو سب سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے۔ اب سے تین گھنٹے پہلے دو آدمی وہاں پہنچے۔ شاید وہ وہی تھے جن کا ذکر ماسٹر نے فون پر سنا تھا۔ وہ تالے کھول ہی رہے تھے کہ میرے آدمیوں نے ان دونوں کو بے خبری میں چھاپ لیا۔ وہ ان دونوں کو اچھی طرح جانتے تھے۔ تالے کھول کر وہ انہیں اندر لے گئے اور مارنا شروع کردیا۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے وہی باتیں اگل دیں جو ابھی ماسٹر نے بتائی ہیں۔ میرے آدمیوں نے ان سے تالوں اور تجوریوں کی سب چابیاں چھین کر انہیں مار ڈالا۔ لاشیں وہیں چھوڑ کر انہوں نے بے بی کلب کی تجوری صاف کی پھر ایک گھنٹے میں ایک ایک کر کے چھوٹا راجن کے سارے کاروباری ٹھکانوں سے لمبی رقمیں سمیٹ لائے۔''

''چاؤفان! تو بہت کمینہ ہے۔ ابھی علی ان دونوں کا قصہ نہ سنا تا تو تو ساری رقم خود پی جاتا۔'' ڈان کے لہجے سے چاؤفان کے لیے شفقت پھوٹی پڑ رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔ ''تیرے سب آدمی چور ہیں۔ انہوں نے بیچ میں گھپلا ضرور کیا ہوگا۔ تجھے کتنی رقم لاکر دی گئی؟''

''پچیس لاکھ سے اوپر ہاتھ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ جوئے خانوں سے سونے کے زیور، قیمتی گھڑیاں اور دوسری چیزیں بھی ملی ہیں۔'' چاؤفان نے حریصانہ انداز میں بتایا۔

''گڈ!'' وہ تفصیل سن کر ڈان خوش ہوگیا۔ ''آج مقدر میری یاری کر رہا ہے۔ دو برس کے صبر اور انتظار کے بعد آج زمین کو میری بے وفا عورت کے بوجھ سے چھٹکارا مل گیا۔ میں نے نیک نیتی سے شراب لنڈھائی تو اس کی قیمت سے کئی گنا زیادہ رقم تیرے ہاتھ آ گئی۔ چھوٹا راجن ایک مدت سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا تھا۔ تیرا ماسٹر اس کی موت کی خبر لے کر آیا ہے۔ موتی محل چھوٹا راجن کا قلعہ تھا۔ وہ صبح ہونے تک راکھ اور ملبے کا ڈھیر بن چکا ہوگا۔''

میں خاموشی سے ان دونوں کی باتیں سنتا رہا۔ چاؤفان کسی گیدڑ سے زیادہ مکار ثابت ہو رہا تھا۔ چھوٹا راجن کی زندگی میں وہ اس کے سائے سے بھی دور بھاگتا رہا۔ اس پر برا وقت آتے ہی وہ اس کے اثاثوں پر قبضہ جمانے کی گھات میں لگ گیا۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ میرے ہاتھوں سے بچ جانے والے راجن کے دونوں ساتھی چاؤفان کے پھیلائے ہوئے گیدڑوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ شہر میں راجن کا ایک بھی نام لیوا باقی نہیں رہا تھا۔ وہ غلط راستوں پر چلنے والوں کے عروج و زوال کی ایک لرزہ خیز اور چشم کشا مثال تھی۔ اس سے پہلے سوبھراج بھی اسی طرح شہرت و ثروت کی بلندیوں سے اپنا کیا ذلت و گمنامی کی موت مر چکا تھا۔ وہ ایک دوسرے کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ اپنے سیاہ کرتوتوں کی بنا پر دونوں ایک جیسے انجام سے دوچار ہوئے تھے۔ ان کی بے اندازہ دولت ان کے کسی کام آ سکی نہ ان کا بے پناہ اثر رسوخ انہیں بھیانک انجام سے بچا سکا!

''اچھا ہوا کہ سب قصے آج ہی صاف ہوگئے۔'' میں نے ان دونوں کی گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے ڈان سے کہا۔ ''تمہارے لیے آج کا دن مبارک ہے مگر میں اس دن کی سیاہی کو شاید زندگی بھر بھلا نے میں کامیاب نہ ہوسکوں۔''

''کیوں.....؟ تمہارے ساتھ کیا ہوا..... تم چھوٹا راجن کو مار کر بھی اتنے ناخوش کیوں ہو؟'' ڈان نے چونک کر تعجب آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ناخوشی میری ساری خوشیاں پی گئی۔'' میں نے اداس لہجے میں کہا۔ ''آج تم نے مجھ پر شبہ کیا ہے۔ مجھ کو ڈینی سمجھ کر تم نے میری روح کو زخمی کردیا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

ڈان کسی چیتے کی طرح اچھل کر مسہری سے نیچے آیا اور اضطراری انداز میں مجھ سے لگ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''تم اتنی سی بات اپنے دل پر لے بیٹھے۔ میں کھرا اور صاف گو آدمی ہوں۔ جو دل میں آتا ہے' کہہ ڈالتا ہوں۔ تم نے میرا شک دور کر دیا اور میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا۔ میرا دل آئینہ ہے آئینہ۔ تم کو افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ چاؤ فان کو دیکھو۔ میں غصے میں اسے گالیاں بھی دے لیتا ہوں اور یہ سر جھکا کر سن لیتا ہے۔ کبھی میری تلخ کلامی کا برا نہیں مناتا۔''

میرا دل چاہا کہ ڈان کو بتاؤں کہ ہر آدمی چاؤ فان کی طرح ڈھیٹ اور بے شرم نہیں ہو سکتا۔ میرا ضمیر اس سے بہت مختلف تھا مگر اس تلخ نوائی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ ''میں کوشش کروں گا کہ اس صدمے کو فراموش کر دوں۔''

''دل گرفتہ ہونے کے بجائے مرد بنو۔'' ڈان میرے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''تم نے اپنی مردانگی سے میرا دل جیتا ہے۔ اب ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو دماغ میں جگہ مت دو۔ یہ بتاؤ کہ گیری اور چھوٹا راجن کی باتیں ختم ہونے کے بعد تم موتی محل میں کیسے پہنچے؟''

''اصل کمال بنکاک کے فون سسٹم کی خرابی کا تھا۔ مجھے ان دونوں کی کمزوریوں اور پلان کا علم ہو چکا تھا.....'' میں نے کہنا شروع کیا لیکن ڈان نے پھر میری بات کاٹ دی۔

''ایک منٹ رکو!'' وہ یہ کہتا ہوا صوفے سے اٹھ کر دوبارہ اپنی مسہری پر چلا گیا۔ ''تم بار بار یہاں کے فون سسٹم کی خرابی کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ سسٹم کی نہیں' موتی محل کے اندر کی خرابی تھی۔ تم نے بتایا کہ تم نے پبلک بوتھ سے موتی محل کا کوئی نمبر ملایا تھا اور لائن چھوٹا راجن سے مل گئی۔ یہ شاید اس لیے ہوا کہ صبح کے حملے سے وہاں کے فون کی لائنیں ٹوٹ پھوٹ کر ایک دوسرے سے مل گئی ہوں گی۔ سسٹم میں نقص ہوتا تو تمہاری لائن کہیں بھی مل سکتی تھی' چھوٹا راجن کے فون سے نہ ملتی۔ یہاں برسوں سے امریکا کا فوجی اڈا قائم ہے۔ مواصلاتی نظام ان کی نگرانی میں اَز سرِ نو بنا ہے۔ اس کی ایسی خامیاں ان کی راز داری کو تباہ کر دیتیں۔ یہ مان لو کہ یہاں کا سسٹم بے عیب ہے۔''

''مجھے پورے بنکاک یا موتی محل کی بحث سے غرض نہیں۔'' میں نے نرمی سے کہا۔ ''میں اصل واقعات بتا رہا ہوں۔ وہی کچھ دہرا رہا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آیا تھا۔''

میں نے سوچ سمجھ کر ڈان کے لیے جو کہانی تیار کی تھی وہ حیرت ناک طور پر مربوط اور مضبوط ثابت ہو رہی تھی۔ میں نے راجن سے ہونے والی کم و بیش ساری باتیں فون کی خرابی کے بہانے سنا دی تھیں۔ وہ دونوں قدم قدم پر اس کہانی کے نکات کی تائید کر رہے تھے۔ ڈان فون کی لائنوں میں گڑبڑ کا سہرا اپنے حملہ آور جتھے کے سر پر سجا رہا تھا۔ چاؤ فان نے اپنی زبردست لوٹ مار کے ساتھ ان دو آدمیوں کی ہلاکت کی تصدیق کی تھی جنہیں راجن نے مال سمیٹنے کے لیے بھیجا تھا۔

''ان کی باتیں ختم ہوتے ہی میں نے تیزی سے عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔'' میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ''میں کرنل گیری کے آدمی سے پہلے اس کے روپ میں موتی محل میں گھسنا چاہتا تھا۔''

''اوہ!'' ڈان کے منہ سے بے ساختہ تحیر زدہ آواز برآمد ہوئی۔ ''تم نے بہت خطرناک مگر دلیرانہ فیصلہ کیا۔ یوں موت کے منہ میں چھلانگ لگا دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ تمہاری موجودگی میں اصل آدمی بھی وہاں پہنچ جاتا تو موتی محل تمہارا مدفن بن سکتا تھا۔''

''خطرات سے کھیلے بغیر کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ میرا اور تمہارا دشمن تھا۔ میرا رواں رواں اس سے انتقام لینے کے لیے بے چین تھا۔ میں اوپر گیا اور کمرے سے کپڑے بدل کر عجلت میں نیچے آیا تو اچانک یہ چاؤ فان وہاں پہنچ گیا۔'' میں نے اس چوبیشن کو یاد کرتے ہوئے کپڑے بدل کر نیچے آنے کا ذکر شامل کر دیا۔ مجھے شبہ تھا کہ اس مرحلے پر اس نے مجھے لفٹ سے نمودار ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیا ہو۔

''مجھے وہاں دیکھ کر ماسٹر کے دماغ کو گرمی چڑھ گئی۔'' چاؤ فان نے کہا۔ ''یہ جلد از جلد مجھ سے جان چھڑا کر کسی کام پر نکلنے کے لیے بے چین تھا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے دھکے دے کر مجھے وہاں سے رخصت کیا تھا۔ مجھے ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ ماسٹر کا ارادہ موتی محل میں گھسنے کا ہے تو میں ہر قیمت پر اس کے ساتھ اس مہم میں شریک رہتا۔'' اس نے ڈان کی نظریں بچا کر مجھے آنکھ ماری اور خاموش ہو گیا۔

''بک بک مت کرا!'' ڈان نے اسے فہمائش کی۔ ''مجھے معلوم ہے کہ تو کتنا سورما ہے۔ اتنا بے جگر ہوتا تو چھوٹا راجن کو اتنا اونچا اڑنے کی مہلت نہ ملتی۔'' چاؤ فان کو لگام دے کر وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔ ''میرے بدن میں تجسس سے اینٹھن ہو رہی ہے۔ تم اپنی بات جاری رکھو۔''

''میں اسے دیکھ کر واقعی جھلا گیا۔'' میں چاؤ فان کے یکا یک بولنے اور آنکھ مارنے کا مقصد بھانپ گیا تھا۔ وہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میں کہیں ڈان کے سامنے یہ نہ کہہ دوں کہ چاؤ

Downloaded from http://paksociety.com

فان اس وقت لی کو فتح کر کے تیغ پر بھنے ہوئے چوہے کھانے کے بعد میرے پاس آیا تھا۔ میں نے اس کی نجی مصروفیات سے پہلوتہی کرتے ہوئے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔ ''یہ چمٹ رہا تھا اور میں اسے بھگانا چاہ رہا تھا۔ اس کے اصرار کے باوجود میں نے اسے نہیں بتایا کہ میرا کیا پروگرام تھا۔ اسے رخصت کر کے میں موتی محل کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں نے کرنل گیری کا حوالہ دیا اور دربان نے مجھے اندر بلالیا۔ شاید راجن اسے گیری کے آدمی کی آمد کے بارے میں ہدایت دے چکا تھا۔ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ اس وقت پورے موتی محل میں کل تین نفوس تھے۔ راجن جیسے مزاج کا آدمی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ ایک اس کے ساتھ ہوگا۔ تیسرا دربان تھا جو میرے ارادوں سے بےخبر اور غافل تھا۔ وہ اٹرکام پر اندر خبر دینے کے لیے مڑا اور میں نے پیچھے سے اسے دبوچ کر اس کے پستول پر قبضہ کرلیا۔ ذرا سی جدوجہد کے بعد میں نے اسی پستول سے اس کا کام تمام کردیا۔ اس سے آگے کا کام بہت مشکل اور روح فرسا ثابت ہوا۔ محرابوں راہداریوں اور کمروں میں بھٹکنے کے بعد مجھے ایک بند دروازے کے پیچھے سے راجن کی آواز سنائی دی۔ میں وہیں رک گیا۔ وہ جوزی نام کے کسی آدمی سے باتیں کررہا تھا۔ میرے دماغ پر خون سوار ہونے لگا۔ ذرا سی سن گن لینے کے بعد میں نے لات مار کر دروازہ کھولا اور اندر گھس گیا۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ وہ دو تھے' میں اکیلا۔ میں نے کوئی خطرہ مول لیے بغیر جوزی کی پیشانی میں گولی اتاری پھر راجن کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا۔ وہ سسکا سسکا کر مارے جانے کے قابل تھا۔ اس کی اتنی آسان موت پر میرے دل کی بھڑاس نہیں نکل سکی۔ میں نے ان دونوں کی لاشوں پر سامان کا ڈھیر لگانا شروع کردیا۔ اس دوران میں مجھے دربان کی لاش یاد آئی۔ میں اسے کندھے پر لاد کر اسی کمرے میں لے آیا۔ ان تینوں لاشوں کی چتا کو آگ لگا کر میں تماشا دیکھتا رہا۔ جب کمرے میں بھرنے والے دھویں کی وجہ سے میرے لیے سانس لینا دشوار ہونے لگا تو میں وہاں سے نکل آیا۔ تینوں لاشوں کو سامان کے ساتھ آگ لگا کر میرا دل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ میں موتی محل کی فصیل سے باہر نکلا تو اس وقت تک گیری کا اصل آدمی وہاں نہیں پہنچا تھا۔ میں اطمینان سے لوٹ آیا۔ میرا دل ہلکا ہو چکا ہے۔ میں نے بکاک میں اپنے دشمن سے انتقام لے لیا۔ میرا مقصد پورا ہو چکا۔ اب میں تمہاری اجازت سے یہاں سے لوٹنا چاہوں گا۔''

''شاندار..... بہت شاندار!'' ڈان جذباتی لہجے میں بولا۔ ''مردوں کے فیصلے اور کام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم نے ایک مدت سے جاری آویزش کو ذرا سی دیر میں تن تنہا ختم کردیا۔ تم ہیروں میں تولے جانے کے قابل ہو۔ ابھی تک تم دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔ مجھے احساس ہے کہ اس دوران میں تمہیں عیاشیوں کے اس گڑھ میں سکھ چین کا ایک پل بھی نصیب نہیں ہوا۔ تم مشین کی طرح دن رات کام میں لگے رہے۔ ابھی جانے کا نام نہ لو' کچھ دن یہاں آرام کرو اور دیکھو کہ بکاک کا ڈان کس طرح تمہاری مہمان داری کرتا ہے۔''

میری نگاہیں ڈان کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ وہاں جوش اور بے پایاں مسرت کے سوا کچھ نہیں تھا لیکن اس کے آخری فقرے میرے دل میں کھٹکنے لگے۔ مجھے محسوس ہوا کہ ان جذباتی لمحات میں وہ اوّل درجے کی مکاری سے کام لے کر مجھے واپسی سے روک رہا تھا۔ آرام اور مہمان داری اس کے بہانے تھے۔ ذرا سی دیر پہلے وہ میرا اور ڈینی کا موازنہ کرتے ہوئے مکاری کی افادیت پر روشنی ڈال چکا تھا۔ میرے اندازے کے مطابق وہ اس وقت اسی ہنر سے کام لے رہا تھا۔

''میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم میرے لیے اتنی اپنائیت سے سوچ رہے ہو۔ تم نے میرا ساتھ نہ دیا ہوتا تو میرے لیے راجن سے انتقام لینا مشکل ہوجاتا۔ یہ کام پورا کرلینے کے بعد میں اب جلد از جلد اپنے ملک لوٹ جانا چاہتا ہوں تاکہ اپنے کنبے اور برادری کے لوگوں کو فخر سے بتا سکوں کہ میں نے آخرکار اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔''

ڈان سے ملک لوٹنے کی بات کرتے ہوئے میرے ذہن میں غیر ارادی طور پر جلال کی باتیں ابھر آئیں۔ میرے دل میں ایک ٹیس سی اٹھ کر رہ گئی۔ میں نے ڈان سے اپنی واپسی کا ذکر کرلیا مگر میں جانتا تھا کہ کرنل گیری کے ہم وطنوں نے پاکستان میں میرے خلاف بھرپور محاذ تیار کیا ہوا تھا۔ اس وقت میں کسی بھی حالت میں پاکستان واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

ڈان کی طلبی پر سیلرز بار کی طرف آنے تک میرے ذہن پر سب سے بڑی یہ الجھن سوار تھی کہ میں ڈان کو اپنی راجن تک مفاہمانہ رسائی کے بارے میں کیسے مطمئن کرسکوں گا۔ وہ کیسے مان لے گا کہ خطرات میں گھرے ہوئے ایک عیار دشمن نے ایک اجنبی کو بلا کسی روک ٹوک اپنے گھر میں بلالیا۔ ڈان کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔ راجن کے ساتھ میں ڈینی اور اکبر کا دہرا کردار ادا کررہا تھا۔ وہ شہر میں کسی علی احمد کے وجود

Downloaded from https://paksociety.com

سے بے خبر تھا۔ ڈینی کے روپ میں راجن کا حریف تھا۔ اکبر کی حیثیت سے وہ مجھے اپنے ہاتھوں کا ایک بزدل کھلونا تصور کررہا تھا۔ سب کچھ بری طرح الجھا ہوا تھا۔ یہ میرے حال پر قدرت کی بہت بڑی عنایت تھی کہ میں ہر محاذ پر اپنے طے شدہ کرداروں کا دفاع کرنے میں پوری طرح کامیاب رہا تھا۔

ڈان ایک جہاں دیدہ آدمی تھا۔ اس نے میرے بشرے سے شاید میرے دل کی تحریر پڑھ لی اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''ساری غلط فہمیاں دور ہوگئیں۔ دلوں سے کدورتیں دھل گئیں۔ اب تمہیں کسی فکر یا تشویش میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ساتھ میرے تعلقات میں کئی نشیب و فراز آئے ہیں۔ مجھے تم سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ نہیں تھیں۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم کام ادھورا چھوڑ کر یہاں سے بھاگنے کی تیاری کررہے ہو۔ میں نے پاسپورٹ ضبط کرکے تمہیں یہاں باندھ لیا۔ پھر تمہارے کام کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔ تم نے خود کو منوالیا۔ میں نے نادم ہوکر تمہارے پاسپورٹ لوٹانا چاہے مگر تم نے لینے سے انکار کردیا۔ تمہاری وہ امانت اب بھی میرے پاس محفوظ ہے' تم جب چاہو واپس لے سکتے ہو۔ تم چھوٹا راجن کو جہنم واصل کرکے میرے سر کا تاج بن گئے ہو۔ تم کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے مگر اب تم کو میرا دوست اور مہمان بن کر کچھ دن یہاں ضرور رہنا ہوگا۔ ڈان اپنے دشمنوں کے لیے آسمانی قہر ہے مگر دوستوں کے لیے سر سے پیر تک تواضع' انکسار اور رواداری کا پیکر ہے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے طعنے دیں کہ میں نے علی جیسے جی دار آدمی سے اپنا کام نکال کر آنکھیں پھیر لیں۔''

ڈان کم گو تھا لیکن جب بولتا تھا تو زورِ کلام میں انتہا کو پہنچ جاتا تھا۔ اس سے بحث کرنا بے سود تھا۔ وہ جو کچھ تجویز کررہا تھا اسے مان لینے میں میری عافیت مضمر تھی۔ میں نے خوشی کا اظہار ضروری سمجھتے ہوئے کہا۔ ''میں اس عزت افزائی پر تمہارا ممنون ہوں۔ مناسب سمجھو تو پاسپورٹ مجھے دے دو۔ میں رخصت میں جائزہ لے لوں کہ وہ کب تک اور کہاں کہاں کے سفر کے لیے کارآمد ہیں۔ میں پاکستان سے یہ سوچ کر نکلا تھا کہ مجھے راجن کو پکڑنے کے لیے نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننا ہوگی۔ یہ قصہ یہیں نمٹ گیا۔''

''یہ لو!'' ڈان نے بلاتوقف بستر پر نیم دراز ہوکر اپنا ہاتھ تکیے کی طرف بڑھایا اور اس کے نیچے سے ہمارے دونوں پاسپورٹ نکال کر سیدھا ہوگیا۔ میں حیران تھا کہ اس نے شروع سے ہمارے پاسپورٹ بے پروائی سے ایک ہی جگہ رکھے ہوئے تھے۔

''میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ تم دونوں نے اتنے زیادہ ملکوں کے ویزے کیوں لیے ہوئے ہیں۔'' اس نے پاسپورٹ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا پھر اچانک اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ڈان اپنی حرکات وسکنات سے ڈراما پیدا کرنے میں ماہر تھا۔ اس کی نئی حرکت سے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کون سا نکتہ نکالنے والا تھا۔

''تمہیں ان چکروں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔'' ڈان بے پروایانہ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''آج چاؤ فان نے بہت لمبا ہاتھ مارا ہے۔ اب یہ عیاشی اور حرام خوری کرتا رہے گا۔ یہ سب چیزیں یہی دیکھ لے گا۔ اپنے ٹکٹ بھی اسے دے دینا۔ چند روز بعد جب چاہو گے' یہ بکنگ کرادے گا۔''

مسکرانے کی کوشش میں چاؤ فان کا دہانہ کسی مینڈک کے منہ کی طرح پھیل گیا۔ وہ اپنی مضحکہ خیز حرکتوں سے ڈان کی چاپلوسی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔

''اسے اس کی دنیا میں مگن رہنے دو۔ میرے یہ ذاتی کام بہت احتیاط اور توجہ چاہتے ہیں۔ انہیں میں خود سرانجام دوں گا۔ چاؤ فان ہمارے پاسپورٹ لمبی گھوڑی کی ناند میں ڈال کر بھول گیا تو میں پریشان ہوجاؤں گا۔''

میری زبان سے لمبی گھوڑی کے الفاظ ادا ہوتے ہی چاؤ فان کا چہرہ دھواں ہوگیا اور وہ بوکھلا کر فریادی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

ڈان نے پاسپورٹ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔ ''یہ اس آوارہ عورت پر اپنا وقت برباد کررہا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ اس لمبی گھوڑی کا ایک گدھے سے میل نہیں ہوسکتا۔''

ڈان کے توہین آمیز تبصرے پر چاؤ فان کے بشرے پر لمحہ بھر کے لیے زلزلے کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے کانپ کر رہ گئے مگر وہ اپنی دلی خواہش کے باوجود مادام لی کے بارے میں اپنی فاتحانہ کارگزاری کا اظہار نہ کرسکا۔

پاسپورٹ واپس ملتے ہی میری جان میں جان آئی۔ میں نے ڈان کی کسی نئی ذہنی اختراع سے پہلے وہ اپنی جیب میں رکھ لیے۔

''اب میرے لیے کیا حکم ہے؟'' میں نے چند ثانیوں کے توقف کے بعد پوچھا۔

''جاؤ اور عیش کرو!'' ڈان مسہری سے اتر کر کھڑا ہوگیا۔ ''دشمن کی تباہی کے جشن کے بارے میں' میں خود تمہیں اطلاع

Downloaded from https://paksociety.com

دوں گا۔''

اس نے بڑھ کر گرم جوشی سے مجھے اپنے سینے سے لگایا' دو تین بار مجھے زور سے بھینچا اور الگ ہوگیا۔ چاؤ فان کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

میں وہاں پہنچا تو ڈان نے سرد مہری کی فضا میں ملاقات کی تھی۔ واپسی پر وہ ہمیں رخصت کرنے کے لیے نیچے تک آیا اور میں اسے الوداعی تعظیم دے کر وہاں سے رخصت ہوگیا۔

''ماسٹر! تم نے ڈان کے سامنے مادام کا حوالہ دے کر میری جان نکال دی تھی۔'' ڈان کی قیام گاہ سے کچھ دور نکل آنے کے بعد چاؤ فان نے شکایتی لہجے میں کہا۔

''خدا کا شکر ادا کرو کہ میں نے اسے یہ نہیں بتایا کہ ہوٹل میں میری راہ کا روڑا بننے سے پہلے تم کہاں مصروف تھے۔'' میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''یہ میں مانتا ہوں۔'' اس نے بلاتردد کہا۔ ''رفتہ رفتہ تمہیں بھی اندازہ ہوگیا ہے کہ بعض باتوں کا ڈان سے پوشیدہ رکھنا کتنا ضروری ہے۔ اس سے ہماری وفاداری پر کوئی حرف نہیں آتا۔ ایک دوسرے سے دل کھول کر بات کرنے میں کوئی خطرہ نہیں رہتا۔''

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا' قدرے ٹھنک کر اپنے لیے سگریٹ سلگالی۔

گاڑی میں واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے مجھے نئی فکر لاحق ہوچکی تھی۔ مجھے یہ جان کر دھچکا لگا تھا کہ ڈان کے ذہن میں میری طرف سے شبہات موجود رہے تھے اور وہ خفیہ طور پر ان کی چھان پھٹک میں مصروف رہا تھا۔ کڑوی کسیلی باتوں کے بعد اس نے مجھے ہر شک و شبہے سے بالاتر قرار دے دیا تھا مگر میں مطمئن نہیں ہوسکا تھا۔

راجن کا فتنہ ختم ہوجانے کے بعد ڈان کو میدان میں اترنے کا کھلا موقع مل چکا تھا۔ اسے پس پردہ رہ کر اپنا کام چلانے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ راجن کے خلاف اس کی طاقت کا بے رحمانہ مظاہرہ منظر پر آنے کے بعد بنکاک میں کسی میں اتنا دم خم نہیں رہا تھا کہ وہ ڈان کے خلاف سر اٹھاتا۔ زیرزمین دنیا کے ہر قابل ذکر فرد کو اس کی اطاعت قبول کرنی پڑتی۔ افرادی وسائل میں ہونے والے اس اچانک اضافے کے نتیجے میں ڈان کے ہاتھ بہت لمبے ہوجاتے۔ وہ چاہتا تو زیادہ تسلسل اور باریکی سے میری نگرانی کا بندوبست کرسکتا تھا۔

پاکستان سے جلال کا پیغام میرے لیے حوصلہ شکن تھا۔ بنکاک میں ڈان کے بھڑک جانے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنا اصل نام استعمال کرنے سے قاصر ہوچکا تھا۔ یہ حالات کی کرم فرمائی تھی کہ میں نے جلال کی ہدایات سے تجاوز کرتے ہوئے موتی محل میں اپنے اصل نام سے راجن کا سامنا کیا اور اسے جوزی سمیت بیم گن کی دھار پر اڑا دیا۔ مجھے شہرت کی ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا کافی تھا کہ میرے چنگل میں آنے والے حریف کو پوری طرح یہ علم تھا کہ وہ کس کے ہاتھوں اپنے آخری سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔

میں نے اپنی دلی آرزو کے مطابق راجن کو مار لیا تھا۔ اس واردات کے سلسلے میں میرا اصلی نام سامنے آنے کی امید تھی نہ بیم گن کے استعمال کا کوئی سراغ ملنے کا امکان باقی رہا تھا مگر میری چھٹی حس مستقبل کے بارے میں مجھے بدگمان کر رہی تھی۔ میری ذرا سی لغزش یا بے احتیاطی ڈان کے ساتھ میرے تصادم پر منتج ہوسکتی تھی۔

ہم وہاں سے روانہ ہوئے تو کچھ دور تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ روایت کے مطابق چاؤ فان نے ہی سکوت کا سلسلہ توڑا اور بولا ''ماسٹر! آج میں نے جان لیا کہ تمہارا دماغ جتنا گرم ہے، خون اسی قدر ٹھنڈا ہے۔''

''اگر تمہیں سردی لگ رہی ہے تو گاڑی کا ایرکنڈیشنڈ ذرا دھیما کرلو۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

''میری بات مذاق میں مت ٹالو۔'' اس کی سنجیدگی برقرار رہی ''تم ذرا سی دیر میں موتی محل میں تین آدمی مار آئے اور ڈان سے اتنے اطمینان سے باتیں کر رہے تھے جیسے تم نے آدمی نہیں مچھر مارے ہوں۔ ایسا سکون عام آدمی کے بس میں نہیں ہوسکتا۔ انسان کا خون بہانا بڑے دل جگر کی بات ہے۔ ایک قتل کا بوجھ سہنے کے لیے بھی فولادی اعصاب کی ضرورت ہوتی ہے، تم نے ایک ساتھ تین مار ڈالے۔ پھر بھی تمہارے اوپر کوئی وحشت یا گھبراہٹ نہیں تھی۔''

''تم جس خون کی بات کر رہے ہو۔ وہ معصوم آدمی کا خون ہوتا ہے۔ راجن اور اس کے دونوں ساتھی پرانے پاپی تھے۔ انہیں مار کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔''

''تم کچھ بھی کہہ لو، مجھے تم کسی عام آدمی سے ہمیشہ مختلف نظر آئے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے خوں ریزی تمہاری گھٹی میں شامل رہی ہو۔'' اس نے سڑک پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

''خدا خدا کر کے ڈان سے جان چھوٹی تو اب تم نے وہی خرافات دہرانا شروع کردیں۔'' میں نے برہمی سے کہا ''میں کس کس کو اور کیسے سمجھاؤں کہ میں ایک عام آدمی

Downloaded from https://paksociety.com

ہوں۔''

''ماسٹر! مجھے غلط نہ سمجھو!'' اس نے جلدی سے وضاحت کی ''میری اور ڈان کی کہی ہوئی باتوں میں بہت فرق ہے۔ مجھے کوئی شک نہیں، میں تمہاری خوبی یا خرابی بتا رہا تھا۔''

''دنیا میں کوئی دو آدمی یکساں نہیں ہوتے۔ تم مجھے کسی بھی زمرے میں شمار کر سکتے ہو۔ میں تم لوگوں سے الگ ہونے کے بعد ایک مرتبہ پھر اپنی معمول کی زندگی میں مصروف ہو جاؤں گا جو تمہارے تصور سے زیادہ سیدھی اور آسان ہے۔''

''تم نے میری اور مادام کی آج کی ملاقات کا ڈان سے ذکر نہ کر کے مجھ پر احسان کیا۔ میں نے اس سے پہلے اس کا بدلہ چکا دیا تھا۔'' چند منٹ تک خاموشی سے گاڑی چلاتے رہنے کے بعد چاؤفان نے پھر ایک شگوفہ چھوڑ دیا۔

''میں اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہوں۔ تمہاری طرح شہر کی ہر عورت کے پیچھے مارا مارا نہیں پھرتا۔ تم نے مجھ پر کون سا احسان کیا تھا؟'' میں نے قدرے تنک کر پوچھا۔

''ماسٹر! یہ نہ بھولو کہ جب وہ تمہیں ڈینی بنانے پر تلا ہوا تھا تو اس نے تمہارے حریفوں کی پُراسرار اموات کا ذکر کیا تھا اور میں نے اپنی زبان بند رکھی تھی'' اس نے معنی خیز لہجے میں کہا ''میں اب بھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوتا ہوں کہ چھوٹا راجن کے دو ساتھی ہماری جیپ کے پاس کھڑے کھڑے اچانک کیسے مر گئے۔''

''تم نے پھر یہ ذکر نکال لیا'' میں نے اسے آنکھیں دکھائیں ''تمہیں یاد نہیں کہ ان میں ایک کو تم نے اور دوسرے کو میں نے مارا تھا۔''

''یہ کہانی چھوڑ دو۔ تم نے جو کچھ کہا۔ وہ میں نے ڈان سے کہہ دیا'' وہ مکارانہ لہجے میں بولا ''میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں تم نے مارا۔ ذرا غیر جانب دار ہو کر سوچو۔ کیا ان کی اموات عجیب نہیں تھیں..... ؟ بعد میں وہاں صرف تم رہ گئے تھے اور وہ لاشیں گاڑی میں جل گئیں۔ آج تم نے خود اقرار کیا ہے کہ موتی محل میں تم نے تینوں لاشوں کو جلا دیا۔''

''تم کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہو؟'' میں نے غرا کر جارحانہ لہجے میں پوچھا۔

''ناقابلِ یقین..... پُراسرار!'' اس نے زور دے کر کہا ''ڈان کئی باتوں سے بے خبر ہے مگر اس نے اپنے تجربے کی بنا پر وہی کہا جو میں سوچے جا رہا ہوں۔ آخر تمہارے دشمن تمہارے روبرو آتے ہی اتنی آسانی سے کیوں مر جاتے ہیں۔''

''سوچتے رہو اور جب کسی نتیجے پر پہنچ جاؤ تو مجھے آگاہ کر دینا۔'' میں نے بے زاری سے کہا۔

ہمارا بقیہ سفر غیر اہم باتوں میں گزر گیا۔ چاؤفان نے اپنی فطری ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے میرا موڈ بحال کر دیا تھا۔ شہر پہنچنے کے بعد وہ مجھے بلٹن ہوٹل کے باہر اتار کر چلا گیا۔

غزالہ بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ راجن اور پھر ڈان کے پاس ہونے والی میری پے در پے پیشیوں نے اسے اعصاب زدہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے یہ جان کر اطمینان ہوا کہ میری اور ڈان کی ملاقات کا ماحول بہت خوشگوار رہا تھا۔ وہاں پیدا ہونے والی سنسنی خیز تلخیوں کا تذکرہ میں نے دانستہ گول کر دیا تاکہ وہ ہراساں نہ ہو۔

اس نے بتایا کہ موتی محل میں آتش زدگی کی خبر ٹیلی وژن تک پہنچ چکی تھی۔ موتی محل ویران ہو جانے کے سبب آگ اندر ہی اندر پھیل کر راجن کے بیش قیمت اثاثوں کو چاٹتی رہی۔ قرب و جوار کے لوگوں کو اندر آتش زدگی کا علم ہوا تو آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ طویل جدوجہد کے بعد اس وسیع و عریض عمارت کے بیرونی حصوں کے شعلوں پر قابو پا لیا گیا تھا لیکن وہاں سلگتے ہوئے ملبے کا اتنا کثیف دھواں بھرا ہوا تھا کہ عمارت کے اندرونی حصوں تک رسائی ناممکن تھی۔ عمارت کے وسط سے بہ دستور دھوئیں اور خوفناک شعلوں کے بادل اٹھ رہے تھے جن پر قابو پانے کے لیے ہیلی کاپٹر سے آگ بجھانے والے کیمیائی مادوں کے چھڑکاؤ کی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔

اس وقت خبروں میں صرف آگ ہی کا تذکرہ تھا۔ شہر میں کسی کو علم نہیں تھا کہ وہ آگ راجن اور اس کے دو ساتھیوں کی چتا بنی ہوئی تھی۔ ملبہ ہٹائے بغیر ان لاشوں کا دریافت ہونا ناممکن تھا۔ ٹیلی وژن مبصر نے اس آگ کو موتی محل پر صبح ہونے والے حملے کا تسلسل قرار دیا تھا۔

''سویرا ج کے بعد راجن بھی جہنم واصل ہوا'' غزالہ مجھ سے کہہ رہی تھی ''جلال نے آپ کو فی الحال پاکستان جانے سے روکا ہوا ہے۔ ہم یہاں ٹھہرے رہے تو ڈان آپ کو چین نہیں لینے دے گا۔ وہ آپ کی کارگزاریوں سے خاصا خوش ہے۔''

''پاسپورٹ مل گئے لیکن چند روز تک ہم یہیں رہیں گے۔'' میں نے اپنی جیب سے پاسپورٹ نکال کر اس کی گود میں ڈال دیے ''ڈان کی کامیابی کے جشن کے بعد میں خود بھی یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ اب کدھر کا

Downloaded from https://paksociety.com

رخ کیا جائے۔''

''آپ جب سے یہاں آئے ہیں، مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے اس بوجھ میں اضافہ نہیں کرنا چاہتی۔ کسی اور ملک میں پڑاؤ ہوگا تو آپ سے ذرا تفصیل سے بات ہوگی۔'' غزالہ نے پاسپورٹوں کی ورق گردانی کرتے ہوئے بشاشت سے کہا۔ اس کی یاقوتی ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم پھیلا ہوا تھا۔

''میں مسائل کا عادی ہوں۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے کہہ ڈالو۔ اپنی زبان بند رکھوگی تو بلاوجہ ذہنی خلفشار میں مبتلا رہوگی۔'' میں نے ہنس کر اس کی حوصلہ افزائی۔

''ابھی نہیں!'' وہ اٹھلا کر ایک ادا کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھی اور قریب آ کر محبت سے میرے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

وہ غزالہ کا خاص حربہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے وجود کا خواب آگیں لمس محسوس کر کے میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔

دس بجے ہم اپنے کمرے میں کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ میرے مقامی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ راجن کی موت اور ڈان سے تازہ ترین ملاقات کے بعد اس وقت کسے میری تلاش ہوسکتی تھی۔

فون اٹھایا تو اسکرین پر طارق کا نمبر موجود تھا۔

''علی! یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے سلسلہ ملتے ہی بلا کسی تمہید سوال کیا۔

''غالباً فون ہو رہا ہے اور کال تمہاری ہے!'' میں نے خوش دلی سے جواب دیا۔

اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر وہ بولا ''موتی محل مسلسل عتاب کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ وہاں بھیانک آگ لگی ہوئی ہے۔ شہر کا ہر افسر اور رپورٹر راجن کی تلاش میں لگا ہوا ہے لیکن اس کا کہیں سراغ نہیں مل رہا۔''

''نہیں ملے گا۔'' میں نے سنجیدگی سے اسے بتایا ''وہ بھی اندر ہی ہے، ملنے جلنے سے معذور۔ اسے اب ایک بھولا ہوا خواب سمجھ لو۔''

''تمہاری رفتار بہت تیز نہیں ہے؟'' اس نے محتاط آواز میں پوچھا۔

''حالات کے ریلے میں بہہ رہا ہوں۔ یہ جانتے ہو نا کہ ریلے میں جو اپنی رفتار دھیمی کرنے کی حماقت کرتا ہے، دوسرے اسے روندتے اور پیستے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔''

''میرے لیے کوئی نیا کام؟'' وہ مختصر گفتگو کر رہا تھا۔ اس نے میری دی ہوئی خبر پر مزید تبصرہ نہیں کیا۔

''آرام کرو، ضرورت ہوئی تو میں خود رابطہ کرلوں گا۔'' مجھے اس کا روکھا انداز پسند نہیں آیا۔

''اللہ حافظ اور گڈ لک!'' اس نے فون بند کردیا۔

طارق بنکاک میں اپنے محکمے کا باضابطہ نمایندہ تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کے بڑوں نے مجھ سے تعاون کے سلسلے میں اسے جو زبانی ہدایات دی تھیں وہ اس کے سرکاری دائرۂ کار سے متجاوز تھیں۔ وسیع تر ملکی مفاد میں ان ہدایات پر عمل کرنا اس کی مجبوری تھا لیکن وہ کشت وخون کے معاملات سے بہت دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے اسد کی جگہ لینے کے لیے بنکاک آئے چند ہی روز گزرے تھے۔ وہ وہاں کے حالات کے پیچ وخم اور نشیب وفراز سے واقف نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ میری مدد کرنے کے چکر میں اگر وہ کہیں پھنس گیا تو کوئی بھی اس کی مدد نہیں کرسکے گا۔ اپنی قانونی حدود سے تجاوز کرنے کے الزام میں اسے ناپسندیدہ قرار دے کر بنکاک بلکہ تھائی لینڈ سے نکال دیا جائے گا۔

طارق کی ان مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے میں اس کے روکھے پھیکے رویے کو نظر انداز کرنے میں کوئی ہتک محسوس نہیں کر رہا تھا۔

اس کے لیے سر منڈاتے ہی اولے پڑنا شروع ہوگئے تھے۔ اس نے بنکاک میں قدم رکھا تو راجن کی وائٹ ہاک کی عبرت ناک تباہی کی تازہ ترین خبر شہر بھر میں گردش میں آئی ہوئی تھی۔ اپنے منصبی فرائض کی انجام دہی سے پہلے اسے سمندر کی طرف دوڑ لگانا پڑی۔ اپنی آنکھوں سے اس واقعے کا مشاہدہ کرتے ہی اس نے وہ خبر تیزی سے اپنے بڑوں تک پہنچا کر مجھے حیران کردیا۔

اپنے خشک رویے سے قطع نظر وہ ایک مستند اور فرض شناس افسر تھا۔ مجھے پوری توقع تھی کہ وہ راجن کی ہلاکت کی خبر بلاتاخیر اسلام آباد والوں کو پہنچا دے گا اور رات میں کسی بھی وقت میرے پاس جلال کا فون آجائے گا۔ میں اس روز صبح سے اتنا زیادہ مصروف رہا تھا کہ مجھے جلال یا اول خان میں سے کسی سے بات کرنے کی مہلت نہیں مل سکی۔ بہتر یہی تھا کہ جلال اپنے آدمی سے مصدقہ خبر ملنے کے بعد مجھ سے رابطہ کرتا۔

میں دن بھر کی بھاگ دوڑ سے تھکا ہوا تھا۔ غزالہ بھی دن بھر صبر آزما انتظار سے گزرتی رہی تھی۔ ہم دونوں کپڑے

Downloaded from https://paksociety.com

تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گئے۔ میری نگاہیں ٹیلی وژن اسکرین پر تھیں، کان ٹیلی فون کی گھنٹی پر لگے ہوئے تھے لیکن ذہن نہیں اور تھا۔

وقت رینگ رینگ کر گزرتا رہا۔ بستر پر کروٹیں بدلنے کے باوجود نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بنکاک کا وقت کراچی اور اسلام آباد سے دو گھنٹے آگے ہونے کی وجہ سے مجھے اندازہ تھا کہ جلال اپنے معمولات سے نمٹ کر فون کرے گا تو ہماری آدھی رات بیت چکی ہوگی۔ اس سے بات ہونے سے پہلے میری آنکھوں میں نیند کا اترنا محال تھا۔

بارہ بجے کے قریب میرے کراچی والے موبائل فون کی گھنٹی بجی تو میرا ذہن جلال کی طرف گیا۔ میں نے اسکرین پر نمبر دیکھے بغیر کال سنی تو دوسرے سرے سے ویرا کی سنجیدہ آواز سن کر میں پریشان ہو گیا۔

''علی! کیا تم اس وقت ہماری طرف آسکتے ہو؟'' ویرا نے تفکر آمیز انداز میں وہ سوال کر کے مجھے سنگین اندیشوں میں مبتلا کر دیا۔

''نہیں، یہ ناممکن ہے۔'' میں نے رسانیت سے کہا۔ اس سے یہ طے ہو چکا تھا کہ بنکاک میں ہمیں ایک دوسرے سے دور رہنا تھا۔ ڈان سے آخری ملاقات میں ہونے والی پُرپیچ گفتگو کے نتیجے میں وہ احتیاط اور زیادہ ضروری ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اس سے پوچھا ''اس وقت تمہیں میری کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''معاملہ سنگین اور نازک ہے، کیا میں کھل کر بات کر سکتی ہوں؟''

بنکاک کے فون سسٹم کی خوبیوں کے بارے میں ڈان خاصے وثوق سے مجھے کئی مثبت باتیں بتا چکا تھا۔ ویسے بھی ویرا نے اس کال کے لیے لینڈ لائن استعمال نہیں کی تھی۔ میری دانست میں موبائل فون خاصا محفوظ تھا۔ جلال، اسد اور طارق وغیرہ سے اہم گفتگو کے لیے میں اسے استعمال کرتا رہا تھا اور کسی مرحلے پر کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ دوسری اہم بات یہ تھی کہ ہماری ساری گفتگو اردو میں ہوتی تھی جو کسی اور کے لیے ناقابلِ فہم ہوتی۔ میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا ''موبائل فون پر بات کرنے میں کوئی ہرج نہیں..... اس وقت تم کچھ خائف معلوم ہو رہی ہو!''

''آج ہماری غیر موجودگی میں اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی ہے۔'' ویرا نے سلطان شاہ کے بارے میں وہ انکشاف کر کے مجھے چونکا دیا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' میں نے بے یقینی سے کہا ''ممکن ہے کہ کمرے کی صفائی کرنے والے عملے نے کچھ چیزیں اِدھر اُدھر کر دی ہوں!''

''میں نے پورا اطمینان کرنے کے بعد تم سے رابطہ کیا ہے۔'' وہ بولی ''آج شام ہم دونوں شہر گھومنے کے لیے نکل گئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے واپس آئے ہیں۔ کمرے میں سلطان شاہ کا ایک چھوٹا دستی بیگ غائب ہے جس میں اس نے نیو یارک اور ٹورنٹو کی بہت سی چھوٹی چھوٹی یادگاری اشیا جمع کی ہوئی تھیں۔''

''وہ عقل سے بالکل کورا ہے۔ اسے یہ سب ساتھ لے کر پھرنے کی کیا ضرورت تھی!'' دستی بیگ میں موجود اشیا کے بارے میں سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔

''مجھے بھی اس بارے میں اب پتا چلا ہے۔'' ویرا کی آواز نرم تھی۔ شاید سلطان شاہ اس کے قریب موجود تھا۔ اس نے اپنی بات جاری رکھی ''جو ہونا تھا سو ہو گیا۔ میں پریشان ہوں کہ یہاں کون ہمارے پیچھے لگ گیا ہے اور اس کے کیا عزائم ہیں۔''

''وہ جو بھی ہے تمہارا دوست نہیں ہو سکتا۔ اپنے دشمنوں کے ارادوں سے تم اچھی طرح باخبر ہو۔''

میں نے کہا ''اس بارے میں کسی غلط فہمی میں رہنے کی ضرورت نہیں۔''

''میرے لیے یہ بات حیرت ناک ہے کہ اکبر کے کمرے کی تلاشی لی گئی اور میرے کمرے کو نہیں چھیڑا گیا۔'' ویرا بولی۔

''کسی دشمن کا تعین کرنے کے لیے اس بات کا واضح ہونا ضروری ہے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''اپنے فلور کے عملے سے چھان بین کرو۔ ہو سکتا ہے کہ کسی وجہ سے تمہارے کمرے کی تلاشی کی نوبت نہ آ سکی ہو۔ مجھے تمہارے ہم وطنوں پر شک ہو رہا ہے۔''

''ہم مکمل رازداری کے ساتھ یہاں آئے ہیں۔ انہیں ہماری بھنک کیسے مل گئی؟'' ویرا نے اپنی سوچ کے مطابق اہم سوال اٹھایا۔

ویرا پرانے دور کے مطابق سوچ رہی تھی جب امیگریشن وغیرہ کے معاملات سوفی صد انسانی صوابدید اور دفتری ریکارڈ پر منحصر ہوتے تھے۔ وہ یہ بھول رہی تھی کہ چند عشروں میں کمپیوٹر کے بھرپور استعمال نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ ویسے تو پورے مغرب میں اور مشرق کے ترقی یافتہ ملکوں میں کمپیوٹر نے زندگی کے ہر شعبے میں دخل حاصل کر لیا تھا لیکن امریکا اور کینیڈا اس ذیل میں سب سے آگے تھے۔ کینیڈا کو

Downloaded from http://paksociety.com

امریکا کا پڑوسی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ اس اعتبار سے ان کے بہت سے مفادات، خاص طور پر سرحدی مسائل مشترک تھے اور وہ ان کے حل کے لیے ایک مدت سے مل جل کر کام کر رہے تھے۔

اخبارات وغیرہ میں ایسی خبریں میری نظروں سے گزرتی رہتی تھیں جن کے مطابق امریکا میں سارے امیگریشن کاؤنٹر ایک مضبوط نیٹ ورک کے ذریعے آپس میں منسلک تھے۔ نیویارک سے امریکا میں داخل ہونے والا کوئی بھی شخص اگر لاس اینجلس سے روانہ ہوتا تھا تو وہاں کا امیگریشن افسر اس کے کوائف اپنے کمپیوٹر میں ڈالتے ہی چند لمحوں میں یہ جان لیتا تھا کہ وہ شخص کب اور کہاں سے امریکا میں داخل ہوا تھا۔

وہ دونوں البرٹو کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد اپنی دانست میں امریکی ایجنٹوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نیویارک سے فرار ہوئے تھے اور ٹورنٹو سے ہوتے ہوئے بنکاک آ گئے مگر وہ یہ بھول رہے تھے کہ نیا گراچیک پوسٹ پر ان کے کوائف کے اندراجات سے سی آئی اے یا ایف بی آئی والوں کے لیے یہ معلوم کرنا دشوار نہیں تھا کہ وہ امریکا سے نکل کر کہاں گئے تھے۔

ٹورنٹو میں ہوٹلوں کے ریکارڈ میں گھسے بغیر انہیں امیگریشن کے مرکزی کمپیوٹر ریکارڈ سے یہ پتا چل سکتا تھا کہ ان کے مطلوبہ افراد کینیڈا سے نکل کر کدھر گئے ہیں۔ یہ سراغ مل جانے کے بعد ان کے لیے بنکاک کے ہوٹل تک رسائی حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے کہ تم رازداری کے ساتھ یہاں آئی ہو۔'' میں نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ ''یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ نام اور پاسپورٹ نمبر ڈالتے ہی کمپیوٹر سب کچھ اگل دیتا ہے۔

قانونی طریقوں سے سفر کرنے والوں کا سراغ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔''

''تم ایک دم انتہائی نتائج پر چھلانگ لگا کر دم نکال دیتے ہو۔ یہ حرکت کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر تبصرہ کیا۔

''تم کسی خوش فہمی میں مبتلا رہنا چاہتی ہو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ مجھے صاف نظر آ رہا ہے کہ اس واقعے میں کون لوگ ملوث ہیں۔ وہ اکبر کے کمرے سے ایسے ثبوت نکال لے گئے جن سے پتا چلتا ہے کہ یہاں آنے سے پہلے تم دونوں کہاں کہاں رکے تھے۔ یہ بھی سوچو کہ تمہیں یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزر رہا ہے۔ تم مشکل سے یہاں کسی سے ملی ہو گی۔ یہاں تمہارا کوئی دوست ہے نہ دشمن۔''

''کیا وہ کوئی چور اچکا نہیں ہو سکتا؟'' ویرا نے نکتہ آفرینی کی۔

''تم کسی مسافر خانے میں نہیں فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہری ہوئی ہو۔ ان کی ہوم سیکورٹی بہت سخت ہوتی ہے۔ یہ خفیہ طور پر ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھتے ہیں۔ وہاں چور اچکوں کا گزر نہیں ہو سکتا۔ یہ حرکت کسی ایسی شخصیت کی ہے جو شکل صورت اور اپنے لباس سے معزز یا کم از کم قرینے کی نظر آ رہی ہو۔ چور آتے ہیں تو بے وقعت چیزیں نہیں لے جاتے۔ نقدی اور قیمتی اشیا ان کا نشانہ بنتی ہیں۔ یہ خود فریبی اپنے ذہن سے نکال دو۔''

''اکبر کے کمرے میں کچھ تھا ہی نہیں۔ نقدی اور پاسپورٹ ہم ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں..... لیکن نہیں۔ وہ بتا رہا ہے کہ اس کی گٹھڑی کمرے میں تھی، اسے نہیں چھوا گیا۔''

''تم دونوں کے لیے خطرے کی گھنٹی بج گئی ہے۔ میں تمہیں یہاں آنے سے روک رہا تھا مگر تم نہیں مانیں۔ اب ہم سب کو مسائل کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

''ہم اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ ساری گڑبڑ البرٹو کی ذات سے ہوئی۔ اس کے مارے جانے کے بعد ہم ایک لمحے کے لیے بھی وہاں نہیں رک سکتے تھے۔ اگر ریکارڈ وغیرہ کے بارے میں تمہارے اندازے درست ہیں تو ہم جہاں بھی جاتے وہاں ہمارے لیے یہی مسائل کھڑے ہو جاتے۔ اب ہماری گلوخلاصی کے بارے میں سوچو۔''

''کچھ نہ کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔'' میں نے تشویش سے کہا ''خطرے کی بات یہ ہے کہ یہ ہوٹل ان کی نظروں میں آ چکا ہے۔ وہ کسی بھی وقت دوبارہ وہاں آ سکتے ہیں۔ تم کو فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے۔ اس طرح تم کو کچھ وقت مل جائے گا۔''

''کیا ہم یہ رات کھلے آسمان کے نیچے گزاریں گے؟''

''بنکاک بہت مہمان نواز شہر ہے۔ بڑے ہوٹلوں کے لگے بندھے تو اعد وضوابط ہوتے ہیں۔ ان کا عملہ اپنے اصولوں سے ہٹ کر کسی کو جگہ نہیں دیتا۔ شہر میں بہت سے چھوٹے ہوٹل اور گیسٹ ہاؤس ہیں۔ رقم کے لالچ میں ان کے مالکان کوئی پوچھ گچھ نہیں کرتے۔ عارضی طور پر ایسے کسی ٹھکانے میں ڈیرا ڈال لو۔ کوئی نہیں پوچھے گا کہ تم کون ہو اور

Downloaded from https://paksociety.com

کہاں سے آئی ہو۔''

وہ میری تجویز سے اسی لمحے متفق ہوگئی۔ بنکاک اس کے لیے نیا شہر نہیں تھا۔ ماضی میں وہ بارہا وہاں آتی رہی تھی۔ نئے ٹھکانے پر نام بدل کر وہ دونوں آسانی کے ساتھ اپنے نامعلوم دشمنوں کی نگاہوں سے روپوش ہو سکتے تھے۔

میں نے اسے تاکید کی کہ وہ نئے ٹھکانے پر قدم جماتے ہی مجھے باخبر کردے۔

اس سے گفتگو ختم کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک اندیشہ سرابھار رہا تھا مگر میں نے اس کا ذکر کر کے اسے پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے توقع تھی کہ کسی آڑے وقت میں وہ اپنے بچاؤ کی کوئی نہ کوئی راہ نکال لے گی۔

راجن اور موتی محل کے انجام کے بارے میں وہ بے خبر تھی۔ میں نے بھی اس بارے میں کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔

☆☆☆

''کیا طے ہوا؟'' مجھ سے بات ختم ہوتے ہی سلطان شاہ نے مضطربانہ لہجے میں ویرا سے پوچھا۔

''ڈینی کہہ رہا ہے کہ ہم دونوں کو شادی کر کے فوری طور پر ہنی مون منانے کے لیے روانہ ہو جانا چاہیے۔'' ویرا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لاحول ولاقوۃ!'' سلطان شاہ نے برا سا منہ بنا کر بے زاری سے کہا ''تمہارے سر پر ہر وقت ایسی خرافات سوار رہتی ہیں۔ کیا تم کو اندازہ نہیں ہے کہ میرے کمرے کی تلاشی کا واقعہ بہت سنگین ہے۔ ہمارے سروں پر خطرہ منڈلا رہا ہے۔''

''واقعہ سنگین ضرور ہے لیکن ہم کو صبر و تحمل کے ساتھ اس کا حل تلاش کرنا ہوگا۔'' ویرا نے اپنے مذاق کو طول دینے کے بجائے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ''ڈینی کی رائے میں ہمیں فوری طور پر یہ ہوٹل چھوڑ دینا چاہیے مگر میں یہاں سے جانے سے پہلے کچھ چھان بین کرنا چاہتی ہوں۔''

''ڈینی کا مشورہ مناسب ہے مگر یہ سوچ لو کہ کوئی یہاں تک آ پہنچا تو اب ہمیں اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دے گا۔'' سلطان شاہ بولا۔

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' ویرا نے چونک کر پوچھا۔

''ہوسکتا ہے کہ ہماری نگرانی کی جارہی ہو۔'' سلطان شاہ نے وہ بات کہہ دی جس کا ذکر میں نے دانستہ گول کر دیا تھا۔

ویرا سوچ میں پڑ گئی۔ سفر میں درپیش مراحل کی وجہ سے وہ دونوں ابتدا سے غیر مسلح رہے تھے۔ صرف ویرا کے پاس بیم گن موجود تھی۔ جسے وہ کسی نہ کسی طرح اپنے سامان میں چھپا کر ساتھ لانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔

میری اور اس کی ملاقات اس اعتبار سے سودمند رہی کہ اسے بنکاک کے تازہ ترین حالات کے بارے میں علم ہوگیا۔ وہ جانتی تھی کہ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر جلال نے میرے لیے بیم گن کے استعمال پر پابندی لگادی تھی۔ وہ ہتھیار میری ذات سے منسوب ہوکر رہ گیا تھا۔ وہ کسی ناگزیر مجبوری کی حالت میں اسے استعمال کرتی تو ہر طرف یہی گمان کیا جاتا کہ بیم گن میں نے استعمال کی ہے اور میں یقینی طور پر بنکاک میں موجود ہوں۔

اس اعتبار سے اس کے پاس بیم گن کا ہونا یا نہ ہونا یکساں تھا۔ ایسا ہتھیار جسے ضرورت پڑنے پر استعمال نہ کیا جاسکے، اس کے لیے بے سود تھا۔

باہمی مشورے سے انہوں نے ہوٹل کے کاؤنٹر سے حساب چیک کیا تو ان کی کچھ رقم فاضل تھی۔ خاموشی سے ہوٹل چھوڑ کر بھاگنے کے بجائے ویرا نے باقاعدہ چیک آؤٹ کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ سلطان شاہ نے حساب بے باق کرنے کی ہدایت کردی۔

ویرا نے اپنے کمرے میں جاکر انٹرکام پر روم سروس کی ایک ویٹریس کو بلایا۔ وہ نوجوان مقامی دوشیزہ تھی اور مقامی لب و لہجے کی فطری تتلاہٹ سے قطع نظر روانی سے انگلش بول رہی تھی۔ ویرا کا خیال تھا کہ اسے مطلوبہ معلومات حاصل کرنے کے لیے باری باری فلور کی ہر ویٹریس سے بات کرنا پڑے گی لیکن خوش قسمتی سے اس کی پہلی کوشش بار آور ثابت ہوئی۔

ویرا نے اسے کمرے میں بٹھا کر ذاتی نوعیت کے چند سوالات کیے پھر خاموشی سے سوبھات کا ایک نوٹ اس کی طرف بڑھایا جو گائن ویت وائی نامی لڑکی نے شکریے کے ساتھ قبول کرلیا۔

گائن نے ویرا کے استفسار پر بتایا کہ نو بجے کے لگ بھگ وہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے مہمانوں کے کمروں میں کھانا پہنچانے میں مصروف تھی تو برابر والے کمرے سے ایک لمبا سا امریکی برآمد ہوکر ویرا کے کمرے کے دروازے پر آیا۔ گائن کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور دروازے پر چند دستکیں دینے کے بعد دوبارہ برابر والے کمرے میں گھس گیا۔

اپنے بالوں کی تراش اور چال ڈھال سے وہ کوئی فوجی معلوم ہورہا تھا لیکن اس وقت قمیص اور پتلون میں ملبوس تھا۔

Downloaded from http://paksociety.com

یہ ایک اتفاق تھا کہ اس شام فلور پر کئی مہمانوں نے کمروں میں کھانا طلب کیا تھا۔ گائن کا اپنی سروس ٹرالی سے کمروں تک پھیرے لگانے میں کافی وقت صرف ہوگیا۔ اس دوران میں کم وبیش پندرہ منٹ کے وقفے سے وہی امریکی دوبارہ کوریڈور میں نکل آیا۔ غیر متوقع طور پر گائن کو وہیں موجود پاکر اس نے مزاحیہ انداز میں اسے آنکھ ماری اور ویرا کے کمرے کے دروازے پر جا رکا۔

کمروں کی حفاظت اور دیکھ بھال فلور اسٹاف کی ذمے داریوں میں شامل تھی۔ گائن رک کر اس کا جائزہ لیتی رہی۔ اس بار امریکی سولجر نے دروازے پر صرف ایک بار دستک دی اور برابر والے کمرے میں جانے کے بجائے لفٹ کی طرف ہولیا۔

ہوٹل کے ہر فلور پر اس کثرت سے مہمان بدلتے رہتے تھے کہ گائن کے لیے یہ یاد رکھنا دشوار تھا کہ کون کس کمرے میں مقیم ہے۔ وہ سمجھی کہ برابر والا کمرا اسی امریکی کا ہے حالانکہ وہ سلطان شاہ کا کمرا تھا۔ ویرا کو اس لڑکی سے مطلوبہ کڑیاں مل گئی تھیں۔ اس نے مزید سوبھات دے کر اسے رخصت کردیا۔

بات واضح ہوگئی۔ نامعلوم امریکی نے سلطان شاہ کے کمرے میں خاصا وقت گزارنے کے ساتھ ویرا کے دروازے پر بھی اپنا مقدر آزمانے کی کوشش کی تھی لیکن گائن کی موجودگی کے سبب اسے تالے میں طبع آزمائی کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

ویرا کے ذہن میں رہی سہی موہوم سی خوش فہمی بھی رفع ہوگئی۔ معاملہ واضح ہوگیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح امریکیوں کو اس کی موجودگی کی بھنک مل گئی تھی۔

کچھ دیر تک غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچی کہ البرٹو ان کا غدار تھا۔ وہ اس کی تلاش میں لگے ہوئے تھے اور آخر کار ان کی ایک مرد مار ایجنٹ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ البرٹو کو اس کی نظروں میں آئے کتنا عرصہ ہوا تھا۔

جب اس ایجنٹ نے برسرِ عام البرٹو پر ہاتھ ڈالا تو سلطان شاہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے بھاگ کر اپنی جان بچالی لیکن سی آئی اے اس کی بو پر لگ چکی تھی۔ وہ لوگ ایسے آدمی کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے تھے جو ان کے باغی کا ہمدرد اور ساتھی رہا ہو۔

وہ معاملہ سراسر البرٹو کی ذات سے وابستہ تھا اس لیے پہلے اس کے کمرے کی تلاشی لی گئی۔ ویرا کی اہمیت صرف اسی قدر تھی کہ وہ اکبر یا سلطان شاہ کی ساتھی تھی۔ ان لوگوں نے اسے ویرا لائیڈ کی حیثیت سے شناخت نہیں کیا تھا۔

اگر وہ اسے پہچان لیتے تو بات کمرے کی تلاشی تک محدود نہ رہتی۔ وہ ہوٹل میں پہنچتے ہی اسے پکڑنے کے لیے ایسا جال پھیلاتے کہ مجھ سے رابطہ کرنے سے پہلے اسے قید کرلیا جاتا۔

اس کے لیے یہ اطمینان کی بات تھی۔ خطرہ سامنے آگیا تھا لیکن اس کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ ویرا لائیڈ کو وہ پوری قوت کے ساتھ زندہ یا مردہ حالت میں پکڑنے کی کوشش کرتے جب کہ اکبر کی ساتھی ریٹا کو وہ بازپرس کے لیے پکڑنا چاہتے تھے۔ وہ زندہ ہاتھ آنے کے بعد ہی اکبر اور البرٹو کے مشتبہ مراسم کے بارے میں اہم معلومات فراہم کرسکتی تھی۔

وہ ویرا کا اپنا تجزیہ تھا۔ اس سے گفتگو کرتے ہوئے وہ اہم ترین نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکا تھا۔ میرے ذہن پر صرف ایک خوف سوار تھا کہ آخر کار امریکی ایجنٹ ویرا کی راہ پر لگ گئے تھے۔

ویرا نے دنیا میں اپنی عمر سے زیادہ نشیب وفراز دیکھے ہوئے تھے۔ شی میں بلیک کوبین کے روپ میں اس نے منشیات فروشوں کے ایک بڑے گروہ کی کامیاب قیادت کی تھی۔ اس نے فوری طور پر ہوٹل سے روانگی کی حکمتِ عملی طے کرلی۔

ہوٹل کے حساب کتاب سے فارغ ہوکر ان دونوں نے اپنا سامان سمیٹا جو دونوں کے الگ الگ سفری بیگوں میں سما گیا۔

آپس میں آخری مشاورت کے بعد وہ ویرا کے کمرے سے نکلے۔ سلطان شاہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا، ویرا نے زینوں کی راہ لی۔

ویرا زینے طے کرکے ہوٹل کی لابی میں پہنچی تو سلطان شاہ اپنا مختصر سا بیگ اپنے کندھے پر لٹکائے ہوٹل کے صدر دروازے کے قریب پہنچ رہا تھا۔

رات گہری ہوجانے کے باوجود ہوٹل میں آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ ان میں ہر قوم اور رنگ کے لوگ نظر آرہے تھے۔ ویرا بہت دھیان دینے کے باوجود سلطان شاہ کے پیچھے جانے والوں میں کسی ایسے فرد کی نشان دہی کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکی جسے وہ اپنے حریفوں کا ہرکارہ تصور کرتی۔

وہ بھی اطمینان سے اسی سمت میں چل دی لیکن اس کے

Downloaded from https://paksociety.com